ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولي الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (الآیۃ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد دوم

افادات
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی و اہتمام
مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

نام کتاب ..... فتاویٰ حقانیہ (جلد دوم)

افادات ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ و دیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام ..... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب ..... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت ..... ۱۲۰ صفحات

طابع مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر . جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد دوم

کتاب السلوک

کتاب السیاسۃ

رسالہ

عورتوں کے حقوق آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ

کتاب الطہارۃ

باب الوضوء

کتاب
الاجتهاد
والتقلید

کتاب الاجتہاد والتقلید

(اجتہاد اور تقلید کے احکام و مسائل)

تقلید کی شرعی حیثیت

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقلید کرنا شرک ہے، جو ائمہ اربعہؒ کی تقلید کرتا ہے وہ مشرک ہے، دریافت مسئلہ یہ ہے کہ تقلید ائمہ اربعہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا واقعی تقلید کرنے سے ایک مسلمان مشرک ہو جاتا ہے؟

الجواب: تقلید کسی ماہر شریعت کی راہنمائی میں شریعت مقدسہ کی اتباع کا نام ہے، قرآنی آیات، احادیث نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں بھی عامی شخص کو کسی ماہر شریعت کی پیروی کا حکم ملتا ہے، اس لیے عامی آدمی کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا واجب ہے اس سے شرک لازم نہیں آتا۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: ان الاجماع انعقد علی عدم العمل بمذهب مخالف للاربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم۔

(الاشباه والنظائر ج ا ص۳۳۳ القاعدة الاولیٰ: الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد) [1]

مجتہد اور مقلد کے دلائل میں فرق

سوال: ادلة المجتهد اور ادلة المقلد میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: مجتہد کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے ادلۂ اربعہ سے استدلال کرتا ہے اور مقلد اپنے مسئلہ کے لیے مجتہد کا قول پیش کرتا ہے، مقلد چونکہ کتاب و سنت سے ناواقف ہوتا ہے اس لیے وہ ثبوت مسئلہ کے لیے دلیل نہیں لا سکتا۔

لما قال العلامة صدر الشريعة: وقولنا يتوصل بها اليه للاظهار ان هذا

---

[1] قال العلامة عبد العزیز الفرهاری: ثم من لم يكن مجتهدًا وجب عليه اتباع المجتهد۔ (نبراس شرح شرح عقائد ص۲ تقليد المجتهد)

ومثله في البحر الرائق ج ۶ ص۲۶۰ كتاب القضاء۔

یختص بالمجتهد فانه انما یبحث عنه فی هذا العلم قواعد یتوصل المجتهد بها الی الفقه ليس الا المجتهد فان الفقه هو العلم بالاحکام من الادلة التی ليس دليل المقلد منها فلهذا لم یذکر مباحث التقلید والاستفتاء فی کتابنا ولا یبعد ان یقال انه یعم المجتهد والمقلد فالادلة الاربعة انما یتوصل بها المجتهد لا المقلد واما المقلد فالدلیل عنده قول المجتهد فالمقلد یقول هذا الحکم واقع عندی لانه ادی الیه رأی ابی حنیفة وکل ما ادی الیه رأیه فهو واقع عندی۔

(توضیح وتلویح ص۲۰ مطبع مصری)[1]

مذاہب اربعہ کو حق جانتے ہوئے قرآن وحدیث پر عمل کرنا

سوال:- ایک شخص مذاہب اربعہ کو حق جانتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے، تو ایسے شخص کا شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب:- ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو مقلد ہوگا یا مجتہد ہوگا، اب اگر وہ مقلد ہے تو مقلد پر تقلید واجب ہے، اور اگر مجتہد ہے تو وہ قرآن وسنت سے استدلال کر سکتا ہے، لیکن عصر حاضر میں چونکہ کسی میں بھی اجتہاد مطلق کی صلاحیت موجود نہیں ہے اسلئے اس شخص کا خیال غلط ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وقد ذکروا ان المجتهد المطلق قد فقد۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۷۷ مطلب فی طبقات الفقهاء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وظیفة العوام التمسک بقول الفقهاء ومذاهب علمهم فی اقوالهم وانه ليس لهم دون التمسک بالکتاب والسنة۔

(الفتاوی تنقیح الحامدیة ج۲ ص۳۲۷ فی فوائد شتی من الحظر والاباحة)

ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۶ کتاب الطهارة۔

[2] لما قال العلامة الحصکفیؒ: وقد ذکروا ان المجتهد المطلق قد فقد۔ قال السید احمد الطحطاوی: (قوله قد فقد) وهو جائز الوجه لان فضل الله تعالی لا یتقید بزمن دون زمن۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۵۱ مقدمه)

اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا

سوال:۔ کیا ایک حنفی کے لیے اہل الظاہر کے فتوے پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک حنفی کا اہل حدیث کے فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اہل الظاہر واہل حدیث اصحاب الفتویٰ میں سے نہیں ہیں۔[۱]

لما قال العلامة الکیرانویؒ: قال ابوبکر الرازی الجصاص فی اصوله لا یعتد بخلاف من لا یعرف اصول الشریعة ولم یرتض بطرق المقاییس ووجوه اجتهاد الرأی کداود الاصفهانی وامام اهل الظاهر والکرابیسی واضرابهما۔

(مقدمة اعلاء السنن ج ٣ ص ١٨٥ الفائدة الثانیة لا یعتد بخلاف الظاهریة)

امام ابوحنیفہؒ تابعی ہیں

سوال:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں یا تبع تابعی اور آپؒ نے کس صحابی کو دیکھا ہے؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ ٨٠ھ میں پیدا ہوئے اس زمانہ میں کافی تعداد میں صحابہؓ حیات تھے اس لیے آپؒ نے کئی صحابہ کی زیارت کی ہے جن میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اس لیے آپؒ تابعی ہیں اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔[۲]

لما قال الملا علی القاریؒ: قد ثبت رؤیته بعض الصحابة واختلف فی روایته عنهم والمعتمد ثبوتها..... فهو من التابعین الاعلام۔ (مقدمة اعلاء السنن ج ٣ ص ٦ الفصل الاول)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کی تعداد

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو صرف سترہ حدیثیں

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد استقر رأی الاصولیین علی ان المفتی هو المجتهد فاما غیر المجتهد ممن یحفظ اقوال المجتهد فلیس بمفت والواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کالامام علی وجه الحکایة۔ (رد المحتار ج ١ ص ٦٩ مطلب رسم المفتی)

ومثله فی الطحطاوی علی در المختار ج ١ ص [illegible]

[۲] قال العلامة ابن الجوزی رحمه الله: انما رأی انس بن مالک بعینه

(العلل المتناهیة ج ١ ص ١٢٨ باب الكفالة بوزن النفقة)

ومثله فی رد المحتار ج ١ ص ٥٠ مطلب فیما اختلف فی رؤیة الامام عن الصحابة۔

سے زیادہ نہیں جانتے تھے، جیسا کہ ابن خلدون نے ذکر کیا ہے؟

الجواب:۔ جو کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں سے زیادہ نہیں جانتے تھے وہ غلط کہتا ہے اور اس کا یہ کہنا مندرجہ ذیل وجوہات سے باطل ہے:۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ باتفاق اُمت مجتہد ہیں اور خود ابن خلدونؒ کا کہنا ہے کہ مجتہدین کا استنباط قرآن و سنت سے ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا تو آج ہر اہل حدیث مجتہد ہوتا۔

لما قال ابن خلدونؒ: ولا سبیل الی ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ لان الشریعۃ انما تؤخذ من الکتاب والسنۃ۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۴۴۵)

(۲) ابن خلدونؒ نے یہ قول یقال سے ذکر کیا ہے جو صیغہ تمریض ہے پھر خود ہی اس کا رد بھی کیا ہے۔

(۳) صرف امام یوسفؒ نے کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات کی تعداد ۱۰۶۷ ذکر کی ہے۔

(۴) امام ابو حنیفہؒ کی اپنی مسند موجود ہے جس میں ہزاروں روایات درج ہیں۔

(۵) امام ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ میں ذکر کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جو ایک لاکھ حدیثیں جانتا ہو۔

(۶) وقال محمد بن سماعۃؒ ان الامام ذکر فی تصانیفہ نیفا وسبعین الف حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔

(مقدمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۱۹۲ الفصل الاسع فی تراجم ائمتنا الثلاثۃ)

اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر اس قسم کا بے جا اعتراض کرنا بغض و حسد کی علامت ہے۔

صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہؒ کی روایات

سوال:۔ صحاح ستہ خاص کر بخاری و مسلم میں امام ابو حنیفہؒ سے روایات کیوں منقول نہیں ہیں؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا کام روایات سے مسائل کا استنباط تھا نہ کہ محض روایات بیان کرنا۔ فقہی استنباطات میں شبانہ روز مشغولیت کی وجہ سے آپؒ

پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کیا پاکستان میں علاوہ مذہب حنفی کے مذہب شافعی یا دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ یہاں ان پر عمل کرنے سے فتنہ و فساد کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اس لئے کہ یہاں ان مذاہب کو کوئی جانتا ہے؟

الجواب:- مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی حقانیت پر پوری امت کا اجماع ہے مگر البتہ جو مذہب اختیار کیا ہو اسی کی تقلید کی جائے گی دوسرے مذہب کی تقلید نہیں کی جائے گی خصوصاً اس وقت جبکہ فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو پھر دوسرے مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں۔

قال الشیخ شاہ ولی اللہ الدہلویؒ: فاذا کان جاہل فی بلاد الھند و بلاد ماوراء النھر ولیس ھناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد لمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لانہ حینئذ یخلع من عنقہ ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدی مھملاً۔

(الانصاف مع کشاف ص ۷۰ ہندوستان میں جاہل پر تقلید ابو حنیفہؒ واجب ہے)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مقلد تھے

سوال:- ہم نے بعض علماء سے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ مقلد نہیں تھے کیا واقعی حضرت شاہ صاحبؒ مقلد نہیں تھے؟

الجواب:- یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے، بلکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ باوجود صلاحیت اجتہاد کے مقلد تھے بلکہ آپؒ کو تقلید سے خروج پر ممانعت کی گئی تھی، چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں:-

واستفدت منہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیہ اشد میل فصارت ھذہ الاستفادۃ من براھین الحق تعالیٰ علی .... وثانیھا الوصاۃ بالتقلید بھذہ المذاھب۔

(فیوض الحرمین ص ۶۴)

مذہب حنفی موافق السنۃ ہے

سوال:- آجکل غیر مقلد حضرات عوام میں یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مذہب حنفی خلاف سنت ہے کیونکہ

یہ لوگ نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے جبکہ رفع الیدین کرنا سنت ہے، اور یہ لوگ قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے بھی قائل نہیں جبکہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام سنت ہے، اس کے علاوہ بھی بعض ایسے اقوال کہہ دیتے ہیں، تو کیا واقعی مذہب حنفی خلاف سنت ہے؟

الجواب:- مذہب حنفی کے بارے میں یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے، یہ مذہب دوسرے مذاہب سے سنت کی پیروی میں زیادہ قریب ہے۔ جہاں تک مذکورہ مسائل کا تعلق ہے تو اگرچہ رفع الیدین اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام وغیرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات منقول ہیں مگر ترک رفع الیدین وغیرہ کی روایات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منقول ہیں اور یہ روایات بہ نسبت دوسری روایات کے زیادہ قوی ہیں اس لیے حنفیہ کثراللہ سوادہم کے بارے میں ایسا کہنا صحیح نہیں ہے۔

قال الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلوی: وعرفنی رسول اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ۔ (فیوض الحرمین ص۴۸)

مذاہب اربعہ کی مخالفت کا حکم

سوال:- آجکل غیر مقلد اور دیگر جماعتوں کے لوگ مذاہب اربعہ اور ان کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور انکی مخالفت کرتے ہیں۔ تو کیا مذاہب اربعہ کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- چاروں مذاہب پر علماء امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے ان سے خروج کرنا اور ان کی مخالفت کرنا صحیح نہیں بلکہ موجب گناہ ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم: وما خالف الائمۃ الاربعۃ فھو مخالف للاجماع۔ (الاشباہ والنظائر ص۱۳۱) [1]

---

[1] قال العلامۃ احمد المعروف بملاجیون: وقد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربع ...... وکذا لا یجوز الاتباع لمن حدث مجتھدا مخالفا لھم۔

(التفسیرات الاحمدیۃ ص۳۴۶ سورۃ آل عمران)

ومثلہ فی التفسیر المظہری جزء ۲ ص۶۴ سورۃ آل عمران۔

مذاہبِ اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا

سوال :- جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ کسی نئے مذہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- علماءِ کرام کی تصریحات کی روشنی میں زمانۂ حال میں مذاہبِ اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ کوئی ایسا شرعی جزئیہ نہیں ہے جس کے بارے میں ان مذاہب نے تصریح نہ کی ہو۔

لما قال العلامة الشيخ احمد الطحطاوی رح : فعليكم يا معشر المؤمنين باتباع الفرقة الناجية المسماة بأهل السنة والجماعة فان نصرته تعالىٰ في موافقتهم وخذلانه وسخطه ومقته في مخالفتهم وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الاربعة هم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون ومن كان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة في ذلك الزمان من اهل البدعة والنار۔ (الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۱۵۳ کتاب الذبائح) [۱]

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! کیا اس دور میں بھی اجتہاد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن و سنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اجتہادِ مطلق کا سلسلہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے، آجکل کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اجتہادِ مطلق کے درجے تک پہنچ سکے، البتہ اجتہاد فی المسائل کی اب بھی اجازت ہے مگر جو شخص نئے مسائل میں اجتہاد کرتا ہو اس میں

---

[۱] قال العلامة ابن الهمام رح : وعلى هذا ما ذكر بعض المتأخرين منع تقليد غير الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقييد مسائلهم وتخصيص عمومها ولم يدر مثله في غيرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحيح (التحرير في اصول الفقه ص ۵۵۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۸۹ کتاب العلم)

ومثلہ فی فتاویٰ رحیمیہ ج ۳ ص ۹ کتاب العلم۔

اجتہاد کی صلاحیت کا موجود ہونا ضروری ہے بدون اس کے اجتہاد کی اجازت نہیں۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ: اما الاجتہاد مطلق فقالوا اختتم بالائمۃ الاربعۃ حتی اوجبوا تقلید واحد من ھؤلاء علی الامۃ ونقل امام الحرمین الاجماع علیہ (روضۃ الطالبین بحوالہ فتاوی رحیمیہ ج۱ ص۱۸۹ کتاب العلم)۔ [1]

صحابہ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! جیسا کہ آجکل مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اسی طرح صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی تقلید ہوا کرتی تھی یا پھر سب صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے؟

الجواب:- صحابہ کرامؓ میں بھی دو قسم کے لوگ تھے بعض مجتہد اور بعض مقلد، تو جس طرح اس زمانہ میں اجتہاد رائج تھا اسی طرح مجتہد صحابہ کرامؓ کی تقلید بھی ہوا کرتی تھی، غیر مجتہد صحابہ کرامؓ دوسرے مجتہد صحابہؓ کی تقلید کر کے ان کے فتویٰ پر عمل کرتے تھے۔

عن سالم قال سئل ابن عمر عن رجل یکون له الدین علی

---

[1] قال العلامۃ قاری محمد طیبؒ: باقی میں عرض کر چکا ہوں کہ اجتہاد کی وہ نوع جو استنباط علل اور اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے آج اس لیے نہیں پائی جاتی کہ اس کی ضرورت باقی نہیں ہے ائمہ نے اس کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے لیکن اس میں مزید تحقیق وتلاش کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ ... ہاں اس خاص نوع کو چھوڑ کر جس نوع کے پردہ میں آج بھی جنس اجتہاد باقی ہے وہ عام تحقیق وتلاش کتاب وسنت میں تدبر، ان کے لطائف وحقائق کا استخراج، ہر زمانے کے نوع بنوع حوادث سے شرعی مسائل کو تطبیق دے کر مناسب فتویٰ دینا، معاندین اسلام کے نئے نئے شکوک وشبہات کی تردید، بدایت نصوص سے استنباط کر کے اصول اسلام کے اثبات وتحقیق کے لیے کتاب وسنت سے مؤیدات پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ ہے اجتہاد کی یہ نوع کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

{ اجتہاد اور تقلید ص۹۵ تا ص۹۴
اجتہاد کی ایک نوع ختم ہو چکی ہے }

الرجل الی اجل فیضع عنه صاحب الحق ویعجله الآخر فکرہ ذلک عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ (موطا امام مالکؒ ص ۲۸۲ کتاب البیوع۔ باب ما جاء فی الربا فی الدین)

مجتہد کو خطا پر بھی اجر ملتا ہے

سوال:۔ اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اس میں خطا کر جائے تو کیا وہ عند اللہ ماخوذ ہو گا یا ماجور؟

الجواب:۔ جب کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور وہ مسئلہ صواب اور درست ہو جائے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور جب خطا کر جائے تو عند اللہ اسے ایک نیکی ملے گی۔

لما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ فلہ اجر واحد۔

(الصحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۹۲ باب اجر الحاکم)

مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جو عالم دین خود مجتہد ہو یعنی قرآن و سنت سے بلا واسطہ استنباط نہ کر سکتا ہو تو فتویٰ دیتے وقت اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جو عالم دین مفتی تو ہو لیکن درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی روایت اور اس کے مذہب کو نقل کر کے فتویٰ دے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وان الخلاف خاص بالقاضی المجتہد واما المقلد

لہ قال الشیخ الشاہ ولی اللہ الدہلویؒ: لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الی ان ظہرت المذاہب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان ذلک باطلا لانکروہ۔

(عقد الجید مع سلک مروارید ص ۲۹ آخر باب دوم)

ومثلہ فی اجتہاد و تقلید ص ۴۲ ساتویں بحث تقلید رائج تھی۔

فلا يجب نقضه وإن خالف مذهبه أصلاً لما في القنية۔ (ابن عابدین علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۵۲ مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ) لـه

تقلید مذاہب اربعہ کا احادیث سے ثبوت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب، میرا ایک دوست بسلسلہ روزگار کئی سالوں سے کراچی میں مقیم ہے، جب وہ گاؤں سے کراچی جا رہا تھا تو صحیح سنی مسلمان تھا اب کراچی میں رہتے ہوئے اس کے نظریات بدل چکے ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا شرک ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، آپ سے گزارش یہ ہے کہ کیا واقعی مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

الجواب:۔ مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک کہنا لاعلمی اور جہل ہے، غیر مقلدین کے علاوہ کسی نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے بلکہ اس پر ائمہ امت کا تعامل چلا آ رہا ہے، قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی کی کثیر تعداد تقلید کے اثبات کی تائید کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ولما اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها اتباعاً للسواد الاعظم۔

(عقد الجید مع سلک مروارید ص ۳۳ باب تاکید الاخذ بهذه المذاهب الاربعة)

لہٰذا آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید شرک ہے اور یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

لـه قال ابو حفص قال لي ابو اسحاق اذا جلست في جامع المنصور تناظر في هذه المسألة رأى مسألة حفظ اربعة آلاف حديث مفتياً، فقال لي رجل: قالت هو لا الاعمش هذا المقدار حتى يفتي الناس؟ فقلت له: عافاك الله ان كنت لا احفظ هذا المقدار فاني هو لا افتي الناس بقول من كان يحفظ هذا المقدار واكثر منه۔ فهذا يرشدك الى انه اذا لم يكن الرجل من اهل الفتوى والاجتهاد فعليه ان يفتي بقول المجتهد۔

(مقدمة اعلاء السنن ج۲ شرائط الافتاء، قواعد في الفقه)

شاہ اسماعیل شہیدؒ مقلد تھے

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید غیر مقلد تھے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی انہوں نے تقلید نہیں کی، تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بڑے بلند پایہ عالم دین تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ براہ راست قرآن وسنت سے مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر جہاں آپ کو صریح نص نہ ملتی تھی وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف سے یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد نہ تھے۔

لما قال الشیخ رشید احمد گنگوہیؒ: بندہ نے جو کچھ سنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملتی اس پر عمل کرتے اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۔ تالیفات رشیدیہ ص۸۱ تقلید واجتہاد کے مسائل)

اجماع وقیاس کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل کے غیر مقلد حضرات اجماع امت اور قیاس کو حجت شرعی نہیں مانتے اور نہ ان سے ثابت شدہ مسائل مانتے ہیں۔ تو کیا واقعی اجماع امت اور قیاس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی احکامات کا استنباط ادلہ اربعہ سے ہوتا ہے جن میں اجماع اور قیاس بھی شامل ہے نصوص قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی ثابت ہے ان کو دلیل شرعی نہ ماننا جہل مرکب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۔ تالیفات رشیدیہ ص۱۰۵ تقلید واجتہاد کے مسائل)

مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ہمارے گاؤں میں جماعت المسلمین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو سب مقلدین کو مشرک کہتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کا مقلد ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مطلق تقلید قرآن وسنت سے ثابت ہے، اور خیر القرون سے اس پر

تعامل چلا آرہا ہے جو شخص تقلید کو شرک کہتا ہے وہ ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتا ہے خود اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کو ایسے الفاظ پر تلفظ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

لما قال العلامة المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ: جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود جاہل ہے اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بتائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہؓ اور تعامل سلفؒ سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلید شخصی کا جواز بھی قرآن و حدیث و اقوال صحابہؓ و تعامل سلفؒ سے ثابت ہے پس اس کو شرک کہنا جہالت ہے۔

(کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب العقائد باب التقلید و الاجتہاد)

مذاہب اربعہ قرآن و سنت کے موافق ہیں

سوال: آج کل جو چار مذاہب مسلمانوں میں رائج ہیں بعض لوگ حنفی المسلک بعض شافعی اور بعض حنبلی و بعض مالکی ہیں، ان میں سے کون سا مذہب قرآن و سنت کے موافق ہے؟ کیونکہ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ قرآن و سنت کے موافق نہیں ہیں ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: اصول اور مبادی دین میں سارے ائمہ اسلام متفق ہیں اصول عقائد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں البتہ فروعی جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ اختلافات اصل اسلام میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف اعمال منقول ہوئے ہیں ان کی مختلف مدارج کی ترتیب معلوم نہ ہونے یا تسلیم نہ کرنے یا مختلف مواقع اور مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی طرح بعض غیر منصوص مسائل کے حل میں دماغی تناسب اور مزاجات کے اختلاف کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے یا پھر عربی لغت کے کثیر المعانی لفظ کے تعین میں اختلاف کی بنا پر ائمہ اربعہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اس قسم کے اختلافات سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے حتیٰ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شرائع میں بھی اس قسم کا اختلاف تھا۔ صحابہ کرامؓ میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف تھا۔ ورنہ پھر ان میں کوئی قباحت نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ کہ میری امت کے ائمہ کا اختلاف رحمت ہے۔ لہٰذا مذاہب اربعہ تو ہر ایک میں کوئی بھی باطل پر نہیں۔

کتاب
البدعة
والرسوم

کتاب البدعة والرسوم

(بدعت اور رسومات کے احکام و مسائل)

بدعت کی تعریف

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بدعت کی جامع و مانع تعریف کیا ہے، آجکل بعض لوگ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:۔ بدعت کا لغوی معنی ہے احداث یعنی نئی چیز پیدا کرنا، شریعت کی اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان تمام تعریفات میں جامع و مانع تعریف وہ ہے جو علامہ ابن رجبؒ اور دوسرے محققین نے بیان کی ہے کہ بدعت شرعاً وہ عمل ہے جس کی دین مقدس میں کوئی بنیاد نہ ہو، اس تعریف سے بہت سے وہ اعمال جن کو بعض حضرات بدعت کہتے ہیں خارج ہو جائیں گے۔

لما قال العلامة ابن رجب الحنبليؒ: والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه واما ما كان له اصل من الشرع يدل فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة۔ (كتاب جامع العلوم والحكم ص۲۳۳ الحديث الثامن والعشرون)

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تحقیق

سوال:۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ میں فرق کی وضاحت فرمائیں، بعض لوگ بدعت کی اس تقسیم (حسنہ و سیئہ) کو نہیں مانتے، جبکہ ہم نے اکثر علماء سے بدعت کی یہی تقسیم سنی ہے؟

الجواب:۔ بدعت اصطلاحی و شرعی ہر صورت میں قبیح و مذموم ہے، البتہ بدعت لغوی اپنی بعض اقسام کے اعتبار سے بدعت حقیقی (شرعی) نہیں رہتی بلکہ بدعت صوری بن

لہ قال العلامة القرطبي رحمه الله: كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع اولا فان كان لها اصل كانت واقعة تحت ما ندب الله اليه وحض رسوله اليه فهي في حيز المدح وان لم يكن مثاله الخ۔

(احکام القرآن للقرطبیؒ ج۲ ص۸۷ سورة البقرة)

ومثله في صفوة التفاسير ج۱ ص۹۲ سورة البقرة۔

باقی ہے اور بدعت کی یہ صورت حقیقۃً سنت ہونے کی وجہ سے بدعت حسنہ کہلاتی ہے
چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کہ شرعاً دین میں
نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزو دین علماً وعملاً بنا لینا بوجہ مزاحمت احکام شرعیہ کے بدعت ہے
دلیل اس کی حدیث صحیح ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔
کل من اور فی امرنا مدعا پر صاف صاف دلالت کر رہے ہیں اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ
ہی ہو گی اور بدعت حسنہ صوری بدعت ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۹۵ کتاب البدعات)[1]

بدعت للدین کے جواز کا حکم

سوال:۔ بدعت فی الدین اور بدعت للدین میں کیا فرق ہے؟ نیز وہ کون سا اصول یا ضابطہ ہے کہ جس کے ذریعے ہر دو بدعت میں تفریق و تمیز ہو سکے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی سب ضروری باتیں قرآن و حدیث میں بندوں کو بتا دی ہیں، اب دین میں کوئی نئی بات نکالنا جو دین متین میں داخل نہیں ہے اور لوگ اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہوں تو ایسی نئی بات کو بدعت فی الدین اور احداث فی الدین کہا جاتا ہے اور اسی کو فقہاء نے ناجائز کہا ہے، اور اس کے برعکس وہ امر جس کی اصل دین متین میں موجود ہو تو وہ بدعت للدین کے زمرے میں آتا ہے اور اس کو فقہاء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں، بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے، پس ایک احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للدین معنیً سنت ہے اور احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء ج ۲ ص ۱۹۱ تحقیق کے اصول و ضوابط اور اسلام میں سنت کی تعریف)

---

[1] قال العلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ: والتحقیق انھا ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنۃ وان کانت من ما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحۃ والا فھی من قسم المباح وقد تنقسم الی الاحکام الخمسۃ۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹ کتاب صلوۃ التراویح)
ومثلہ فی المنہاج للشیخ عبد الرزاق صاحب (ص ۸۰)

قبر پر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کو لحد میں رکھ کر اس پر قبر بند کرنے کے بعد اور مٹی ڈالنے سے پہلے اذان دی جاتی ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قبر پر اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں جبکہ اذان کے مواقع شرعاً معین ہیں، لہٰذا اس کا خلافِ شریعت اور بدعت ہونا ظاہر ہے، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ تحت (دفن المیت) لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن. وقد صرح ابن حجرؒ فی فتاواہ بانہ بدعة وقال ومن ظن انہ سنة قیاسا علی ندبہما للمولود الحاقا لخاتمة الامر.

(رد المحتار ج۱ ص۲۵۸ باب الاذان) [1]

میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میت کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین سے پہلے کچھ لوگ میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا اس وقت مسنون ہے جب وہ تعزیت کے لیے بیٹھ جائیں، خواہ وہ میت کو دفن کرنے سے پہلے بیٹھ جائیں یا بعد میں، البتہ تعزیت کے لیے بیٹھنے سے قبل میت کی تدفین کا کام مکمل کیا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر دفن کرنے سے پہلے یا بعد میں تعزیت کرنے سے میت کے پسماندگان پریشان ہوتے ہوں تو پھر تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

لما فی الھندیة: وھی بعد الدفن اولیٰ منھا قبلہ۔ (فتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۶۷ کتاب الجنائز، یتصل بذلک مسائل)

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقال کثیر من متأخری ائمتنا یکرہ الاجتماع

---

[1] قال العلامة مفتی محمد شفیع العثمانیؒ: بہرحال بوجہ عدم ثبوت با دلیل شرعی کے یہ عمل بدعت ہے۔ (امداد المفتیین ج۲ ص۳۰۲ کتاب البدعات)

عند صاحب البیت ویکرہ له الجلوس فی بیته حتی یأتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بامورهم وصاحب البیت بأمرہ اھ۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج [illegible] کتاب الجنائز) [1]

تین دن کے بعد تعزیت کرنا

سوال:- عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی کے ہاں میت ہو جانے کے بعد تین دن حجرے یا مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتے ہیں، کیا شرعاً تین دن تک تعزیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تین دن کے بعد تعزیت کرنا کیسا ہے؟

الجواب:- مقیم لوگوں کے لیے تین دن تک میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا جائز ہے البتہ غائب آدمی جس نے کسی قسم کی تعزیت نہ کی ہو واپسی کے وقت کر سکتا ہے اگرچہ کافی عرصہ کے بعد واپس آئے۔

لما فی الهندیة: ووقتها حین یموت الی ثلاثة ایام ویکرہ بعدها الا ان یکون المعزی او المعزی الیه غائباً فلا بأس بها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۷ کتاب الجنائز، فصل فی التعزیة) [2]

روٹی کو چھری سے کاٹنے کی رسم کا حکم

سوال:- آجکل یہ رسم عام ہے کہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر لوگ روٹی اور گوشت وغیرہ کو چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں، اس رسم کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

الجواب:- مناسب اور بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان روٹی یا گوشت وغیرہ چاقو یا چھری

---

[1] قال العلامة وهبة الزحیلی: وهی بعد الدفن افضل منها قبله لان اهل المیت مشغولون بتجهیزہ ولان وحشتهم بعد الدفن لفراقه اکثر۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۲ ص ۵۴۲: المطلب الثالث التعزیة الخ)

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الاحکام عن خزانة الفتاوی الجلوس فی المصیبة ثلاثة ایام للرجال جاءت الرخصة فیه ولا تجلس النساء قطعاً۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۸۴۲ کتاب الجنائز)

سے کاٹ کر نہ کھایا جائے، ایک مسلمان کے لیے روٹی کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے، لیکن شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے مواقع پر ایسا کرنا یعنی چاقو چھری سے روٹی وغیرہ کاٹ کر کھانا محض تعیش ہے اور جو روایت منع کے بارے میں مشہور ہے وہ شرعاً صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ: قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقطع الخبز بالسکین وقال اکرموہ فان اللہ عزوجل قد اکرمہ۔ قال ابن الجوزی قال دارقطنی تفرد بہ نوح وھو متروک وکذلک قال مسلم بن الحجاج و ابوحاتم الرازی ھو متروک۔ وقال یحیی نوح لایکتب حدیثہ لیس بشیٔ۔ وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بہ۔ (الموضوعات ج۲ ص۲۹۸ باب فضل الخبز)

تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہیئے

سوال:- بعض لوگ تعزیت کیلئے راستوں میں دریاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ حجروں اور مساجد کو استعمال کرتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز تعزیت میں کیا الفاظ کہنے چاہئیں؟

الجواب:- کسی مسلمان کی وفات پر اس کے پسماندگان سے تعزیت کرنا سنت ہے اس کے لیے جو جگہ مناسب ہو استعمال کی جا سکتی ہے یعنی ایسی جگہ ہو جہاں تعزیت میں بیٹھنے والوں اور آنے والوں کو تکلیف نہ ہو البتہ راستوں اور دروازوں میں بیٹھنا بری بات ہے اور اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

لما فی الھندیۃ: ولا باس لاھل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او فی مسجد ثلاثۃ ایام والناس یأتونھم ویعزونھم ویکرہ الجلوس علی باب الدار وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطرق من اقبح القبائح، کذا فی الظھیریۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۷ الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، فصل فی التعزیۃ)[1]

تعزیت میں صبر کرنے، غم بھلانے اور حوصلے سے کام لینے کے الفاظ استعمال کرنا مناسب ہے بہتر کلمات یہ ہیں: ان للہ ما اخذ وانہ ما اعطی وکل شیٔ عندہ باجل مسمی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۶۷ فصل فی التعزیۃ)

---

[1] قال العلامۃ وھبۃ الزحیلی: وقال الحنفیۃ لا باس بالجلوس للتعزیۃ فی غیر المسجد ثلاثۃ ایام واولھا افضلھا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۳۹ المطلب الثانی فی التعزیۃ)

قل خوانی اور رسم چہلم کا شرعی حکم

سوال :۔ آجکل میت کے ایصال ثواب کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ جمعرات، تیجہ، دسواں اور چہلم کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع اور ملامت کی جاتی ہے ۔ نیاز طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان رسومات کی شریعت مقدسہ میں کیا حیثیت ہے ؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ؟

الجواب :۔ واضح رہے کہ میت کا ایصال ثواب کے لیے صدقہ کرنا ہر وقت جائز ہے مگر وقت کے تعین کی جو صورتیں عوام میں مروج ہیں ، مثلاً شب جمعہ و جمعرات کے دن ، تیجہ ، دسواں ، چہلم وغیرہ ، اس تخصیص کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے ، کیونکہ تخصیص اور التزام کی وجہ سے کبھی کبھی مباح اور جائز افعال بھی ناجائز ہو جاتے ہیں ۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ ، والطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة ۔

(شرح منہاج بحوالہ راہِ سنت ص ۲۶۵) [1]

صفر المظفر میں چوری کی رسم کی شرعی حیثیت

سوال :۔ عوام میں یہ مشہور ہے کہ صفر کے مہینے میں آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں ، اور پھر اس مہینے کے آخری بدھ کو گھر وغیرہ صاف کرکے مٹھائی اور چوری وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے ، کیا چوری کا یہ رسم شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ یہ سب خرافات اور جاہلیت کی باتیں ہیں ، اس ماہ مبارک میں آسمان سے کوئی بلا نازل نہیں ہوتی ، اور یہ مٹھائی و چوری وغیرہ کی تقسیم کا اہتمام و التزام کرنا بدعت ہے ۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا عدوی ولا صفر ولا غول ۔ اخرجه مسلم ۔ (ما ثبت بالسنة للشیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۲۶۶)

---

[1] قال العلامة ابن البزازی رحمہ اللہ : ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد ۔

(الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۴ ص ۸۱)

ومثلہ فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۳ مطلب فی کراھة الضیافة من اھل المیت ۔

بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا بدعت نہیں

سوال: علماء، مشائخ اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو جھک کر چومنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کو بدعت کہنا صحیح ہے؟ جبکہ افغانستان اور بعض دیگر علاقوں میں اس کا عمومی رواج ہے؟

الجواب: مشائخ کرام، علماء اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز ہے البتہ اس موقع پر رکوع کی سی کیفیت اختیار کرکے جھک جانا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اگر بغیر جھکے چوما جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری رحمه الله: وقيل لا يكره التقبيل لزهد وعلم وكبر سن. قال النووي رحمه الله: تقبيل يد الغير ان كان لعلمه وصلاحه وزهده وديانته ونحو ذلك من الامور الدينية لم يكره بل يستحب وان كان لغناه او جاهه في دنياه كره۔

(مرقاة ج۹ ص۷۶ باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی)[1]

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ کافی شدت اختیار کرچکا ہے کہ نماز میں التحیات پڑھتے وقت اشہد ان لا الہ الا اللہ کے موقع پر انگلی سے اشارہ کرنے کو بعض لوگ بدعت کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض اشخاص کی انگلیاں بھی توڑ دی گئی ہیں، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کو بدعت کہنا کیسا ہے؟

الجواب: التحیات میں اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا احادیث نبویہ سے ثابت ہے جس کی مختلف ہیئتیں ہیں، مگر احناف کے نزدیک مختار طریقہ وہ ہے جو وائل ابن حجر کی روایت میں مذکور ہے کہ وسطیٰ و ابہام سے حلقہ بنایا جائے اور خنصر و بنصر کو ہتھیلی سے ملاکر سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

کما فعل علیہ السلام: عن وائل ابن حجر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ولا بأس بتقبيل يد الرجل العالم والمتورع على سبيل التبرك ..... الخ. (رد المحتار ج۵ ص۲۴۶ قبل فصل في البيع، كتاب الحظر والاباحة)

قال ثم جلس فافترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى وحد مرفقه الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض ثنتین وحلق حلقة ثم رفع اصبعه فرأيته يحركها يدعو بها۔ (مشکوٰۃ ص۸۵ باب التشہد۔ الفصل الثانی)

ان جملہ طریقوں کو فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے لہٰذا اس کو بدعت کہنا علم سے دوری کی دلیل ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے ان جملہ طریقوں کو نقل کرکے مذکورہ طریقے کو راجح قرار دیا اور فرمایا ہے، والاخیر هو المختار عندنا۔ (مرقاۃ ج۲ ص۳۲۸ باب التشہد۔ الفصل الثانی)۔ لہ

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم

سوال:۔ بعض حضرات عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو سنت کہتے ہیں اور اسی پر دوام کرکے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں، تو کیا عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمامہ باندھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، افضل یہ ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھی جائے یہی عمل مستحب ہے مگر اس پر اس طرح دوام کرنا کہ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والے پر لعن طعن کیا جائے غلو فی الدین کے مترادف ہے، جو شرعاً ممنوع ہے لہٰذا بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تاہم اگر کسی مستحب کو وجوب کا درجہ دیا جائے تو وہ واجب الترک ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: والمستحب ان يصلي الرجل

لہ اخرج الامام ابوداؤدؒ عن وائل بن حجر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا قعد في الصلوة جعل قدمه اليسرى تحت فخذه اليمنى وساقه وفرش قدمه اليمنى ووضع يده اليسرى على ركبته اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى واشار باصبعه وارانا عبد الواحد واشار بالسبابة۔

(سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۴۹ کتاب الصلوٰۃ باب کیف الجلوس فی التشہد)

ومثله في رد المحتار ج۱ ص[illegible] كتاب الصلوة باب صفة الصلوة۔

في ثلاثة أثواب قميص وإزار وعمامة۔ (خلاصة الفتاوى مع مجموعة فتاوى ج ۱ ص [illegible] الفصل السادس في ستر العورة) لہ

میت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت والے گھر سے پہلے تین دن تک کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- میت والے گھر سے پہلے تین روز کھانا کھانے کو فقہاء نے مکروہ کہا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: وقال أيضاً ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۳ باب صلوٰة الجنائز مطلب في كراهة الضيافة من أهل البيت) البتہ یہ حکم اس کھانے کا ہے جو میت کے گھر میں بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے۔ اور اگر میت کے گھر والوں کو دوسرے لوگ کھانا کھلائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایک مستحب امر ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے: قال في الفتح ويستحب لجيران الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله عليه السلام اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد جاءهم ما يشغلهم حسنه الترمذي وصححه الحاكم ولأنه برٌّ ومعروف ويلح عليهم في الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۶۳ باب صلوٰة الجنائز تحت مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت) [illegible]

لہ قال العلامة إبراهيم الحلبيؒ: وفيه لو صلّى في ثوب واحد متوشحاً به جميع بدنه كما يفعله القصّار في المقصرة جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الزائد ولكن فيه ترك الاستحباب حينئذٍ۔ (كبيرى شرح منية ص ۲۱۲ فصل فيما يكره فعله في الصلوٰة وما لا يكره)

ومثله في الهندية ج ۱ ص ۵۹ الباب الثالث في شروط الصلوٰة الفصل الأول في الطهارة وستر العورة۔

ورثاء (اولیاء میت) میت کے گھر کھانا تیار کر کے پھر دوسروں کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھلائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کسی خاص دن اور وقت کا تعین ضروری نہیں، تخصیصِ ایام کی وجہ سے علماء نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے۔

قال العلامۃ ابن البزازؒ:۔ ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم الخ۔ والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ۔ اور معراج الدرایۃ میں ہے: وھذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیتحرز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ تعالیٰ۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الھندیۃ ج۴ ص۸۱ کتاب الجنائز)

اور ایصالِ ثواب کے لیے میت کے گھر کھانا پکا کر خیرات کرنا تب جائز ہوگا جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں:۔

(۱) خیرات کرنے میں رسم و رواج پورا کرنے کی نیت بالکل نہ ہو۔

(۲) ریاء اور نمود و نمائش کے لیے بھی نہ ہو۔

(۳) ترکہ کی تقسیم کے بعد ہو اور اگر قبل از تقسیم ہو تو تمام مستحق ورثاء بالغ و عاقل ہوں اور سب کی طرف سے بطیبِ خاطر اس کی اجازت بھی ہو ورنہ ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی بڑے وارث نے دوسروں کی اجازت کے بغیر خرچ کر لیا تو اس کی ذمہ داری دوسرے ورثاء پر عائد نہ ہوگی بلکہ خرچ کرنے والا خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔

(۴) مالِ حلال سے ہو سود وغیرہ حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال نہ ہو ورنہ پھر بھی ناجائز ہوگی۔

(۵) اسی طرح وقت کی تخصیص و تعیین بھی اس میں نہ ہو ورنہ بدعت شمار ہوگی۔

روٹی کو چومنا بدعت نہیں

سوال:۔ ایک آدمی سے روٹی غلطی سے گر گئی، دیکھنے والے آدمی نے اسے کہا کہ اس کو اٹھا کر چومو اور ادب و احترام کرو کیونکہ ایسا نہ کرنے سے یہ بددعا دیتی ہے، اس پر پہلے آدمی نے کہا کہ نہیں تو ہم پرستی اور بدعت ہے، تو کیا ایسا کرنا واقعی توہم پرستی اور بدعت ہے؟

الجواب:۔ گری ہوئی روٹی اٹھالینا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا واقعی

رزق کا ادب ہے اور اسراف سے بچنا ہے، تاہم گری ہوئی روٹی کو چومنا اور نہ چومنے والے کو گنہگار سمجھنا اور اس نہ چومنے کو بدفالی اور بدعت کہنا درست نہیں، چونکہ رزق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس انعام الٰہی کی قدر کرتے ہوئے چوم لینا بھی مباح اور جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واما تقبیل الخبز فحرر الشافعیۃ انہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ...... الخ وقواعدنا لا تاباہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، قبیل فصل فی البیع)

بوقتِ ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کاٹنا

سوال:- آجکل دوکاندار (بیکری والے) ڈبل روٹی کو لفافے میں ڈالنے کے لیے آسانی کی خاطر تیز چھری کے ساتھ اس کے ٹکڑے کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا روٹی کی بے ادبی اور ایک بُری رسم تو نہیں؟

الجواب:- ضرورت کے وقت روٹی یا دوسری اشیاء خوردنی کو چھری کے ساتھ کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ کا عمل یا بُری رسم نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وفی المجتبیٰ لا یکرہ قطع الخبز واللحم بالسکین۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۴۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، قبیل فصل فی البیع)۔

جنازہ اٹھاتے وقت ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے

سوال:- آجکل اکثر جگہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جنازہ کو قبرستان یا جنازہ گاہ لے جاتے ہوئے اُسے کندھا دینے والا ہر نیا آدمی بلند آواز سے کہتا ہے "کلمۂ شہادت"۔ شریعتِ مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:- جنازہ میں شریک لوگ اگر ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں ذکرِ الٰہی کریں، آواز بلند کرنے اور نعرے لگانے کو علماء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ عبرت و فکر کا مقام ہوتا ہے ایسے وقت خاموش رہنا بہتر ہے۔

قال العلامۃ عبد الحی اللکھنویؒ: یکرہ رفع الصوت بالذکر والقرآن اھل الجنازۃ

ومن معه تعزية وقيل تعزيتها وينبغي ان يطيلوا الصمت ولو ارادوا ان يذكروا فذكروا في انفسهم. كذا في فتح القدير وفي الجواهر النفيسة شرح الدرة المنيفة: لا يرفع صوته بالذكر اى يكره رفع الصوت بالذكر والقراءة والتكبير خلف الجنازة.
(مباحث التفكر في الجهر بالذكر ص۳۵ الباب الثاني في ذكر مواضع الجهر) [1]

میت پر قرآنی کلمات سے منقش چادر ڈالنے کا حکم

سوال: اکثر علاقوں میں غسل اور کفن کے بعد دفنانے کے لیے لے جاتے وقت میت پر قرآنی آیات والی چادر ڈالی جاتی ہے، کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ کے مطابق میت پر قرآنی کلمات سے مکتوب چادر ڈالنا اگرچہ فی نفسہ جائز ہے مگر توہین اور بے ادبی کے ڈر کی وجہ سے ڈالنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: بساط او غیرہ کتب علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینة اھ. ثم قال بعد سطر: قلت وظاهرہ انتفاء الکراهة بمجرد تعظیمه وحفظه. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۱۲۰ باب المیاه، کتاب الطهارة) [2]

---

[1] قال العلامة وهبة الزحيلي: الغفلة اي رفع الصوت بالذكر وقراءة والصياح خلف الجنازة كقول استغفروا لها ونحوها لما روى البيهقي ان الصحابة كرهوا رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذكر ..... والصواب ما كان عليه السلف من السكوت في حال السير مع الجنازة والاشتغال بالتفكر في الموت وما يتعلق به. (الفقه الاسلامي وادلته ج۲ ص۵۰۹ مكروهات الجنازة)

[2] ثم قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وتكره في فتح القدير كتابة القرآن واسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش اه. وقال ما ذاك الا احترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه اهانة. (رد المحتار ج۱ ص۱۲۰ قبيل باب الشهيد، كتاب الصلوة)

اپنے جیتے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی نے اپنے لیے پہلے سے قبر تیار کر رکھی ہے جس میں کبھی کبھی وہ سو جاتا ہے۔ بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بھائی یہ تو بہت بڑی دعوت ہے۔ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موت کو یاد رکھنا، آخرت کے مناظر کا تصور و یقین دل میں بٹھانا اور ہر وقت سامنے رکھنا کثیر آیات قرآنیہ، احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ و مشائخ عظامؒ کے مسلسل واقعات سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کی بنا پر اعمالِ صالحہ میں انہماک نہایت ہی ضروری ہے، تاہم حتمی طور پر قبر کے لیے جگہ خرید کر مخصوص کرنا بھی ایک اعتبار سے موت کیلئے تیاری ہے، اور موت کو یاد رکھنے کی مذکورہ صورت اور طریقہ دعوت حضرات مبلغین کے ہاں رائج ہے کہ نہ تھا، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر موت کو یاد رکھنے کی نیت سے پہلے سے قبر تیار کرائے تو یہ خلافِ شرع نہیں بلکہ ایسا کرنے والا اجر کا مستحق ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : تحت قوله (ویحفر قبرا لنفسه) ای ولا بأس به۔ وفی التتارخانیة لا بأس به ویؤجر علیه هکذا عمل عمر بن عبدالعزیز والربیع بن خیثم وغیرهما۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الجنائز، قبیل الصفحة الواحدة من باب الشهید)۔

جمعہ و عیدین کی نماز کے بعد مروجہ مصافحے کا حکم

سوال:۔ آجکل نماز جمعہ و عیدین کے بعد مساجد کے اندر جو مصافحہ مروج ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر محققین علماء کرام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور بعض دیگر حضرات نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالایلزم ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں تاہم نہ کرنا اولیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلوٰة بکل حال لان الصحابة رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعیة

انه بدعة مکروھة لا اصل لھا فی الشرع وانہ فاعلھا اوّلاً ویعزر ثانیاً ثم قال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انھا من البدع وموضع المصافحة فی الشرع انما ھو عند لقاء المسلم لاخیه لافی ادبار الصلوٰة فحیث وضعھا الشرع یضعھا فینھی عن ذٰلك ویزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنة۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۵۲ وایضاً فی النسخة الاخرٰی رد المحتار ج۵ ص۲۴۷ کتاب الحظر والاباحۃ) [1]

بغیر عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے ہاں بعض سجادہ نشین حضرات اپنے مُردوں کو بڑے اعزاز کے تابوتوں میں دفن کرتے ہیں، بعض لوگ اس کو بدعت اور بعض جائز کہتے ہیں اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز لوہے کا تابوت استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ بغیر کسی شدید عذر کے مرد میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر میت عورت ہو تو پھر تابوت میں دفن کرنا افضل ہے بشرطیکہ تابوت لکڑی کا ہو، لوہے کا تابوت استعمال کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ (ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید لہ عند الحاجة کرخاوة الارض) قولہ لا بأس باتخاذ تابوت ای یرخص ذٰلك عند الحاجة والاکراہ قدمنا آنفا. قال فی الحلیة نقل من غیر واحد عن الامام ابن الفضلؒ انہ جوزہ فی اراضیھم لرخاوتھا. وقال لکن ینبغی ان یفرش فیہ التراب..... والسنة ان یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذہ من حدید بشیٔ ولا شك فی کراھتہ کما ھو ظاھر الوجہ۔ (قولہ لہ) ومفھومہ انہ لا بأس بہ للمرأة مطلقاً وبہ صرح فی شرح المُنیة فقال وفی المحیط واستحسن مشائخنا اتخاذ التابوت للنساء یعنی ولو لم تکن الارض رخوة فانہ اقرب الستر والتحرز عن مسھا عند الوضع فی القبر۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۹۹ کتاب الجنائز)

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ:...... ما نقلہ عنہ شارح المجمع من انھا بعد الفجر والعصر لیس بشیٔ. (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۵ ص۲۴۷ کتاب الحظر والاباحة)

ومثلہ فی مائة مسائل ص۶۸ سوال چہل وپنجم۔

دُعا بعد الجنازہ کا حکم

سوال:۔ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا مشروع ہے یا ممنوع، اگر مشروع ہو تو اس کا اذانِ عید سے کون سا فرق ہے کہ وہ ممنوع ہے اور یہ نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ جنازہ کے بعد اسی حالت میں دعا کا التزام تو بدعت ہے لیکن اگر کسر الصفوف کے بعد ہو اور بلا التزام ہو تو ممنوع نہیں البتہ دعا قبل السلام پر اکتفاء کرنا افضل اور قولِ منصوص صحیح ہے۔

دلیل:۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس دعا کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کما لا یخفی علی من راجع الی کتب الحدیث اور علامہ ابن الہمامؒ وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، ویؤیدھم ما رواہ ابوداؤد إنّ ما سکت عنه فهو عفوٌ۔ لہٰذا دعا بعد الجنازہ جو کہ بذاتِ خود بڑی عبادت ہے مباح اور جائز ہوگی بخلاف اذانِ عید کے کیونکہ اس کے متعلق نہ کرنے کی روایت ثابت ہے۔
وھو ما رواہ ابوداؤد انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلّی العیدَ بلا اذان ولا اقامة وابا بکرٍ وعمرَ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۳ باب ترک الاذان فی العید) یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے نمازِ عید کو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھا، پس عدم الروایت اور روایت العدم اور عدم ذکر اور ذکرِ عدم میں فرق نہ کرنا غباوت یا جہالت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب:۔ اگر کوئی یہ کہے کہ دعا بعد الجنازہ کے متعلق حدیث وارد ہے وھو ما رواہ ابوداؤد: اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء (ج ۲ ص ۱۰۰ باب الدعاء للمیت) یعنی جب تم میت پر جنازہ پڑھتے ہو تو اس کے لیے دعا میں اخلاص کیا کرو، نیز امام کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع جلد اول ص ۳۱۱ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ نمازِ جنازہ فوت ہوگئی آپ نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الصلوٰۃُ علی الجنازۃ لا تُعادُ ولکن ادعُ للمیت واستغفر له۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ کتاب الجنائز) یعنی نمازِ جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے گی لیکن اس میت کے لیے دعا اور استغفار کرو۔ وروی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انّہما فاتتہما صلوٰۃٌ علی جنازۃ فلما حضرا ما زادا علی الاستغفار له۔ وروی عن عبد اللہ بن سلام انّه فاتته الصلوٰۃ علی جنازۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فلما حضر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له۔ انتہی (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنازۃ) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک میت پر نمازِ جنازہ فوت

ہو گئی تو انہوں نے حاضری کے وقت اس میت کے لیے صرف استغفار پر اکتفا کیا اور عبداللہ
ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ ادا کرنا فوت ہوا تو لوگوں
سے فرمایا کہ اگر آپ مجھ پر نماز جنازہ میں سبقت لے گئے تو مجھ پر دعا کرنے میں سبقت نہیں لے سکتے ،
یعنی مجھ سے دعا تو فوت نہیں کر سکتے ۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مرفوع میں دعا
سے مراد دعا قبل السلام ہے محدثین اور فقہاء نے یہی معنی مراد لیا ہے ۔ دوسری روایات کو
صاحب بدائع الصنائع نے ذکر کیا ہے تو ان میں اس شخص کے دعا کرنے کا ذکر ہے جس کی نماز جنازہ
فوت ہوا ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے ۔

مخالفین کی دلیل کا جائزہ : اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اور
سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کی ورنہ منقول اور مروی ہوتا ،
اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ، تو اس سے اس دعا کا بدعت و مکروہ ہونا لازم نہیں آتا ورنہ
فرائض کے بعد بحیثیت اجتماعی سے دعا کرنا اور قرآن مجید کا پشتو اور اردو وغیرہ میں ترجمہ کرنا بھی
بدعات ہوں گے حالانکہ یہ امور بدعات نہیں ہیں لیکن اسی طرح دعا بعد الجنازہ بھی بدعت
اور مکروہ نہ ہوگا ۔ ہمارے جن مشائخ و فقہاء اور مفسرین نے اس دعا کو مکروہ کہا ہے تو کسی نے بھی اس
کراہت کو اس سلفی دلیل پر بنا نہیں کیا ہے انہوں نے دیگر دلائل سے اس مدعیٰ کو ثابت کیا ہے ۔

ایک توہم کا ازالہ : بعض وہ لوگ جو کہ دیوبندیت اور حنفیت کے لباس میں نجدیت اور سلفیت
کی اشاعت کرتے ہیں صاحب ہدایہ اور ملا علی قاری کی بعض مختصر عبارات سے تمسک کرتے ہیں
کہ جو کام پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت ہوگا یہ ان لوگوں کی خود غرضی و مطلب
پرستی ہے کیونکہ حدیث صرف فعل رسول ﷺ کا نام نہیں ہے بلکہ حدیث پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے قول
فعل و تقریر تینوں کو کہا جاتا ہے ، آپ کی عبارات ، اشارات ، دلالت ، اقتضاء اعتبار کوئی بھی
بدعت نہ ہو ۔ مزید تفصیل کے لیے التعلیق الممجد ص ۱۳۳ باب فوت الفجر کو مراجعت کیا جائے

فقہائے کرام کی آراء : اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے دعا بعد الجنازہ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا
ہے البتہ امام فضلی بخاری سے جواز مروی ہے ۔ کما فی البحر (ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز)
وعن الفضلی لا بأس به ۔ انتہیٰ

نیز واضح رہے کہ ان مشائخ و مانعین میں سے بعض نے دلیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور بعض نے
ملا علی قاری رحمہ اللہ نے زیادت علی الجنازہ کو منع قرار دیا ہے حیث قال فی المرقاۃ (ج ۴ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز

لانّه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة۔ اور بعض نے صاحب ہدایہ نے تکرار جنازہ کے معنی ایسے
کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حیث قال لانّه دعاء مرة لانّ اکثرها دعاء۔ (الجزائیة علی هامش
الهندیة جوج منہ) کتاب الجنائز یعنی نماز جنازہ میں مقصود دعا ہوتی ہے تو گویا نماز جنازہ
وظیفہ عبادت ہے پس دعا کرنے سے تکرار جنازہ کا توہم لازم ہوگا۔ اور اس عبارت کا یہ مطلب
ہرگز نہیں کہ سلام سے قبل دعا کرنے کے باوجود اگر دعا بعد السلام کی جائے تو تکرار دعا لازم ہوگا
کیونکہ تکرار دعا بذات خود ممنوع نہیں ہے ورنہ اوقات خمسہ میں سلام سے قبل دعا کرنے کی
وجہ سے دعا بعد السلام کا ممنوع ہونا لازم ہوگا۔

پس حاصل تحقیق یہ کراہت تشبیہ پر مبنی ہوگی کہ اس دعا سے نماز جنازہ پر زیادت
اور توہم تکرار لازم آتے ہیں، جیسا کہ فرائض کے بعد متصل اسی مکان میں سنت پڑھنا بھی
اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ تشبیہ اس وقت لازم ہوتی ہے جب صفوف میں کھڑے ہو کر دعا کی جائے اور چونکہ
کسر الصفوف کے بعد یہ تشبیہ موجود نہیں رہتی لہٰذا کراہیت بھی نہ ہوگی۔ ویشیر الیه قوله ثم
لا یقوم بالدعاء مع کون التعبیر بلا یدعوا اخصر۔

التزام بدعت ہے: چونکہ یہ دعا نہ لازم اور واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ یا زائدہ ہے
لہٰذا اس کو واجب اور سنت ماننا یا اس کے تارک پر انکار کرنا بدعت ہوگا جیسا کہ اس کے متعلق
فاعل کو مبتدع قرار دینا منکر ہے۔ ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

مروجہ قضاء عمری بدعت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ ایک خاص طریقہ سے
رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نماز با جماعت اس عقیدے کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ
اس سے ساری عمر کی قضا نمازیں ادا ہو جاتی ہیں۔ عرف عام میں اس کو قضاء عمری کہا جاتا ہے
اور اس کے اثبات میں لیلۃ المعراج اور خندق والی احادیث پیش کرتے ہیں، شرعاً اس
کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قضاء عمری جو بعض علاقوں میں متعارف طریقہ سے ادا کی جاتی ہے
نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے خود یہ نماز پڑھی ہے اور نہ اس کی ترغیب فرمائی ہے، اسی طرح یہ نماز آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعیؒ، تبع تابعینؒ کے قول یا فعل سے بھی ثابت نہیں، ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام و نشان نہیں۔ اس بناء پر یہ نماز یقینی طور بدعت ہے اور اس کا فاعل از روئے شریعت مبتدع ہے۔ کتب حنفیہ کی طرف اس کے جواز طریقہ کو منسوب کرنا کذب بیانی اور ائمہ دین پر افتراء ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں قضاء نماز کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اور ہے اور مروجہ قضاء عمری اور چیز ہے۔ اس میں تو صرف پانچ نمازوں کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھ کر پوری عمر یا ستر اسی سال کی قضاء شدہ نمازوں کا قائم مقام اور ان کے لیے جبیرہ و کفارہ سمجھا جاتا ہے، اور کتب فقہ حنفی میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاء کے طور پر پڑھنے کا طریقہ مذکور ہے یعنی اگر پوری عمر کی قضاء نمازوں کی تعداد ہزار ہو تو ہزار نمازیں پڑھی جائیں گی اور اگر لاکھ ہوں تو لاکھ، اور ان دونوں طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رہی وہ حدیث جس پر مروجہ قضاء عمری کی بناء ہے تو ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین نے اس کو موضوع یعنی خود ساختہ قرار دیا ہے جس سے استدلال جائز نہیں۔

(۱) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: حدیث من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان جابراً لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ باطل قطعاً لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا یقوم مقام فائتۃ سنوات اھ
(الموضوعات الکبیر ص۳۴۳ رقم حدیث [illegible] حرف المیم)

(۲) علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: حدیث من صلی فی آخر جمعۃ من رمضان خمس صلوٰت من الفرائض فی الیوم واللیلۃ قضت عنہ ما اخل بہ من صلوٰۃ سنتہ اھ۔ ھذا موضوع لاشک فیہ ولم اجدہ فی شیء من الکتب التی جمع مصنفوھا فیہا الاحادیث الموضوعۃ ولکنہ اشتہر عند جماعۃ من المتفقہۃ بمدینۃ صنعاء فی عصرنا ھذا وصار کثیر منہم یفعلون ذلک ولا ادری من وضعہ لہم فقبح اللہ الکذابین۔ (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص۵۴ النوع الثانی من صلوٰۃ النفل باب الشہور والایام واللیالی منہا)

(۳) شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ومنہا ان یکون الحدیث مخالفاً لمقتضی العقل والنقل وتکذبہ القواعد الشرعیۃ مثل حدیث

قضاء العمری ونحوہ۔ انتہی (الفوائد الجامعۃ ص ۵۳ فی بیان قرائن وضع الحدیث)

(۴) علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں: واقبح من ذلک ما اعتید فی بعض البلاد من الصلوٰۃ الخمس فی آخر جمعۃ من رمضان عقب صلوٰتہا زاعمین انہا تکفر صلوٰۃ العام او العمر المتروکۃ وذلک حرام بوجوہ لا تخفیٰ۔ انتہی

(تحفۃ منہاج النووی ص)

کیا ان مذکورہ تصریحات سے اس حدیث کا موضوع ہونا اظہر من الشمس ثابت نہیں ہو گیا؟ اب اس کے باوجود بھی جو لوگ حدیث مذکور کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر قضاء عمری کے اثبات کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے کیونکہ معاند کا علاج ممکن نہیں۔

نیز یہ متعارف قضاء عمری چند مفاسد پر مشتمل ہے جن سے بچنا حد درجہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس نماز کے متعلق عوام اور بعض کم علم خواص بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے عمر بھر یا ستر سال یا کم از کم ایک سال کی فوت شدہ نمازیں قضاء ہو کر ان سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نماز کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس نماز کے لیے جس قدر اہتمام کرتے ہیں دوسرے فرائض و واجبات کے لیے اتنا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ان سے نہایت بے پروائی کا طریقہ سے تاخذ کر کے یہ خیال اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قضاء عمری کی ایک نماز سے یہ سب کی سب ادا ہو جائیں گی۔ حالانکہ یہ اعتقاد بتصریح فقہاء اسلام موجب کفر ہے۔ فتاویٰ الہندیہ میں ہے "رجل لا یُصلّی فی غیر رمضان لا غیر ویقول ایں خود بسیار است او یقول زیادت می آید لان کل صلوٰۃ فی رمضان تعدل سبعین صلوٰۃ یکفر۔ انتہی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۲ ص ۲۶۸ باب التاسع فی احکام المرتدین ومنہا ما یتعلق بالصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ) [۱]

نیز فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ قضاء نماز اس طرح پڑھنا کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ یہ قضاء نماز پڑھی جا رہی ہے مکروہ تحریمی ہے خواہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر۔ قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکرہ قضاءہا فی المسجد لان التاخیر معصیۃ فلا

---

[۱] وہ مثلہ فی جامع الفصولین ج ۲ ص ۲۲۳

يظهرها، وفي رد المحتار ويظهر من تعليلها ان المكروه قضاؤها مع الاطلاع عليها ولو في غير المسجد۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۷۷ قبيل باب السجود، باب قضاء الفوائت)

علامہ حصکفیؒ مزید فرماتے ہیں: وينبغي ان لا يطلع غيره على قضائه لان التاخير معصية۔

اور علامہ ابن عابدینؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: قلت والظاهر ان ينبغي هنا للوجوب وان الكراهة تحريمية لان اظهار المعصية معصية لحديث الصحيحين كل امتي معافى الا المجاهرين وان من الجهار ان يعمل الرجل عملا بالليل ثم يصبح وقد ستره الله عليه فيقول عملت البارحة كذا وكذا وقد بات يستره ربه ويصبح يكشف ستر الله عنه۔ (رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۷۷ قبيل باب السجود، باب قضاء الفوائت)

چونکہ قضاء عمری کی اس مروجہ نماز میں بھی دوسروں کو اطلاع اور اعلان پایا جاتا ہے لہٰذا یہ بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔

باقی غزوہ خندق اور لیلۃ التعریس کی احادیث سے بھی اس کا اثبات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں صرف یہی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نماز یا جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے ایک یا چند نمازیں قضاء ہوگئی تھیں اور نیند سے اٹھنے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً وہ تمام نمازیں پڑھوائی گئی تھیں۔ ان میں نہ تو رمضان کا ذکر ہے اور نہ آخری جمعے کا اور نہ یہ کہ وہ تمام عمر کی قضا نمازوں کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں۔

بہرحال شریعت مقدسہ قضاء نمازوں کے متعلق ایک قطعی فیصلہ ہے کہ جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہوں ان سب کا پورا پورا پڑھنا فرض ہے اس کے بغیر ان سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من نام عن صلوٰۃ او نسیها فلیصلها اذا ذکرها لا کفارۃ لها الا ذلک۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۸۴ باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذا ذکرها ولا یعید الا تلک الصلوٰۃ)

فقہاء کرام، ائمہ جرح وتعدیل، محدثین کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں مروجہ قضاء عمری کو ہم بدعت قبیحہ اور ضلالت فی الدین سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل اکثر علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کے ساتھ قرآن مجید قبرستان لے جاتے ہیں اور قرآن مجید پر کچھ نقد رقم رکھ کر چند آدمی آپس میں اس کو پھراتے ہیں اور اس طریقے کو اسقاط کہا جاتا ہے

اور اس کے جواز میں قرآن کریم کی آیت وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (المائدہ ۳۵) پیش کی جاتی ہے، ازراہ کرم اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق پوری وضاحت فرمائیں؟

الجواب: واضح رہے کہ جس مکلف (عاقل، بالغ مسلمان) سے نماز روزہ عمداً یا غیر عمداً فوت ہوئے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان کی باقاعدہ قضاء کرے اور قضاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم ہوگا اور زندگی سے ناامیدی کے وقت اس پر وصیت کرنا ضروری ہوگا یعنی وہ وصیت کرے گا کہ اس کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کے ایک تہائی (ثلث) سے ہر نماز اور روزہ کے بدلے میں دو دو سیر (انگریزی) گندم یا اس کی قیمت مسکین کو ادا کی جائے اور ایسی وصیت نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم اور گنہگار رہے گا، البتہ اگر اس شخص کا مال نہ ہو یا مال کا ایک تہائی (ثلث) فراغت ذمہ کے لیے ناکافی ہو یا اس نے جہل، فسق یا سستی کی وجہ سے فدیوں کے بارہ میں وصیت نہ کی ہو تو وارث وغیرہ اس میت کی طرف سے باقاعدہ حیلہ اسقاط کر سکتے ہیں۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۶۹۲ باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی اسقاط الصلوۃ عن المیت)

حیلہ کی تشریح | حیلہ یا حیلت اس مہارت کا نام اور گفتار کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے کسی مقصود کی طرف پوشیدہ طریقہ سے رسائی حاصل ہو۔ کما فی المفردات (ص ۱۳۳) الحیلۃ ما یتوصل به الی حالة ما فی خفیة۔ انتہی۔ وفی فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۷۳) هی ما یتوصل به الی مقصود بطریق خفی۔ انتہی

حیلہ کی اقسام | حیلہ کی بہت سی اقسام ہیں ان میں سے بعض یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) وہ حیلہ ہے جو کہ تحلیل حرام کے لیے ہو اور ابطال شریعت کے لیے ہو جیسا کہ اصحاب السبت نے تحلیل صید کے لیے کیا تھا اور بعض یہود نے تحلیل شحم (چربی) کے لیے کیا تھا (رواہ البخاری) یہ حیلہ بلاشک وشبہ حرام اور ناجائز ہے۔

(ب) وہ حیلہ ہے جو کہ حرام سے بچنے اور فراغت ذمہ اور اسقاط واجب کے لیے ہو، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا، اور جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض غیر شادی شدہ کے لیے کیا تھا۔ رواہ ابو داؤد ص ۶۱۶۔ قالوا ما رأینا بأحد من الناس من الضر مثل الذی هو به لو حملناه الیک لتفسخت عظامه ما هو الا جلد علی عظم فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان یأخذوا له مائة شمراخ فیضربوه بها ضربة واحدة۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الحدود باب فی اقامة الحد علی المریض)

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص (جس سے زنا سرزد ہوا تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا) کے متعلق بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اس جیسا تکلیف میں مبتلا ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا ہے، اگر ہم اس کو یہاں لائیں تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، اس کی ہڈیوں پر صرف چمڑا رہ گیا ہے، پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو خوشے کے ایک گچھا سے جس کی سو شاخیں ہوں (ایک دفعہ) مارا جائے۔ اور یہ حیلہ جائز ہے، منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے۔ اور یہی مروی ہے عطاءؒ اور امام شعبیؒ سے، اور اس کو احناف، شوافع اور حنابلہ نے مختار کہا ہے بخلاف مالکیہ اور سلفیہ کے جن کے نزدیک یہ حیلہ مشروع نہیں ہے۔ فلیراجع (فی تفسیر القرطبی ج ۱۵ ص ۲۱۳ وشرح الاشباہ للحموی ص ۳۱۸ و فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۳۴ کتاب الحیل)

فقہاء کرام کی آراء: حیلۂ اسقاط جس طرح باحادیث ثابت ہے تو اسی طرح فقہاء کرام خصوصاً احناف فقہاء جن سے اکابر دیوبند فتاویٰ نقل کرتے ہیں، نے اس کی مشروعیت پر تصریح کی ہے۔ فلیراجع (رد المحتار ج ۱ ص ۷۸۵ والطحطاوی ص ۲۶۳ والشرح الکبیر ص ۳۹۵ وخلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۳ والبحر ج ۲ ص ۱۹ والاشباہ والنظائر ص ۴۱۸ وھکذا فی غیر واحد من الفتاویٰ) لہٰذا اس حیلہ کی مشروعیت میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

شرائط: البتہ اس حیلہ کی مشروعیت کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں جن کی رعایت نہایت ضروری ہے۔

(الف) یہ کہ عدمِ وصیت کی صورت میں ورثاء میں غائب اور نابالغ نہ ہوں کیونکہ ان کے اموال سے تبرع ناجائز ہے۔

(ب) یہ کہ دائرہ میں صرف مساکین بیٹھے ہوں، اغنیاء کو دینے سے فراغتِ ذمہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(ج) یہ کہ مسکین کو واقعی تملیک کیا جائے نہ کہ فرضی اور رسمی، ورنہ اس حیلہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ (کمافی منۃ الجلیل ج ۱ ص ۲۲۵ فیجب الاحتراز من ان یلاحظ الوصی عند دفع للفقیر الہزل والحیلۃ ان یدفعہا حقیقۃ لا تعینا ملاحظا ان الفقیر اذا ابی عن الہبۃ الی الوصی کان لہ ذلک ولا یجبر علی الہبۃ۔ انتہی۔)

خلاصہ یہ کہ وصی وغیرہ پر ضروری ہے کہ مسکین کو تھیلی وغیرہ دینے کے وقت ہزل یا حیلہ کا ارادہ نہ کرے گا بلکہ اس تھیلی وغیرہ کا مسکین کو واقعی اور حقیقی تملیک کرے گا۔ (حتیٰ کہ اگر یہ مال کافی

مقدار میں ہو اور حیلہ کرنے کے وقت حج کے لیے داخلہ کا اعلان ہوا ہو تو اس مسکین پر حج فرض ہو گا ، دوسرے شخص کو ہبہ کرنے سے یہ فریضہ ساقط نہ ہوگا) اور یہ بھی ملحوظ رکھے کہ اگر مسکین نے واپس دینے سے منع کیا تو یہ اس کے لیے درست ہوگا اور اس کو مجبور نہ کیا جائے گا ۔

فقہاء کرام کے حیلۂ اسقاط اور مروجہ اسقاط میں فرق] (۱) فقہاء اپنے اسقاط کو حیلۂ اسقاط سے تعبیر کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اسقاط نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب کیونکہ حیلہ کی شرعی حیثیت اس طرح نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت اباحت کی ہو سکتی ہے ، وہ بھی تب جبکہ اس میں محرمات شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو جبکہ مروجہ اسقاط کی حیثیت عوام الناس میں فرض و واجب سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس کو پورا کرنے میں قطعی فرائض چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتے ۔

ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصی بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لم یضق الثلث عنہ الخ ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۲ باب قضاء الفوائت تحت مطلب فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل)

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ فعل دور کا یہ حیلۂ اسقاط صرف ان اموات کے لیے ہے جو فقراء و غرباء ہوں یعنی ان کے ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اس میں شرعی طریقہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ فی نماز اور فی روزہ فطر کی نصف صاع گندم یا پورا صاع جو پورا ہو سکے ۔ امراء اور اغنیاء کے لیے یہ حیلۂ اسقاط ایجاد نہیں کیا گیا ہے ۔ لیکن عوام میں اس حیلہ کا استعمال صرف فقراء اور غرباء اموات کے لیے نہیں بلکہ امراء اغنیاء اور سلاطین تک کے لیے بھی اس طریقہ کو کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ جن اموات کے ترکہ میں سے پورا فدیہ ادا کیا جا سکتا ہو ان کے ترکہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا پورا فدیہ نکالنا ضروری ہے بشرطیکہ میت نے اس کی وصیت بھی کی ہو اور ثلث ترکہ میں وہ پورا ہو سکتا ہو نہ کہ ان کے لیے بھی مروجہ حیلۂ اسقاط بطور رسم کیا جائے ۔

(۳) یہ بھی فقہاء کی کتابوں میں بصراحت مذکور ہے کہ اگر میت مالدار ہو اور اس نے وصیت بھی نہ کی ہو تو میت کے اولیاء پر یہ حیلۂ اسقاط لازم نہیں ہے ، تو ان میں سے ایک وارث دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ میں سے کچھ بھی اس طرح کے حیلوں پر خرچ نہیں کر سکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً ایسا

کرنے کا مجاز نہیں ہے، اور اگر کسی وارث نے دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو شرعاً دوسرے وارثوں کا یہ ضامن ہوگا، فتاوی بزازیہ میں اس کی تصریح موجود ہے، جبکہ مروجہ اسقاط میں، اس کا خیال اصلاً نہیں کیا جاتا بلکہ ہر حالت میں اس کو لازم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر ورثاء میں کوئی نابالغ یا غیر حاضر ورثاء بھی موجود ہوں یا حاضر ورثاء نہ راضی ہوں تو اس وقت بھی ان میں سے جو بڑا وارث ہو وہ لازماً پورا اسقاط کر کے تمام ورثاء کا بے جا حق تلف کرے گا اور خرچ کیا ہوا مال تمام ورثاء کے ذمہ مشترکہ قرض کے طور پر ڈالا جائے گا، حالانکہ یہ شریعت مقدسہ کے سراسر خلاف ہے۔

(۴) فقہاء نے مالی اسقاط کا مصرف صرف فقراء اور مساکین کو قرار دیا ہے، کوئی خاص طبقہ اس کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا ہے نہ اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا گیا ہے، جبکہ عوام کے اسقاط میں ایک طرف مخصوص طبقہ اس کے لیے مقرر ہے کہ اگر اس طبقہ کے علاوہ اسقاط کا مال شہر کے دوسرے فقراء و مساکین یا یتیموں اور بیواؤں وغیرہ پر تقسیم کیا جائے تو یہ اسقاط ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اس کے لیے جنازہ کا خاص وقت مقرر کیا گیا ہے جو اس سے آگے پیچھے کیا ہی نہیں جا سکتا، نہ آگے پیچھے کرنے کو وہ جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

(۵) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل دور سے قبل میت کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا حساب کیا جائے گا پھر جتنا مال برائے فدیہ یعنی اسقاط مقرر کیا گیا ہو اس کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ کتنی نمازوں کے لیے فدیہ ہو سکتا ہے، تو اس حساب سے نمازوں کے لیے وہ فدیہ بن سکتا ہے فعل دور اس اندازے کے مطابق اس وقت تک جاری رکھا جائے گا کہ پوری عمر کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہو سکے یعنی فعل دور پوری نمازوں کے اندازے اور تعداد کے مطابق کیا جائے گا، نہ کہ اس سے کم۔ جبکہ عوام کے اسقاط میں فعل دور صرف تین دفعہ کیا جاتا ہے اگرچہ یہ تین دفعہ کا دور پوری نمازوں کے لیے کافی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو، نیز میت کی نمازوں کا حساب بھی نہیں کیا جاتا اور نہ ہی فدیہ کا اندازہ معلوم کیا جاتا ہے۔

(۶) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس حلقہ میں مالِ اسقاط کا دور کیا جا رہا ہو اس میں غنی اور مالدار آدمی ہرگز نہ ہو کیونکہ غنی اور مالدار کے لیے واجبی فدیہ کا مال لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، لہٰذا دور کے حلقہ میں کوئی غنی اور مالدار ہرگز نہ ہوگا، لیکن عوام کے اسقاط میں جو لوگ دور میں شریک

ہوتے ہیں وہ اکثر مالدار اور غنی ہوتے ہیں جن کے لیے صدقات واجبہ کا مال لینا قطعی طور پر حرام ہوتا
ہے۔ لہٰذا یہ مروجہ اسقاط فقہاء کا اسقاط ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۷) عوام کے اسقاط میں قرآن مجید کو جزو فدیہ بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے بغیر کوئی اسقاط
کیا ہی نہیں جاتا۔ حالانکہ معتبر کتب فقہ میں جہاں اسقاط کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہاں قرآن مجید کے
متعلق اس بات کا نام و نشان نہیں ملتا کہ اس کو بھی مالی اسقاط کا جزو بنا کر ٹھہرایا جائے۔
اس موقع پر بعض ائمہ مساجد قرآن کریم کے ساتھ بیع کا ایک معاملہ کرتے ہیں جو نہایت غلط بھی
ہے اور یہ فریب بھی۔ چنانچہ میت کے وارث کا اگر اپنا کوئی قرآن نہ ہو تو یہ ائمہ حضرات اپنا یا دوسرے
شخص کا قرآن ہزار دو ہزار روپیہ پر مقتدا اس کو فروخت کرتے ہیں۔ اس میں ان کی غرض یہ ہوتی ہے
کہ جب ہزار دو ہزار روپیہ پر قرآن مجید فروخت کر کے پھر اس کو مالی فدیہ کے ساتھ جزو بنا
دیا جائے تو فدیہ کی تعداد زیادہ ہو جائے گی کیونکہ فدیہ کے ساتھ دو ہزار روپیہ کا قرآن بھی
شامل کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ بیع اولاً تو بیع ہی نہیں کیونکہ یہ بیع صوری ہے حقیقی نہیں ہے۔ اور تمام
علمائے فقہ و اصول لکھتے ہیں کہ صوری بیع شرعی بیع نہیں ہے۔ نہ اس سے مبیع کسی کی ملکیت میں
آتی ہے۔ تاوقتیکہ ہزل سے اعراض کر کے ثانیاً بطور جدا بیع نہ کی جائے۔ ثانیاً بالفرض اگر یہ
بیع منعقد ہو بھی جائے تو فدیہ کے ساتھ قرآن مجید رکھنے سے فدیہ کی تعداد ہزار دو ہزار روپیہ تک
کیسے بڑھ سکتی ہے جبکہ ہزار دو ہزار اس کی قیمت نہیں بلکہ ثمن ہے جو مشتری مقرر کیا گیا ہے۔ اور
فدیہ میں اگر شامل ہو سکتی ہے تو صرف قرآن مجید کی اصلی قیمت اور مالیت شامل ہو سکتی ہے جو ظاہر
ہے کہ ہزار دو ہزار نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپے تک پہنچ سکتی ہے۔ فقہاء کرام کے
اسقاط میں اس قسم کا کچھ فریب یا ان کا اصلاً ذکر نہیں ہے یہ صرف مروجہ عوامی اسقاط ہی میں
پائی جاتی ہیں۔

(۸) فقہاء کرام کے نزدیک اسقاط صرف اس دور کو کہتے ہیں جو صنعفہ کے اندر کیا جائے
اس سے۔ ان کے نزدیک اسقاط پورا ہو جاتا ہے اس کے بعد مال کی تقسیم ورثاء کے
ذمہ پر فرض یا واجب نہیں ہے تو اس پر کسی درجہ میں اسقاط کا توقف ہے اور اپنی مرضی
سے اگر صدقہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ کل مال تصدق کریں یا
انہیں لوگوں پر تصدق کریں جو میت کی چارپائی کے گرد و حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں بلکہ
اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی خرچ کر دیا جائے اور حلقہ والوں کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین

کر دیا جائے تب بھی ثواب ملے گا اور اسقاط میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس مروجہ
دور اسقاط کے بعد مال کی تقسیم بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسقاط ہو ہی نہیں سکتا،
یا کم سے کم مکمل نہیں ہو سکتا اور یہ تقسیم بھی ان لوگوں پر ضروری ہے جنہوں نے محنت کر کے دور کا
عمل کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین پر اگر یہ مال تقسیم کیا جائے تو پھر اپنے اسقاط
کا تماشا دیکھ لیں کہ اس کی کیا گت بنتی ہے۔

(۹) ان تمام چیزوں کے علاوہ ننانوے فیصد لوگ اس اسقاط کو ایک رسم اور رواج سمجھ کر ریا
اور نمائش کے لیے کرتے ہیں یا اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی بدنامی نہ ہو اور لوگ ان
کا مذاق نہ اڑائیں، ایسے لوگوں کی نیت اصلاً ثواب کی نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر ریا و نمود و نمائش
یا بدنامی سے بچنے کے لیے خواہ لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جائے اس کا ذرہ برابر بھی
ثواب نہیں ملتا۔ لہٰذا ایسے اسقاطوں میں میت کو بھی کوئی ثواب یا نفع نہیں پہنچتا ہے، البتہ
اسقاط کرنے والوں کی لوگوں میں نیک نامی ضرور ہوتی ہے اور اُن لوگوں کو بھی دنیوی منفعت
مل جاتی ہے جن کے ہاتھ اسقاط میں چند روپے آجاتے ہیں، میت بے چاری کو اس طرح
کے اسقاطوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) اس کے علاوہ عوام کے اسقاط میں مال کی تقسیم بھی بڑے غلط طریقہ سے کی جاتی ہے،
یعنی جو لوگ عزت دار اور ذی وجاہت ہوتے ہیں اور کسی بڑی مسجد کے پیش امام ہوتے ہیں
ان کو تو دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ روپے دیتے ہیں اور غریب محتاج طالب علم
یا دیگر فقراء و مساکین جو کسی مسجد کے پیش امام نہیں ہوتے ہیں ان کو ایک یا دو آنے دیئے جاتے
ہیں۔ اب انصاف سے کہیے کہ یہ تمام چیزیں عوام کے مروجہ اسقاط میں پائی جاتی ہیں یا نہیں
اگر پائی جاتی ہیں اور یقیناً پائی جاتی ہیں تو براہ کرم یہ بھی بتائیے کہ مروجہ اسقاط کو فقہاء کے
اسقاط کے ساتھ کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟ پھر کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ
چونکہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اسقاط کا ذکر کیا ہے اس لیے عوام الناس میں جو اسقاط
رائج ہے یہ بھی جائز ہوگا کیونکہ اس کا نام بھی اسقاط ہے۔ حاشا و کلا۔

اس بناء پر اسقاط کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر کہیں یہ اسقاط فقہاء کرام

کے تعلیم کردہ اسقاط کے موافق کیا جاتا ہو اور اس میں مندرجہ بالا مفاسد میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو وہ جائز اور کارِ ثواب ہوگا بشرطیکہ اس کو فرض یا واجب جان کر نہ کیا جائے اور اگر مندرجہ بالا مفاسد میں سے بعض مفاسد اس میں پائے جاتے ہوں تو وہ اسقاط ان مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ کارِ ثواب۔ ایسے حضرات کو چاہیئے کہ پہلے قانونِ وراثت کی رُو سے میت کے ترکہ میں سے پہلے اس کا قرض ادا کریں اس کے بعد ورثاء کے مابین شرعی قانون کے مطابق باقیماندہ ترکہ تقسیم کرکے ہر ایک وارث کو اپنا اپنا حصہ دیدیویں، اس کے بعد ورثاء میں سے کوئی اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے جتنا مال چاہے خرچ کرے، یہی صحیح اور شرعی طریقہ ہے جو کہ سلف صالحین سے منقول ہوتا چلا آیا ہے اور قرآن وحدیث کے احکامات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ محترم المقام جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ ہمارے ہاں بڑے نزاع کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ علی الاطلاق اور بعض کا کہنا ہے کہ دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ ضرور کرنی چاہیئے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

الجواب:۔ دُعا بعد السنۃ بہیئۃ الاجتماعیۃ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن چکا ہے بعض لوگ اس دعا کے ترک کرنے میں انتہا کر جاتے ہیں اور اتنا غلو کر جاتے ہیں کہ اس عمل کو مطلقاً بدعت قرار دیتے ہیں اور بعض غلو سے کام لے کر بالالتزام دعا بعد السنۃ کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ راہِ اعتدال سے ہٹ کر مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعت مقدسہ نے دعا کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دُعا بہیئۃ اجتماعیہ اور انفراداً دونوں طرح ثابت ہے۔ نیز احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دبر الصلوٰۃ دعا مانگنے کی ترغیب بھی وارد ہوئی ہے جبکہ دبر کا اطلاق جس طرح متصل وقت پر ہوتا ہے اسی طرح منفصل وقت یعنی سنتوں کے بعد پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اگر دعا بعد السنۃ بہیئۃ اجتماعیہ بلا التزام مانگی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ کو فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

كما قال العلامة يوسف البنوري رحمة الله تعالىٰ: الدعاء للإمام والمأموم والمنفرد مستحب عقب كل صلوٰة بلا خلاف ويقول ويستحب أن يقبل على الناس فيدعوا

معارف السنن ۳/۱۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت

سوال: از جناب مفتی صاحب
افغانستان اور مقبوضہ کشمیر

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک (بال) موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لیے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں نذرانے وغیرہ پیش کرتے ہیں، اب قابل طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی کسی جگہ ایسا ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہیں اور ان کی زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک (بال) موجود تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے حلق فرمایا تو ان موئے مبارک کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لما رواہ الامام ابو عیسی الترمذی رحمہ اللہ: عن انس بن مالکؓ قال: لما رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمرۃ نحر نسکہ ثم ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ فأعطاہ ابا طلحۃ ثم ناولہ شقہ الایسر فحلقہ فقال: اقسمہ بین الناس

{الجامع للترمذی علی صدر معارف السنن ج ۶ ص ۴۲
باب ماجاء بأی جانب الرأس یبدأ فی الحلق، کتاب الحج}

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں پہنتے تو وہی ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ: وذکر غیر واحد ان خالد بن الولید کان فی قلنسوتہ شعرات من شعرہ

صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک کان لا یقدم علی وجہ الا فتح لہ ویؤیدہ ما ذکرہ الملا فی السیرة ان خالدا سأل اباطلحة حین فرق شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الناس ان یعطیہ شعرة ناصیتہ فاعطاہ ایاہ فکان مقدم ناصیتہ مناسبا لفتح کل ما اقدم علیہ۔

(عمدة القاری ج ۱۰ ص ۵۵ کتاب الحج
باب الحلق والتقصیر عند الاحلال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک حضرت صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل و عیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب تھے۔ چونکہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے اس لیے ممکن ہے کہ آپ کے موئے مبارک بھی بزرگوں کے واسطے سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے: عن ابن سیرین قال: قلت لعبیدة عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اهل انس فقال لان تکون عندی شعرة منہ احب الی من الدنیا وما فیها۔ (معارف السنن ج ۶ ص ۳۴۹-۳۴۸ کتاب الحج)

تو ان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آتے ہیں اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اب کسی مقام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی زیارت کے لیے سفر کریں۔ تاہم اگر اس بارے میں کوئی شک پیدا ہو جائے تو خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ تنازع کی صورت اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

فرض نمازوں کے بعد باآوازِ بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد امام صاحب مع مقتدیوں کے تین مرتبہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ کر درود شریف اور اللّٰھم انت السلام الخ کو بھی باآوازِ بلند پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں مسبوقین بھی موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب اس کے تارک پر لعن طعن کی جاتی ہو۔

الجواب: کلمہ طیبہ اور درود شریف کا جہر سے پڑھنا اجتماعاً وانفراداً دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اگر ایسا کرنے سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل پڑتا ہو تو پھر یہ عمل درست نہیں۔

ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہنے کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل عیدین کے موقع پر اکثر لوگ ایک دوسرے کو "عید مبارک" کے الفاظ کہتے ہیں جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کے موقع پر اسلام میں کئی افعال اور اعمال سنت ہیں جو ہر مسلمان کے لیے خوشی کے مواقع (عیدین وغیرہ) پر جائز قرار دیئے گئے ہیں جیسا کہ احادیث وآثارِ سلف صالحین میں وارد ہے البتہ رسوماتِ قبیحہ اور بدعاتِ مروجہ سے بچنا بھی نہایت ہی ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق عیدین کی خوشی پر اگر ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے یہ کہہ دے کہ عید مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے روزے، نمازیں اور تراویح قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی قبول فرمائے، تو یہ ایک عبادت کے کرنے پر شاباشی وترغیب ہے اور اعمالِ صالحہ کی عنداللہ قبولیت کے لیے دعا ہے۔ ایسا کہنے میں بظاہر کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح کے الفاظ کہنے کو لازم سمجھنا اور نہ کہنے والے سے ناراض ہونا یا اس کا اتنا اہتمام کرنا اور عید کی مبارکباد دینے کے لیے گلی گلی اور گھر گھر پھرنا یقیناً ایک مکروہ عمل ہے اور ثواب کی نیت وارادہ سے کرنا احداث فی الدین ہے۔

الدر المختار میں ہے: والتھنئۃ بتقبل اللہ منا ومنکم لاتنکر الخ اور رد المحتار میں ہے کہ: قولہ والتھنئۃ وانما قال ذٰلک لانہ لم یحفظ فیھا شیئ عن ابی حنیفۃ واصحابہ وذکر فی القنیۃ انہ لم ینقل عن اصحابنا کراھۃ وعن مالک انہ کرھھا وعن الاوزاعی

أنها بدعة وقال المحقق ابن امير الحاج بل الأشبه انها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثاراً باسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم ذلك والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فان تقبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة بها هنا ايضاً ام (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص۵۵۵) [1]

مساجد میں تعزیہ لانے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے میں بریلوی حضرات کی ایک مسجد ہے محرم الحرام میں یہ لوگ تعزیہ بنا کر مسجد میں لاتے ہیں اور وہاں حضرت امام حسینؓ کی یاد میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور وعظ و نصیحت کی مجالس منعقد کرتے ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں تعزیہ لانا اور مرثیہ خوانی وغیرہ کی مجالس قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اولاً تو اسلام میں کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور ناجائز ہے، احادیث میں اس پر کافی وعیدیں آئی ہیں، البتہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔ ثانیاً اسلام میں تعزیہ سازی کا کوئی وجود نہیں چہ جائیکہ اسے مسجد میں لایا جائے، بلکہ ایسا کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: تعزیہ داری اور مجالس مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور بالخصوص مساجد میں یہ کام سخت ظلم اور معصیت اور موجب

---

[1] قال ابن الحاجؒ في المدخل، قد اختلف علماءنا رحمة الله عليهم في قول الرجل لاخيه يوم العيد تقبل الله منا ومنك وغفرلنا ولك على اربعة اقوال جائز لانه قول حسن، مكروه لانه من فعل اليهود مندوب اليه لانه دعاء ودعاء المؤمن لاخيه مستحب الرابع لا يبتدئ به فان قال له أحد رد عليه مثله واذا كان اختلافهم في هذا الدعاء الحسن مع تقدم حدوثه فما بالك بقول القائل عيد مبارك مجرداً عن تلك الالفاظ مع انه متأخر الحدوث فمن باب أولى أن يكرهوه وهو مثل قولهم يوم مبارك وليلة مباركة وصبحك الله بالخير ومساك بالخير۔ (المدخل لابن الحاج المالکی ج ۲ ص۲۸۲ فصل فی سلام العید)

عذابِ الٰہی ہے۔ مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنی چاہیئے یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں۔ اور ان کے کرنے والا ان امور پر فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۴۷ کتاب السنۃ والبدعۃ)

ختنہ کی دعوت بدعت نہیں

سوال:- بچے کے ختنے کی خوشی میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:- شادی بیاہ، ختنے اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر کھانا تیار کر کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں البتہ اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

قال العلامۃ عبد الحق الدہلویؒ: در مجمع البحار گفتہ کہ ضیافت ہشت نوع است ولیمہ برائے عرس و خرس بضم خاء معجمہ برائے ولادت و اعذار برائے ختان و وکیرہ برائے بنا و نقیعہ برائے قدوم مسافر... الخ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۳۹ باب الولیمۃ) [1]

درود شریف کے لیے قیام کرنا

سوال:- بعض لوگ جلسوں اور وعظ و نصیحت کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی کھڑے ہو کر با آواز بلند صلوٰۃ و سلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ شرعاً ایسے قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اگرچہ موجبِ ثواب ہے مگر درود شریف پڑھنے کے لیے قیام کرنا سلف و خلف میں کسی سے ثابت نہیں، اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا اور پھر اس پر التزام کرنا خلافِ شرع ہے۔

---

[1] قال العلامۃ قطب الدینؒ: (عرس او نحوہ) اس سے ختنہ اور عقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے۔ (مظاہر حق جلد ۳ ص ۲۵۸ باب الولیمۃ)

ومثلہ حاشیۃ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۷ باب الولیمۃ حق۔

لما ورد فی الحدیث عن انسؓ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح۔
(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۰۳ باب القیام)

مصائب میں بخاری شریف کے ختم کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض دینی مدارس میں مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرایا جاتا ہے، شرعاً ایسے ختم کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مصیبت میں بخاری شریف کا ختم کرنا قرون بالخیر میں نہیں تھا مگر متأخرین علماء نے اس کو جائز کہا ہے۔

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوہیؒ، قرون ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (تالیفات رشیدیہ ص۱۳۲ کتاب البدعات)

بڑے لوگوں کی برسیاں منانا

سوال:۔ آجکل عوام میں یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ ہر سال قوم کے متعدد اور بڑے لوگوں کی برسیاں منائی جاتی ہیں، جیسے کہ یوم صدیق اکبرؓ، یوم فاروق اعظمؓ، یوم اقبال اور یوم قائد اعظم وغیرہ، شرعاً ان برسیوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اسلام ایک کامل و مکمل دین اور ضابطہ حیات ہے جو کہ خدا پرستی کا داعی ہے اور شخصیت پرستی سے منع کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس قسم کے اعمال (برسی وغیرہ) کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے دنیا سے جانے کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور بعد میں آنے والے تابعین اور تبع تابعین حتیٰ کہ کسی بھی امام یا محدث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برسی نہیں منائی اور نہ آپ کی یاد میں کوئی محفل کی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلثۃ ایام الا علی زوجھا اربعۃ اشھر وعشرا۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۹ باب العدۃ۔ فصل فی الحداد)

البتہ اگر اس کو ایصالِ ثواب کے لیے منایا جاتا ہو اور اس دن اموات کے ایصالِ ثواب

کے لیے ختمات القرآن وغیرہ ہوتے ہوں تو ان تخصیص ایام کی وجہ سے یہ بھی خلاف شرع ہے جبکہ شریعت مقدسہ نے ایصال ثواب کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی گنجائش ہے۔ اپنی طرف سے کوئی خاص دن مقرر کرنا دین میں زیادتی ہے جو اسلام کے کامل اور مکمل ہونے کی صفت کے خلاف ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خرافات اور بیہودہ رسومات سے پرہیز کریں اور یہود و ہنود کا طریقہ ترک کر دیں۔

شادی کے موقع پر سہرا باندھنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل شادی بیاہ کے موقع پر دولہا کو سہرا باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا لازمی حصہ تصور کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- سہرا باندھنا ہندوؤں کی رسم ہے جو کہ عرصہ دراز تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں رواداری اور باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہے، اس لیے یہ واجب الترک ہے اور اس پر التزام و اصرار کرنا موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامة مفتی محمد کفایت اللہؒ: نکاح یا کسی اور تقریب کے موقع پر باجے وغیرہ بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرانا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی ص ۵۳ ج ۹ باب مہر جہیز، ساچق، سہرا وغیرہ)

سالگرہ کی شرعی حیثیت

سوال:- آجکل خوشی منانے کی ایک عجیب رسم کا رواج ہے وہ یہ کہ جب کسی کی پیدائش کی تاریخ یا دن آجاتا ہے تو عزیز و اقارب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام سے موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے، معاشرے میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ لوگ اس خوشی میں ایک دوسرے کو گرانقدر تحفے تحائف دیتے ہیں اور اس سب کچھ کو سالگرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے اور اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنا، تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام میں اس قسم کے رسم و رواج کا کوئی ثبوت نہیں ہے، خیر القرون میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مروجہ طریقہ پر سالگرہ منانا ثابت نہیں، یہ رسم بد انگریزوں کی ایجاد کردہ ہے جن کی دیکھا دیکھی کچھ مسلمانوں میں بھی یہ رسم سرایت کر چکی ہے۔ اس لیے اس رسم کو ضروری سمجھنا، ایسی دعوت میں شرکت کرنا

اور تحفے تحائف دینا فضول ہے شریعت مقدسہ میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔

عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا

سوال :- جناب مفتی صاحب! دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ملک عزیز پاکستان میں بھی یہ رواج ہے کہ جب نیا عیسوی سال شروع ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو نیو ایئر نائٹ کے عنوان سے مبارکباد دیتے ہیں، ملک بھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ تو کیا عیسوی سال کے شروع میں اس طریقہ پر خوشیاں منانے کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب :- مسلمانوں کے لیے ہجری سال مقرر ہے اور اسی سے ہمارے اسلامی تشخص کا اظہار ہوتا ہے، عیسوی سال عیسائیوں کا ہے اور وہی اس کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں۔ بعض مسلمان جہالت اور نادانی سے یہ خوشیاں مناتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لیے ہجری سال اپنائیں اور اپنے حساب و کتاب کا سارا دارومدار اسی کے مطابق رکھیں، اس لیے کہ اسلامی عبادات کا تعلق قمری سال سے ہے نہ کہ عیسوی سال سے۔

نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا

سوال :- جناب مفتی صاحب! آجکل یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ جب کوئی نیا کام شروع کرتے ہیں یا مکان وغیرہ بناتے ہیں تو کیا ہیں خیر و برکت کی غرض سے چند لوگوں کو بلا کر ان سے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور یہاں تک اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ کسی وقت تک کوئی کام شروع ہی نہیں کرتے جب تک قرآن مجید کا ختم نہ کرائیں۔ شرعاً ایسے ختم قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- قرآن کریم کی تلاوت فی نفسہٖ خیر و برکت کا ذریعہ ہے اس کے پڑھنے یا پڑھوانے سے کاروبار، گھر اور دوکان وغیرہ میں برکت ہوتی ہے مگر اس کو دین کا جز نہیں سمجھنا چاہیے، بغیر ختم قرآن کے بھی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا مانگی جا سکتی ہے۔ وہ مانگنی چاہیے۔ البتہ ختم قرآن کو ایک رسم کی شکل دے کر ضروری سمجھنا اور اس کا خوب اہتمام کرنا دین میں زیادتی کے مترادف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

✱

جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کچھ عرصہ سے بعض مساجد میں نماز جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر لاؤڈ سپیکر پر باآواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ہے اور نہ کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اعظم القربات میں سے ہے لیکن شریعت مقدسہ نے اس کے لیے کوئی خاص دن اور وقت مقرر نہیں کیا ہے بلکہ ایک مسلمان جب بھی اور جس وقت بھی چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھ سکتا ہے اور یہ عمل باعث خیر و برکت اور موجب اجر و ثواب ہے، مگر اس کے لیے از خود وقت اور دن متعین کرنا احداث فی الشرع اور بدعت ہے۔ بریلوی حضرات کے اس نو ایجاد عمل کا خیر القرون میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ ان حضرات کا ذاتی اور خود ساختہ عمل ہے جو کہ شرعاً واجب الترک ہے۔

کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ ایک عام رواج ہے کہ وہاں خواتین کھانا اور پانی کا گلاس سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ رکھتی ہیں اور پھر فاتحہ پڑھتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایصال ثواب کے لیے کھانا وغیرہ فقراء و مساکین میں تقسیم کرنا جائز ہے مگر اس پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا بے اصل اور خلاف شرع ہے۔

لما قال المفتی کفایت اللہ: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے، کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دیا جائے بس یہی کافی ہے اور جو کچھ کر ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے رکھے ثواب پہنچا دیا جائے، آدھا کھانا دینا یا نقدی میں ذات ناجائز ہے اور اس کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۰۱ کتاب العقائد) [1]

---

[1] لما قال العلامۃ مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ: سوال:۔ کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، امام حسنؓ و حسینؓ، حضرات تابعینؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت غوث پاکؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھ کر کسی کو بخشا تھا؟

جوابؒ: یہ اکابر تو متبع شریعت اور پابند سنت تھے، یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج ۱۵ ص ۲۸۲/۲۸۴ باب البدعات والرسوم)

بغیر نماز کے شبینہ کا حکم

سوال:- بعض علاقوں میں میت کے ایصالِ ثواب یا تقربِ الٰہی کے لیے چند حفاظ کرام شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ہر حافظ قرآن اپنی باری پر قرآن سامنے رکھ کر بغیر نماز کے لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کرتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا ہے اس سے لوگوں کی نیندیں بھی خراب ہوتی ہیں، بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے جبکہ بعض خاص حالات میں قرآن سنا دینے ہی بے ادبی ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر قرآن مجید پڑھنے کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:- قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ اعظم القربات (تقرب الٰہی کے ذرائع میں سے) ایک بڑا ذریعہ ہے مگر اس کے لیے وہ کیفیت و طریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرون ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوتِ قرآن کے لیے اختیار کرنا جو خیر القرون میں نہ ہو اور پھر اس نو ایجاد طریقہ سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو باعث گناہ و عذاب ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کا شبینہ درست ہی نہیں بلکہ واجب الترک ہے۔

تیجے، رسم قل وغیرہ میں ختم قرآن کا حکم

سوال:- برصغیر پاک و ہند کے اکثر علاقوں میں یہ رسم عام ہے کہ میت کے تیسرے دن محلہ کے امام مسجد اور حفاظ وغیرہ کو جمع کرکے میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کا ختم کیا جاتا ہے اور اس رسم پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر انتہائی گھٹیا قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں، شرعاً اس طریقہ ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نفل نمازیں اور دیگر نیک اعمال کرنا شرعاً مرغوب ہے اور اس سے میت کو فائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت اور ایام کی تخصیص شریعت میں ثابت نہیں اس لیے مذکورہ بالا طریقہ ایصالِ ثواب کو فقہاء کرام نے بدعت شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہیؒ: مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص و آں را ضروری انگاشتن در شریعت محمدیہ ثابت نیست صاحب نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ ہم و ایں تخصیص نکند نہ ہر روز یکہ خواہند بروح میت رسانند و وقت قریب مرگ خود زیادہ تر محتاج مدد میشود ہر قدر کہ ایصالِ ثواب بہر روز یکہ شود موجب خیر است۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص۱۴۹ کتاب البدعات)

نماز کے بعد اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ الخ بالتزام پڑھنا

سوال:۔ بعض ائمہ فرض نمازوں کے بعد بالتزام باآواز بلند آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ الخ پڑھ کر درود شریف پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں پر وہابیت وغیرہ کا فتویٰ لگاتے ہیں، تو کیا فرض نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ درود شریف بلند آواز سے ہو یا آہستہ سے دونوں طرح بلا التزام درست اور خیر و ثواب کا باعث ہے لیکن صورت مسئولہ میں مروج طریقہ قرون بالخیر میں نہ ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے، اس لیے یہ طریقہ چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں طرح خلاف شرع اور بدعت ہے۔[1]

لہ قال العلامۃ ابن امیر الحاج المالکیؒ: الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یشک مسلم انہا من اکبر العبادات واجلہا وان کان ذکر اللہ تعالیٰ والصلوٰۃ والتسلیم علی النبی حسنًا سرًّا وعلانیۃ لکن لیس لنا ان نضع العبادات الا فی مواضعہا التی وضعہا الشارع فیہا ومضی علیہ سلف الامۃ الا تری الی قول عبد اللہ بن عمرؓ ان اللہ تعالیٰ بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئا وانما نفعل کما رأیناہ یفعل ...... والصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد توابعہا فی زیادۃ مواضع لم تکن تفعل فیہا فی عہد من مضی والخیر کلہ فی الاتباع لہم۔ (المدخل ج۲ ص۲۶۲۵)

عرفہ کے دن حجاج سے مشابہت کیلئے شہر سے باہر نکلنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! عرفہ کا دن بہت مبارک دن ہے، اس دن حاجی صاحبان عرفات کے میدان میں جمع ہو کر وہاں ظہر اور عصر کی نماز پڑھتے

---

[1] قال العلامۃ مفتی کفایت اللہ الدہلویؒ: سوال: سنتوں کے بعد امام باجماعت دعا کرنا اور درود پڑھنا کار ثواب ہے یا بدعت؟

الجواب:۔ سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کرنا سنت نہیں، اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (کفایت المفتی ج۱ ص۲۳۵ کتاب العقائد)

ادا کرتے ہیں، اب اگر ہم یہاں پاکستان میں گاؤں یا شہر سے باہر جا کر کسی پہاڑ وغیرہ پر نو ذی الحجہ میں حجاج کے ساتھ مشابہت کے لیے وہاں ظہر و عصر کی نماز ادا کریں تو کیا ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب:- عرفہ کا دن اگرچہ بہت مبارک دن ہے لیکن حجاج کے ساتھ تشبہ کے لیے میدانِ عرفات کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں باہر کھلے میدان میں نکل کر ظہر و عصر کی نماز ادا کرنے کے بارے میں شریعتِ مقدسہ میں کوئی حکم وارد نہیں، اس لیے فقہاء کرام نے اس عمل کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے اس لیے اس عمل پر کسی قسم کے اجر و ثواب کی امید تو درکنار بلکہ الٹا عذاب کا خطرہ ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: واعلم ان المصرح به الکراهة کما فی البحر ان تفاصیلها فی غایة البیان ونهایة تعریفه وفی شرح المنیة ان هذا لیس بشیء ولا شیء البدع ...... وما لم یکن من امرهم فهو بدعة والبدعة اذا لم یستلزم منه فهی ضلالة۔ (رد المحتار)ـه

چندے کی رقم سے شیرینی تقسیم کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:- آجکل کچھ مساجد میں رمضان المبارک میں تراویح کے اندر قرآن کریم کے ختم کے وقت چندہ جمع کر کے حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے کہ واقعی ایسا کرنا بدعت ہے؟

الجواب:- ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا شرعاً جائز و مرخص ہے اس کو بدعت کہنا درست نہیں البتہ چندہ کی رقم سے شیرینی خرید کر تقسیم کرنا صحیح نہیں، تاہم اگر کوئی شخص انفرادی طور پر بغیر چندہ کے تقسیم کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوہیؒ: چندہ کر کے اس طرح شیرینی تقسیم کرنا درست

ـه لما قال العلامة مفتی عزیز الرحمنؒ: بروز عرفہ جمع ہونا لوگوں کا تشبہاً بالواقفین و بعض جگہ خطبہ پڑھنا بخیال حصول ثواب کے لاریب بے اصل اور بدعت و مکروہ ہے۔
(عزیز الفتاوی ج۱ ص۱۰۲ کتاب السنة والبدعة)

نہیں ہے علی الخصوص اس جگہ کہ اس شیرینی کا التزام کر لیویں اور اس کے تارک کو ملامت کرنا نادرست ہے۔ (تالیفات رشیدیہ ص۱۴۹ کتاب البدعات) [۱]

ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا

سوال:- جیسا کہ رمضان المبارک میں ختم القرآن کے موقع پر اکثر مساجد کو برقی قمقموں اور طرح طرح کی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے، اسلام میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- مساجد اور دیگر مقامات میں ضرورت سے زائد روشنی کرنا اسراف کے حکم میں داخل ہے اور پھر اس کو کار خیر جان کر اصرار کرکے ضروری سمجھنا اور کرنا بدعت کے حکم میں ہے اس لیے رمضان یا غیر رمضان میں ان چیزوں کا اہتمام کرنا موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوہیؒ: ضرورت سے زائد روشنی کرنا اور پھر اس کے ساتھ اس کو ضروری سمجھنا اسراف اور بدعت ہے اور نادرست ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ص۱۵۲ کتاب البدعات) [۲]

تعزیہ کے طور پر براق کی صورت بنانے کا حکم

سوال:- ماہ محرم الحرام میں بعض لوگ براق کی صورت بنا کر بطور تعزیہ پیش کرتے ہیں اور اس کو کار خیر اور موجب ثواب سمجھتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اسلام نے ہر صورت پرست سازی کی نفی کی ہے اور لوگوں کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ براق بھی ایک جاندار مخلوق ہے اس لیے کسی بھی عنوان سے اس کی مورتی بنانا شرعاً ممنوع ہے، اور اسی طرح تعزیہ بنانا چاہے محرم میں ہو یا دوسرے مہینوں میں حرام اور بدعت ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن سعید بن ابی الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاءہ رجل فقال یا ابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعۃ یدی وانی اصنع ھذہ

---

[۱] وکلہ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: المرکب اوختام قرآن کا حکم ان امور میں یکساں ہے یعنی فضول روشنی کرنا اسراف ہے اور بدعت ہے اور شیرینی کو لازم سمجھ کر بانٹنا یہ بھی بدعت ہے ... الخ (امداد الفتاوی ج۵ ص۲۸۹ کتاب البدعات)۔

التصاویر فقال ابن عباسؓ الا احدثك ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ یقول من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیہ الروح ولیس بنافخ فیھا ابداً فربا الرجل ربوۃ شدیداً واصفر وجھہ فقال ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بھٰذہ الشجرۃ وکل شیٔ لیس فیہ روح۔

(مشکوٰۃ ص۳۸۶ باب التصاویر، الفصل الثالث) [1]

تعزیہ کے جلوس میں شرکت کرنا حرام ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ہر سال دس محرم الحرام کو اہلِ تشیع تعزیہ بناتے اور جلوس نکالتے ہیں جس میں بعض اہلسنت بھی بڑے جوش وجذبے کے ساتھ اجر وثواب کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ تو کیا اس قسم کے جلوسوں میں شرکت کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دس محرم کو تعزیہ بنانا اور اس کا جلوس نکالنا سب مخترعات اور بے اصل امور ہیں، اس قسم کے اعمال خلافِ شرع اور بدعت کے حکم میں ہیں، اس لیے اس قسم کے جلوس اور جلوسوں میں شرکت کرنا ناجائز وحرام ہے۔

لما قال العلامۃ شاہ عبد العزیزؒ: تعزیہ داری در عشرۂ محرم وساختن ضرائح وصورت قبور وغیرہ درست نیست۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۶۹)

ایضاً قال: ودر مجلس بہ نیت زیارت وگریہ وزاری حاضر شدن ہم جائز نیست زیرا کہ آنجا زیارت نیست کہ برائے او حاضر شود وایں چوبہا کہ ساختہ اوست قابلِ زیارت نیستند بلکہ قابلِ ازالہ اند۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص۶۹)

---

[1] وعن ابی طلحۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ کلب ولا تصاویر۔ متفق علیہ۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۸۱ باب من کرہ القعود علی الصور، کتاب اللباس)

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج۵ ص۳۳۲ کتاب البدعات الفصل الحرام فی فصل المحرم۔

[2] لما قال المولوی احمد رضا خانؒ: علم، تعزیہ، بیرک، مہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے شوکتِ اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے منت ماننا حماقت اور نہ کرنے والوں کو باعثِ نقصان خیال کرنا زنانہ وہم ہے مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہیئے۔ (رسالہ محرم وتعزیہ داری ص۵۹ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص۳۳۸ رد بدعات)

ومثلہ فی فتاویٰ رحیمیہ ج۱۰ ص۴۳۵ تا ص۴۴۳ رد بدعات۔

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اسی وقت بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لیے اس دن میں خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ماہ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلاف اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس ماہ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے۔

لما قال العلامة مفتی عبد الرحیم: مسلمانوں کے لیے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ شمس التواریخ وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ صفر سہ شنبہ کو اسامہ بن زید امیر لشکر مقرر کئے گئے، ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اسامہ کو دیا ابھی لشکر روانگی کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز چہار شنبہ اور پنجشنبہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علالت خوفناک ہو گئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ جلد ۲ ص ۱۰۰۸)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے خوشی کا تو ہے ہی نہیں البتہ یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہو سکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا، خوشیاں منانا، تعطیل وغیرہ

میں تعطیل رکھنا، یہ تمام باتیں خلاف شرع اور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ا ص۱۱۹، ۱۲۰ کتاب العلم)[1]

رمضان المبارک کی تیئسویں رات کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال: بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان المبارک کی تیئسویں (۲۳) رات کو نماز تراویح کے بعد امام مسجد یا کوئی حافظ قرآن سورۂ عنکبوت اور سورۂ روم کی تلاوت کرکے مٹھائی وغیرہ پر دم کرتا ہے اور وہ مٹھائی پھر حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے اور اس کو مستحب کہتے ہیں۔ کیا واقعی یہ طریقہ مستحب ہے؟

الجواب: رمضان المبارک کی تیئسویں رات کو قرآن کریم کی بعض سورتوں (عنکبوت و روم) کو متعین کرکے پڑھنا اور پھر مٹھائی یا پیسوں پر دم کرکے حاضرین میں تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت ہے، شریعت مقدسہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے، اگرچہ قرآن کریم کا سننا اور سنانا موجب اجر و ثواب ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: لان ذكر الله اذا قصد به التخصيص بوقت دون وقت او بشئ دون شئ لم يكن مشروعاً حيث لم يرد الشرع به لانه خلاف المشروع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۵۹ باب العيدين)[2]

---

[1] قال المولوی احمد رضا خان البریلوی: الجواب: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔

(احکام شریعت جلد ۲ ص۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ا ص۱۲۰ کتاب العلم)

ومثلہ فی کفایت المفتی جلد ا ص۲۲۲ کتاب العقائد۔

[2] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: بان تخصيص الذكر بوقت لم يرد به الشرع غير مشروع۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۷۰ باب العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس)

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں

سوال:۔ ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے مقتدیوں نے کہا کہ حضرت آپ فرض نماز کے بعد جب دعا کرتے ہیں تو اول و آخر میں کچھ کلمات با آواز بلند کہا کریں تاکہ ہمیں دعا کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے، اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر کوئی ثابت کر دے تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے بازار میں گھسیٹا جائے۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ ہمیں اس مسئلے کا حل قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے جواب کے لیے چند مقدمات سمجھنا ضروری ہیں جو کہ ذیل میں تفصیل کے ساتھ نمبر وار درج کیے جاتے ہیں:۔

(١) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نماز کے بعد دعا کرنا قولاً و عملاً دونوں طرح ثابت ہے۔ امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:۔

(الف) كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان ينصرف من صلاته استغفر ثلاث مرات ثم قال وانت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والاكرام. (رواہ الترمذی بحوالہ معارف السنن ج ٣ ص ١٢١ باب ما يقول اذا سلم)

(ب) امام ابن ابی شیبہؒ نقل فرماتے ہیں: حدثني رجل من الانصار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر الصلوة اللهم اغفرلي وتب علي انك انت التواب الرحيم مائة مرة۔

(ج) عن ام سلمة ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول اذا صلى الصبح حين يسلم اللهم انى اسئلك علماً نافعاً ورزقاً طيباً وعملاً متقبلاً۔

(رواہما مصنف ابن ابی شیبہ ج ٧ ص ٣٩ رقم ٢٩٤١٥ كتاب الدعاء)

(د) علامہ ابن السنیؒ روایت کرتے ہیں: عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلوة يقول اللهم الهي واله ابراهيم واسحاق ويعقوب.... الا كان حقاً على الله ان لا يرد يديه خائبتين۔

(عمل اليوم والليلة بحوالہ معارف السنن ج ٣ ص ١٢٣ باب ما يقول اذا سلم)

ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں جو دعا بعد الفرائض کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی لیے علامہ محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

الدعا للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب کل صلوٰت بلاخلاف ویقول ویستحب ان یقبل علی الناس فیدعوا۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۳ باب مایقول اذا سلم)

(۲) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہیئتِ اجتماعیہ دعا کرنا بھی صحیح روایات سے ثابت ہے۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فہذہ وما شاکلہا من الروایات فی ابواب تکفی حجۃ لما اعتادہ الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعیۃ دبر الصلوٰۃ ولذا ذکرہ فقہائنا ایضا کما فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۳ باب مایقول اذا سلم)

(۳) ذکر اور دعا کرنے کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے خفیہ طور پر ذکر اور دعا کرنا ثابت ہے جبکہ بعض روایات سے جہر کے ساتھ یا آواز بلند دعا کرنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع میں فقہاء اور صلحاء و علماء امت باآواز بلند دعا کرتے آئے ہیں، چند دلائل بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں:۔

(ا) علامہ بنوری رحمہ اللہ نے کنز العمال کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے، لایجتمع ملاء فیدعوا بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۴ باب مایقول اذا سلم)

اس روایت سے آواز بلند دعا کرنا صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ دعا پر آمین تب کہی جاتی ہے جب دعا کرنے والا بلند آواز سے دعا کرے اور دوسرا شخص اس کو سنے۔

(ب) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلی لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

(ج) صحیح مسلم میں ہے: ان ابن عباسؓ اخبرہ ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ قال قال ابن عباسؓ کنت اعلم اذا انصرفوا بذلک اذا سمعتہ۔

(صحیح مسلم علی صدر فتح الملہم ج۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

یہ دونوں روایات بھی بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنے کو ثابت کرتی ہیں اس لیے کہ ابن عباسؓ اس وقت حدیث السن تھے انہوں نے نماز سے فراغت کے بعد یہ ذکر یا تو آخر صف میں سنا ہوگا یا مسجد سے باہر۔

اس لیے علامہ عثمانیؒ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں، واستدل بحدیث الباب بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۴ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اس حدیث کے تحت لکھا ہے، ھذا الحدیث دلیل لما قالہ بعض السلف انہ یستحب رفع الصوت بالذکر عقیب المکتوبۃ۔

(مجموعہ رسائل لکھنوی جلد ۳ ص۱۹ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص۳۲ الباب الاول فی حکم الجہر)

(۳) اسی طرح علامہ لکھنویؒ نے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذکروا اللہ ذکراً حتی یقول المنافقون انکم مراؤون۔

(مجمع الزوائد ج۱۰ ص۷۶ سباحۃ الفکر ص۲۹ الباب الثانی فی حکم الجہر)

بلند آواز سے ذکر کرنے پر اس روایت اور دوسری روایات سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: وجہ الاستدلال بہذین الحدیثین انہ انما یقال ذلک عند الجہر لا عند السر۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص۳۹۱ نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر)

(۵) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، اخرج البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا عند ظن عبدی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ والذکر فی الملاء لا یکون الا عن الجہر۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص۳۹۰ نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر)

(۶) عن جابر ان رجلا کان یرفع صوتہ بالذکر فقال رجل لو ان ہذا خفض من صوتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترکہ فانہ اواہ۔

(رسائل عبدالحی لکھنوی ج۳ ص۲۴ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص۳۱ الباب الاول)

(۷) عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا الہ الا اللہ ففعلنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہم انک بعثتنی بہذہ الکلمۃ وامرتنی بہا ووعدتنی علیہا انک لا تخلف المیعاد۔

(مستدرک حاکم جلد ۱ ص۵۰۱ کتاب الدعاء باب فضل التہلیل عند الاذان والذکر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مذکورہ روایات سے خوب ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد باآوازِ بلند ذکر بھی کیا ہے اور دعا بھی فرمائی ہے اور ساتھ صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب بھی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نماز کے بعد باآوازِ بلند ذکر اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ چند آثار بطورِ نمونہ پیشِ خدمت ہیں:۔

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اذا انصرف من صلوته قال اللّٰھم استغفرک لذنبی واستھدیک لأرشد امری واتوب الیک فتب علیّ انک انت ربی فاجعل رغبتی الیک واجعل غنای فی صدری وبارک لی فیما رزقتنی وتقبل منی انک انت ربی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹ رقم ۷ کتاب الدعاء)

(۲) عن عطیۃ بن زفر قال سمعت ابن عمر یقول فی دبر الصلوٰۃ: اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۲ کتاب الدعاء)

(۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابی موسیٰ انہ کان یقول اذا فرغ من صلوتہ اللّٰھم اغفرلی ذنبی ویسرلی امری وبارک لی فی رزقی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷ ص ۳۱ کتاب الدعاء)

مصنف ابن ابی شیبہ، مساجد الفقراء اور الحاوی للفتاوی وغیرہ کتب احادیث میں صحابہ کرامؓ کے آثار موجود ہیں جو ذکر بعد الصلوٰۃ اور دعا بعد الصلوٰۃ بلند آواز سے ادا کرنا ثابت کرتے ہیں۔

ان تینوں مقدمات سے خوب واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا یا ذکر واذکار میں مشغول ہونا جائز ہے۔ علماءِ امت میں سے کسی نے بھی اس کو بدعت اصطلاحی میں شمار نہیں کیا، البتہ محققین علماء نے ریا کے خوف سے جہر کو خلافِ اولیٰ قرار دیا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ دعا اخفاء کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: والدعاء بخصوصہ الافضل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابۃ۔ (الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۲۲ نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر)

اور علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: وقال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ۔
(فتح الملھم ج ۲ ص ۱۶۸ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحب سے جب اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:
والجواب: سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی زور آواز سے دعا کرنا
جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۲۲ متفرق مسائل)
علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے لکھا ہے: وما ذكرنا من الآثار دليل على ان اخفاء
الدعاء افضل من اظهاره وان الخفية هي السر (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۸ سورۃ اعراف)
مگر یہ کراہت بھی تب ہے کہ مساجد یا دیگر مقامات میں باواز بلند دعا کرنے سے لوگوں
کو تکلیف ہوتی ہو ان کی عبادت وغیرہ امور میں خلل واقع ہوتا ہو ورنہ بغیر مسجد کے بلند آواز سے
دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اگرچہ علامہ شعرانیؒ نے بعض مواقع پہ بلند آواز سے ذکر و دعا کو
مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عن الامام الشعراني اجمع العلماء
سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد وغيرها الا ان يشوش
جهرهم على نائم او مصلي او قارئ (فتح الملهم ج ۲ ص ۱۵۲ باب الذكر بعد الصلوة)
اور جہاں تک ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ والی آیت کا تعلق ہے تو یہ آیت
مطلق دعا کو جہرا کرنے سے منع پر دال نہیں اس منع سے مراد بے جا بلند آواز سے دعا
کرنے پر محمول ہے علماء امت نے اسی پر اس کو محمول کیا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ثم هذه الآية تدل على
ثبات الجهر الغير المفرط لا على منعه بناء على ما فسره الامام الرازي في
تفسيره من ان قوله: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ﴾ معناه ذكرا خفيا وسرا ومعنى
قوله: ﴿وَدُونَ الْجَهْرِ﴾ المفرط والمراد منه ان يقع الذكر بحيث يكون
بين المخافتة والجهر كما قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ
بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾ وعلى هذا تدل الآية على جواز السر والجهر
كليهما وافضلية التوسط للتضرع والخفية (سباحة الفكر [illegible])
اور حدیث لا تدعون اصم بھی جہر مفرط پر محمول ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: واما حديث انكم لا تدعون اصم ولا غائبا فمحمول
عندي على الافراط في رفع الصوت (فتح الملهم ج ۲ ص ۱۵۲ باب الذكر بعد الصلوة)

اس تمام تفصیل سے واضح ہوا کہ بعد از فرائض بلند آواز سے دعا کرنا جائز ہے اگرچہ پست آواز سے کرنا افضل و بہتر ہے اس کو بدعت کہنا لاعلمی اور کتب حدیث و فقہ سے عدم ممارست کی دلیل ہے بلا وجہ کسی ثابت شدہ چیز کو بدعت کہنا خطرہ گناہ عظیم ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

صورت مسئولہ میں اگر تو مقتدیوں کا یہ خیال ہو کہ امام صاحب بلا التزام دعا کے اول و آخر میں چند الفاظ باواز کہیں تا کہ مقتدیوں کو دعا شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے اس کو سنت اور ضروری نہ سمجھتے ہوں تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الاخفاء افضل متی خیف الریاء او کان فی الجہر تشویش علی نحو مصلٍ او نائم او قارئ او مشتغل بعلم شرعی وبتقدیم الجہر علی الاخفاء فیما اذا خلا عن ذلک وکان فیہ قصد تعلیم الجاہل او نحوہ او ازالۃ وحشۃ عن متوحش او طرد نعاس او کسل عن الداعی نفسہ او ادخال سرور علی قلب مؤمن الخ۔ (روح المعانی جز ۸ ملک سورۃ الاعراف)

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے مولانا عبدالحی لکھنوی کا رسالہ سباحۃ الفکر، علامہ سیوطی کی الحاوی للفتاوی، علامہ جصاص الرازی کی احکام القرآن، معارف القرآن، السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ کا مطالعہ کریں۔ (ھذا ما ظہر لی واللہ اعلم)

خطبہ جمعہ و عیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال:- اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے خطبہ ثانیہ میں دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور مقتدی بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہیں تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- عیدین و جمعہ کے خطبوں میں جو دعا کی جاتی ہے اس میں امام کا ہاتھ اٹھانا اور مقتدیوں کا آمین کہنا کہیں ثابت نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات کا بھی یہی فتوی ہے۔

کما قال العلامہ مفتی عبدالرحیم، سوال: عیدین و جمعہ کے خطبہ ثانی میں بعض خطیب دعا کرتے ہیں اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اس وقت ہاتھ اٹھانا آمین کہنا منع ہے اس میں دیوبندی، بریلوی کا اختلاف نہیں ہے مولوی احمد رضا خانی کی مشہور کتاب میں ہے کہ خطیب نے مسلمانوں کیلئے دعا کی تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت خطیب کا داہنے بائیں منہ کرنا بدعت ہے۔ (فتاوی رحیمیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ باب رد بدعات)

اتنے متعدد زمانے اور طویل عرصے میں عشاقِ رسول میں سے کسی عاشقِ صادق نے ایسی محفل کا انعقاد کیا ہے یا انعقاد کے لیے کسی سے صراحۃً یا اشارۃً کہا ہے، یا خود حضور اکرم صلعم کے مبارک زمانے میں آپ کی اجازت سے ایسی مجالس منعقد ہوئی ہوں۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ کارِ ثواب اور مبارک تقریب ان بہترین زمانوں میں انعقاد کیوں نہ ہوا؟ اور اگر نہیں ہوا ہے تو بعد میں ہونے پر اس کو بدعت کیوں نہ کہیں گے؟ آپ اس کے متعلق ظاہری شکل و صورت کو دیکھ کر ترغیب و ترہیب کی بنا پر مستحب قرار دینا چاہتے ہیں مگر ذرا یہ تو سوچئے کہ وہ کون سی شرعی بدعت ہے جس کی ظاہری شکل و صورت عبادت کی نہ ہو؟ خاص کر جب اس کے متعلق اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے صریح فتاویٰ بھی حرمت اور ممانعت کے بارے میں موجود ہیں، تو دیوبندی ہو کر آپ کیوں اس کی طرف راغب معلوم ہوتے ہیں؟ میں نے خود اپنے شیخ حضرت العلامہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہٗ سے زبانی دورۂ حدیث پڑھتے وقت سنا تھا کہ "ایسی مجلسوں کا انعقاد بدعت ہے"۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص [illegible] میں آپ فرماتے ہیں: "نفسِ ذکرِ ولادت باسعادت فخرِ دو عالم صلعم کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہو گئی۔"

مجالس عید میلاد النبی صلعم کا تاریخی پس منظر

اس رسم و بدعت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی مسلمانوں میں رواج نہیں تھا، نہ تو کسی صحابی کو سوجھی، نہ کسی تابعی کو، نہ کسی محدث، فقیہ، بزرگ و ولی اللہ کو۔ یہ بدعت اگر سوجھی تو ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو۔ یہ بدعت ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف بادشاہ اور دین سے بے پرواہ شخص تھا۔ (ابن خلکان) اس کے متعلق امام احمد بن محمد مصری مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

كان ملكاً مسرفاً يأمر علماء زمانه ان يعملوا باستنباطهم واجتهادهم وان لا يتبعوا مذهب غيرهم حتى مالت اليه جماعة من العلماء وطائفة من الفضلاء ويحتفل مولد النبي صلعم في الربيع الاول وهو اول من احدث من الملوك هذا العمل (القول المعتمد في عمل المولد)

(ترجمہ) وہ ایک مسرف بادشاہ تھا، علمائے زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کریں، غیروں کے مذہب پر عمل نہ کریں، حتیٰ کہ دنیا پرست علماء اور فضلاء کی ایک جماعت اس کی طرف

مائل ہو گئی اور وہ ربیع الاول میں محفل میلاد منعقد کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں میں یہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔"

اس محفل میلاد پر وہ کیا خرچ کرتا تھا؟ اس کے متعلق علامہ ذہبیؒ نقل فرماتے ہیں:۔

کان ینفق کل سنة علی مولد النبی صلعم نحو ثلاث مائة الف۔

(دول الاسلام للذہبی ج ۲ ص [illegible])

ترجمہ: "وہ ہر سال میلاد النبی پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔"

جس دنیا پرست مولوی نے اس کے جواز کے لیے مواد جمع کیا تھا اس کا نام عمر بن دحیہ ابوالخطاب تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

کان کثیر الوقیعة فی الائمة وفی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متهاونا۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۲۹۶)

ترجمہ: "وہ ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت بڑا گستاخ تھا۔ گندی زبان کا مالک تھا، بڑا احمق اور بڑا متکبر تھا، دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا۔"

ان دونوں بدعتیوں نے مل کر یہ بدعت ایجاد کی، اور ان کے بعد علماء حق میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ (ج ۱ ص ۳۱۲) میں، امام نصیر الدین شافعیؒ نے ارشاد الاختیار (ص ۱۰) میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات (ج ۵ ص ۲۱۳) میں اور علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ علامہ موصوفؒ "مدخل ابن الحاج ج ۱ ص ۸۵" میں لکھتے ہیں:۔

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلک من اکبر العبادات واظهار الشعائر ما یفعلونه فی شهر ربیع الاول من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع ومحرمات جملة ... وهذه المفاسد مترتبة علی فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلا منه وعمل طعاما فقط ونوی به المولد ودعا الیه الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکره فهو بدعة بنفس نیته فقط لان ذلک زیادة فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولی۔ اھ (مدخل ابن الحاج مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۵)

ترجمہ: لوگوں کی ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں وہ مجلس میلاد ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کیا کرتے ہیں یہ مجلس

بہت سی بدعات اور منکرات پر مشتمل ہوتی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں: اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو لیکن اگر وہ سماع سے پاک ہو اور بہ نیت مولود کرانا تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا گیا ہو اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تب بھی وہ بہ نیت انعقاد مجلس میلاد کی وجہ سے بدعت ہے کہ یہ دین میں ایک جدید امر کا اضافہ ہے جو سلف نے اس پر عمل نہیں کیا ہے اور سلف کی پیروی زیادہ بہتر ہے۔

علامہ عبد الرحمن اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:-

ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء والائمة۔

ترجمہ: مجلس میلاد کا انعقاد بدعت ہے اس کو حضور اکرمؐ، خلفاء راشدینؓ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے نہ خود کیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے۔

علامہ احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں:-

اتفق علماء المذاهب الاربعة بذم العمل المولد

ترجمہ: چاروں مذاہب کے علماء میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔

نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

سوال: بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ پہلی بار جب ملاقات کریں تو مصافحہ کریں، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۹۷)

مگر نماز کے بعد مصافحہ کرنا کسی صحیح حدیث یا سلف صالحین کے اقوال میں مذکور نہیں اس لیے اس کو سنت سمجھ کر کرنا خلاف شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاریؒ: فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقاة وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة ثم اذا صلوا يتصافحون فاين هذا من السنة المشروعة ولهذا صرح بعض علمائنا بانها مكروهة حينئذ وانها من البدع المذمومة۔ (مرقاة شرح مشكوة ج ۹ ص ۷۵)

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس ماہ کو غم اور مصائب کا مہینہ کہتے ہیں۔ تو کیا محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ محرم الحرام بھی سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے جس طرح سال کے دوسرے مہینوں میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے اسی طرح محرم میں بھی جائز ہے کسی بھی دلیل شرعی سے حرمت و ممانعت ثابت نہیں۔ روافض اور شیعوں نے اس بیہودہ اور بے بنیاد مسئلہ کو لوگوں میں رائج کر رکھا ہے مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بدعت کو ترک کر دیں۔

مسجد میں ذکر بالجہر کا حکم

سوال:۔ ایک صاحب جو اپنے آپ کو چشتیہ خاندان کے بزرگوں سے منسوب کرتے ہیں وہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد ہی میں حلقہ باندھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر بالجہر بھی کرتے ہیں اور بلند آواز سے کچھ اشعار بھی مجمع میں پڑھ کر سناتے جاتے ہیں جن سے ان کے رفقاء پر شدید وجد طاری ہو کر گر پڑتے ہیں اور عشق کی سی حالت ان پر طاری ہو جاتی ہے اس حالت میں وہ اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں بھی مارتے ہیں اور چیخ و پکار کرتے اور مسجد میں الٹے سیدھے ہوتے رہتے ہیں۔ جب انہیں اس قسم کی حرکات سے منع کیا جاتا ہے تو نہیں رکتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہیں اور شرعاً اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے اس بارے میں جب انہیں علمائے شریعت سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں علمائے شریعت ظاہرہ سے فیصلہ کرانے کی بجائے باطنی علماء سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ تو کیا اس شخص کی مندرجہ بالا حرکات اور طرز عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:۔ مسجد میں ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں ایک جماعت کے نزدیک حرام ہے اور دوسری ایک جماعت ہے جو اسے جائز قرار دیتی ہے دونوں کے لیے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی گنجائش بھی ہے اور دلائل پیش بھی کیے گئے ہیں۔ فقہاء کی ایک تیسری جماعت ہے جس نے پہلے دو قولوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا خیال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اگر نمازی آدمی یا سوئے ہوئے آدمی یا قاری کے لیے

موجب اذیت نہ ہو اسی طرح اس میں ریاکاری کا بھی خوف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔
علامہ حصکفیؒ رفع الصوت بالذکر کو مکروہات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ویمنع رفع الصوت بالذکر فی المسجد اھ۔ بزازیہ میں ہے بالجہر بالذکر حرام۔ ونحوہ، لیکن شامی نقل کرتے ہیں:
اضطرب کلام البزازیۃ فی ذلک تارۃ قال انہ حرام وتارۃ قال انہ جائز اھ
فتاویٰ خیریہ سے بھی شامی نے جواز نقل کیا ہے۔ اخیر میں حمویؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جہرھم علی نائم او مصل او قاری اھ یہی تطبیق فتاویٰ خیریہ میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ علامہ خیرالدین رملیؒ لکھتے ہیں:
ولا یعارض ذلک حدیث خیر الذکر الخفی لانہ حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام فان خلا عن ذلک فقال البعض الجہر افضل اھ۔

حاصل التطبیق فقہاء کی عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قول بالممانعت اور قول بالجواز دونوں میں مخالفت نہیں ہے، ممانعت اس وقت ہوگی جب کہ وہ جہر اس سے کسی قسم کی اذیت پہنچنے کا خطرہ ہو، اور جب اس خطرے سے جہر بالذکر خالی ہو تو جائز ہوگا، یہ ہے حاصل تطبیق ——— لیکن ہمارے نزدیک چند وجوہ کی بنا پر یہ تطبیق قابل قبول نہیں ہے۔

(۱) اول یہ کہ یہ تطبیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کے صریح طور پر مخالف ہے جو آپؓ نے ایک ایسی جماعت کے بارے میں دیا تھا جو خاص وقت میں بہیئت مخصوصہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں مشغول تھی، یہ واقعہ فقہ اور حدیث دونوں کی کتابوں میں مذکور ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا فراح الیہم وقال ما عہدنا ذلک علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجہم من المسجد اھ (حموی، بزازیہ، بحر، شامی)

اس واقعہ میں قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا بہیئت اجتماعی خاص وقت میں جہر سے ذکر

اس میں اذیت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے یعنی مخالفت اذیت کی صورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے۔

ترجیح یا صحیح تطبیق

فقہاء کرام کی مذکورہ تطبیق جب مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر صحیح ثابت نہ ہوئی تو اس کے بعد دو صورتیں رہ جاتی ہیں یا تو یہ کہ ہم فقہاء کرام کے دو قولوں کے درمیان کسی صحیح طریقے سے تطبیق دیں یا ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیں۔ پہلی صورت اگر ہم اختیار کریں گے تو صحیح طریقہ سے تطبیق یوں ہوگی کہ مزامیر اس وقت جائز ہوں گے جبکہ اس میں نہ تو اذیت للغیر پائی جائے اور نہ اس میں بدعت کی مشابہت موجود ہو محمل قول بالجواز کے لیے یہی ہے۔ اور جب کبھی اس میں اذیت للغیر پائی جائے یا وہ بدعت کی صورت اختیار کرلے تو ممنوع اور ناجائز قرار پائے گا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ اس میں ضرر پایا گیا ہے جو شرعاً لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور دوسری صورت میں ممانعت اس بناء پر ہوگی کہ وہ بدعت میں داخل ہوگیا جو کہ مردود فعل ہے اور یہی محمل ہے فقہاء کرام کے اس قول کے لیے کہ الجھر بالذکر بدعۃ۔

ترجیح

لیکن اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں گے تو بھی اصول ترجیح کے پیش نظر قول بالحرمۃ کو قول بالجواز پر ترجیح ہوگی۔ اس کے لیے ہم دو وجوہ پیش کیے دیتے ہیں۔

اوّل یہ کہ فقہاء نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جب دو روایتیں ائمہ مذہب سے مروی ہوں جو آپس میں مختلف ہوں تو ان میں ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کو علامہ قاضی خان رحمۃ اللہ نے اختیار کیا ہو کیونکہ وہ اہل الترجیح میں سے ہیں۔ اس کی تشریح علامہ شامیؒ نے رد المحتار ج ۱ ص [illegible] میں رسم المفتی کی بحث میں کی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ نے تصریح کی ہے چونکہ علامہ قاضی خانؒ حرمت جہر کا قائل ہے اس بناء پر حرمت ہی کو جواز پر ترجیح دینی پڑے گی۔

دوم یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ فقہاء کرام نے اس ارشاد سے ترجیح کے لیے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ جب بھی محرم اور مبیح میں تعارض واقع ہو تو ترجیح محرم کو ہوگی نہ کہ مبیح کو۔ اس بناء پر یہاں بھی حرمت و اباحت میں چونکہ فقہاء کے اقوال متعارض ہیں اسی لیے قاعدہ مذکورہ

کی رو سے حرمت کو اباحت پر ترجیح دینی پڑے گی۔

بہرحال تحقیق مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر، جہر تو رہا اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقے سے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہو گا۔ چونکہ واقعہ مسئول عنہا میں بھی ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقے سے ہے اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہو گا۔ اس عمل کی حالت بھی قوم کے عمل کی حالت سے کچھ مختلف نہیں ہے جس پر ابن مسعودؓ نے بدعتی کا حکم لگایا تھا۔ اس بنا پر یہ بھی اسی کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔

وقت اور ہیئت کی تخصیص

محققین اور علماء نے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایہ ثبوت تک پہنچا دی ہے کہ جس عبادت کو شریعت نے مطلق رکھا ہو اس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت و کیفیت کو اگر متعین کر لیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد ... ومنها التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة (الاعتصام ج ۱ ص [illegible])

(ترجمہ) اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماعی سے ایک آواز پر ذکر کرنا۔ اسی طرح خاص اوقات کے اندر کسی عمل معینہ کا التزام بھی بدعات میں سے ہے جن کے لیے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔

صاحب مجالس الابرار ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سابقہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكذلك يقال لكل من أتى في العبادات البدنية المحضة بصفة لم تكن في زمن الصحابة ... (مجالس الابرار ص [illegible])

(ترجمہ) ایسا ہی اس شخص کے متعلق کہا جائے گا (کہ وہ بدعتی ہے) جو خالص بدنی عبادات میں کوئی صفت اور ہیئت ایسی پیدا کرے جو صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔

حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لأن هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال او الهيئة والفعل المخصوص يحتاج الى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهذا اقرب. اھ

(ترجمہ) وقت اور حال یا ہیئت کے ساتھ ان خصوصیات اور فعل مخصوص دونوں خاص دلیل کے محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی اقرب الی الصواب ہے۔

یہ بھی علماء نے اصول مسلمہ کے طور پر مان لیا ہے کہ مطلق عبادت کے مشروع اور مرغوب ہونے سے یہ لازم نہیں کہ قیودات اور تخصیصات کے ساتھ وہ عبادت مقید اور مخصوص ہو کر بھی مشروع اور مرغوب ہو بلکہ اب اوقات قیودات اور تخصیصات سے وہ بدعت اور قابل ترک قرار پا جاتی ہے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

فاذا ندب الشرع مثلاً الى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان واحد وبصوت واحد او في وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم يكن في ندب الشرع ما يدل على هذا التخصيص الملتزم بل فيه ما يدل على خلافه۔ (اعتصام ج ص ۳۲۵)

(ترجمہ) شریعت نے جب کسی چیز کی ترغیب دے دی مثلاً ذکر اللہ پس ایک قوم نے اجتماع کا التزام کر کے ایک آواز سے ایک زبان ہو کر ذکر کرنا شروع کر دیا، یا تمام اوقات میں سے کسی معین اور مخصوص وقت کو منتخب کر کے اس میں ذکر کرنے کا التزام کر دیا تو شریعت کی یہ مطلق ترغیب تخصیص اور التزام کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اس کے خلاف پر وہ دلیل بن جائے گی۔

اس مسلمہ اصول کے پیش نظر جب ہم واقعہ مسئول عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں۔ ایک وقت کی تخصیص دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے۔

(۴) مسجد میں اُلٹے سیدھے ہو کر چیخ و پکار کرنا

احادیث نبویہ میں مساجد کے جو احکام اور آداب بیان ہوئے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مساجد میں چیخنے چلانے سے کلی پرہیز اور مکمل اجتناب کیا جانا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ایاکم وهيشات الاسواق في المساجد. (او کما قال علیہ السلام) (ترجمہ) مسجد و نمازیں شور و غل اور چیخ و پکار سے جو عام طور پر بازاروں میں ہوتا ہے پرہیز کرتے رہنا۔

احادیث میں قرب قیامت کے جو علامات بیان ہوئی ہیں اور بلاشبہ عالم کے زوال کے
جو اسباب متعین کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں بلند آواز سے چیخ و پکار شروع
ہو جائے گی، وارتفاع الاصوات فی المساجد۔ (الحدیث) ان ارشادات نبویہ سے صراحتاً معلوم
ہوتا کہ مسجدوں میں چیخ و پکار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور میں اس کی تصریح موجود
ہے کہ واقعہ مسئول عنہا میں یہ لوگ مسجد میں وجد کی حالت میں چیخ و پکار کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۵) وجد یا تواجد یہ بھی اس واقعہ میں ذکر ہے کہ وہ لوگ اس مجلس میں اشعار وغیرہ
پڑھنے اور سننے سے وجد یا تواجد میں آکر مسجد میں اُٹھتے بیٹھتے
بھی رہتے ہیں۔ وجد یا تواجد کا مسئلہ صوفیاء اور مشائخ کے مابین بھی اختلافی ہے،
اور فقہاء اور علمائے شریعت کے درمیان بھی سخت اختلافی ہے۔ محققین صوفیاء اور فقہاء ہر
دونوں نے اس بارے میں جو اپنا فیصلہ پیش کیا ہے اور جس کو شامی وغیرہ فقہاء نے نقل کیا
ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سالک کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتباع سنت
کا مکمل نمونہ ہو اور اس پر خوف و خشیت خداوندی غالب ہو اور جلال خداوندی کے آثار
نمایاں ہوں، اس سے اگر ذکر کرنے کی حالت میں وجد یا تواجد کی حرکات سرزد ہوں تو اس کی عام
زندگی کی حالت کے پیش نظر ایسی حرکات غیر اختیاری سمجھ کر قابل ملامت اور لائق سرزنش قرار
نہیں دی جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی عام زندگی میں سنت نبویہ کا پابند نہیں ہے اور اس کے
عام اعمال بھی شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں تو ایسی حرکات کو اختیاری اور ایک قسم کا
تصنع و بناوٹ قرار دے کر ان سے اس کو منع کر دیا جائے گا اور ایسی حرکات کو قابل ملامت
اور لائق سرزنش قرار دیا جائے گا ــــ فی زماننا جو کہ خلاف شرع حرکات اور بدعات
ترقی پذیر ہیں اور سنت نبویہ کا اتباع حد سے حد درجہ کم ہے خصوصاً عصر حاضر کے
صوفیوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ایجاد کردہ مستقل بدعات کے تو بڑی
شدت سے پابند ہوتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی سنت کی پابندی نہیں تو صرف
سنت نبویہ کی نہیں اگرچہ زبان سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و
محبت کے دعاوی بلند بانگ ہوتے ہیں، اس بنا پر ایسے لوگوں کے حق میں ہماری رائے
یہ ہے کہ ان کو اس قسم کی حرکات سے ضرور منع کر دیا جائے۔

اصل الجواب (۱) مذکورہ بالا پانچ امور کے پیش نظر اس اجتماع کے متعلق جو ان

خلافِ شرع امور پر مشتمل ہے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے اس
میں شمولیت اعانت علی البدعۃ اور توقیر مبتدع ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان
علی ھدم الاسلام (الحدیث) مسلمانوں کو چاہیے کہ اس سے پرہیز کریں اور علماء کو چاہیے
کہ ایسے لوگوں کو حکمت کے طریقہ سے سمجھائیں۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ (الآیۃ)
جھگڑوں اور فسادات سے مجتنب رہیں۔ نیز اس شخص کا یہ کہنا کہ یہ تمام امور جائز ہیں
سخت غلط ہے اور سابقہ دلائل سے اس کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔

(۲) شرعی فیصلہ کے مطالبہ کے جواب میں جو وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت ظاہریہ کے علماء پر
فیصلہ نہیں کرتا ہوں باطنی علماء کے شریعت پر فیصلہ کرتا ہوں اگر تو اس کا یہ جواب اس
خیال پر مبنی ہو کہ علماء چونکہ ظاہری شریعت پر فیصلہ کریں گے اور ظاہری شریعت کو یہ مقام
حاصل نہیں ہے کہ اس پر فیصلہ کیا جائے تو یہ انکارِ شریعت ہے اور انکارِ شریعت صریح کفر
ہے، اور اگر وہ شریعت ظاہری کو فیصلہ کن قانون کی حیثیت سے مانتا ہے مگر فیصلہ ماننے سے
گریز کرتا ہے تو یہ منافقوں کی روش ہے اور قرآن کریم اس کو منافقوں کی نشانی قرار دیتا ہے
واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنک
صدودا۔ (الآیۃ) اور اگر وہ یہ گریز اس خیال سے کر رہا ہے کہ علماء نے شریعت فیصلہ
حق کے مطابق نہیں کریں گے تو یہ وہ بے جا سوءِ ظن ہے جس سے قرآن عزیز اجتناب کا
حکم دیتا ہے: یایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن
اثم (الآیۃ) فقط واللہ اعلم

خواتین کا زیارتِ قبور کے لیے جانا

سوال: محترم مفتی صاحب! چہ می فرمایند علماء دین دریں مسئلہ کہ رفتن مستورات برائے
زیارتِ قبور جائز است یا ممنوع است؟ — اس مسئلہ کی مکمل تشریح مع حوالہ جات
درکار ہے؟

الجواب: عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم مذہب حنفی کے مطابق عدمِ جواز
کا ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہمارے سامنے ہیں ایک وہ روایت ہے جو حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات

القبور۔ (الحدیث) "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں"۔ دوسری حدیث وہ ہے جو سنن ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہے جس سے عام رخصت ثابت ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا فانھا تذکرۃ الاخرۃ۔ (الحدیث) مجوزین حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباسؓ سے جو لعن ثابت ہوتا ہے وہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ زیارت القبور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی تھی اور جب نہی منسوخ ہو گئی تو خواتین کو رخصت مل گئی، جیسی کہ مردوں کو حاصل تھی ــــ اور مانعین حضرات فرماتے ہیں کہ خواتین کے حق میں نہی اب تک باقی ہے بوجہ ان کے قلت صبر اور کثرت جزع کے اور یہی وجہ ہے کہ خاص کر حدیث میں ان کا ذکر ہوا۔ چنانچہ فتح الودود حاشیہ ابوداؤد میں ہے: قیل کان ذلک حین النھی ثم اذن لھن حین نسخ النھی وقیل لبقین تحت النھی لقلۃ صبرھن وکثرۃ جزعھن وھو الاقرب الی تخصیصھن بالذکر ــــ اور ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فی شرح السنۃ قیل ھذا قبل الترخیص فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء وقیل بل نھی النساء باق لقلۃ صبرھن وکثرۃ جزعھن۔ لیکن ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے کہ نہی ان کے حق میں باقی ہے ــ مگر اس عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت جمہور علماء کے نزدیک مستثنیٰ ہے یعنی آں حضرتؐ کی قبر کی زیارت سب کو جائز ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت۔

حضرت مولانا شاہ اسحٰق رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور مطلقاً قول صحیح تر کے مکروہ تحریمی ہے چنانچہ کتاب "مستمل" میں لکھا ہے کہ "مستحب ہے زیارت القبور مردوں کو اور مکروہ ہے عورتوں کو" اور کتاب مجالس واعظیہ سے ـــ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں کو حلال نہیں کہ نکلیں طرف مقابر کے کیونکہ روایت کی گئی ہے البحر میں ہے: انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن زوارات القبور ــــ اور "نصاب الاحتساب" میں آیا ہے کہ قاضی عیاضؒ سے پوچھا گیا نکلنے عورتوں کے طرف مقابر کے اور اس کی خرابی وقباحت کے متعلق کیسی کہا انہوں نے کہ مت سائل مت پوچھ اس کے جواز و فساد سے بلکہ اس گناہ کی مقدار سے پوچھ جو اس کو لاحق ہوتی ہے لعنت سے اور کہو ہے کہ جب عورت ارادہ کرتی ہے نکلنے کا طرف مقابر کے تو ہوتی ہے بیچ لعنت کے اللہ تعالیٰ اور

ملائکہ کے اور ہر طرف اس کے شیاطین لگ جاتے ہیں اور جب آتی ہے قبر پر لعنت کرتی ہے اس پر مردوں کی جنت کی اور جب پھرتی ہوتی ہے تیج لعنت اللہ تعالیٰ کے یہاں تک کہ واپس پہنچ جاتی ہے ۔۔۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت گھر میں بیٹھے مردوں کے حق میں دعا کرتی ہے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے ۔ حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکلے اور آ کر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اتنے میں سیدہ فاطمۃ الزہراؓ تشریف لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! کہاں سے آرہی ہو؟ عرض کیا فلاں عورت فوت ہو گئی تھی اس کے گھر گئی تھی۔ فرمایا حضورؐ نے کیا اس کی قبر پر بھی گئی تھی؟ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے کہا کہ معاذ اللہ، جبکہ ایک چیز کی ممانعت میں نے آپ سے سنی پھر وہ کام کیسے کر سکتی ہوں؟ پس حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو نہ پاتی خوشبو جنت کی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مالا بد منہ میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبور مردوں کو جائز ہے نہ عورتوں کو۔ انتہیٰ

علماء کی ان تحقیقات اور روایات مشتمل بر وعیدات کے پیش نظر آجکل کے پرفتن دور میں جہاں ہر طرف سے مستورات کی عصمت دری کے لیے شیطانی دروازے کھلے ہیں، اس بنا پر فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور کے واسطے جانا جو کہ بعض جگہ حرام ہے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم۔

ایصال ثواب اور تخصیص ایام کے بارے میں چند سوالات

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایصال ثواب کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی:

(۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن شریف ختم کرنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس میں کھانے وغیرہ پکانے کو ضروری سمجھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) صدقہ اور نذر پر ختم قرآن شریف کر کے لوگوں کو کھلانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض علماء نے قرآن پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس کو وہ اجرت کے مسئلہ پر محمول کرتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) بارہ وفات ۱۲ ربیع الاول کے دن اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ وغیرہ کرتے ہیں اور

اکثر لوگ ان دنوں میں صدقہ و خیرات کو ضروری اور بہتر سمجھ کر خاص کر بارہویں تاریخ کو نکال
دیتے ہیں اور یہاں تبلیغ وغیرہ بھی ساتھ ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے علماء اور خواص و
عام، غنی اور فقیر سب موجود ہوتے ہیں اُن میں صدقہ و خیرات کی وہ چیزیں تقسیم کر دیتے ہیں،
شریعت مطہرہ میں ان افعال کی کیا حیثیت ہے؟

(۴) ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ میں جو چُوری روزہ اور خیرات وغیرہ کرنے کا لوگ خصوصی اہتمام
کرتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار حاضر ہیں۔

(۱، ۲) میت اور زندہ کے لیے قرآن مجید کا ختم کرنے میں فرق ضرور ہے ورنہ اس پر اجرت لینے
میں بھی تفصیل ہے یہ کہ نقدی کی صورت میں ہو یا کھانا وغیرہ کھانے کی صورت میں ہو
کتب فقہ کی تصریحات سے واضح ہے، فقہاء کرام نے صاف لکھا ہے کہ قرآن مجید پڑھانے
اور تعلیم کی اجرت جائز ہے۔ قدماء حنفیہ منع کرتے تھے مگر متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا
ہے بسبب اندیشۂ تلفِ علم کے، علوم دین اور قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا اہل حدیث
سے نکلتا ہے، اس میں تو بحث کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ میت کے ایصال ثواب کے
لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے کیونکہ یہ اجرت علی الطاعۃ ہے، تعلیم کی اجرت
تو ضرورۃً جائز کی گئی ہے، ایصال ثواب میں نہ ضرورت ہے نہ کوئی حرج دین و دنیا کا مقصود،
لہٰذا قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانے کی اجرت کسی کے نزدیک بھی حلال نہیں، اگر سانپ یا بچھو
کے کاٹنے پر پڑھ کر یا کسی دوسرے مریض پر پھونکا جائے جس کو رقیہ کہتے ہیں تو یہ علاج ہے
نہ کہ عبادت اور ایصال ثواب طاعت ہے مزید تفصیل شامی وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے،
نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان شریف میں جو قرآن شریف تراویح اور نوافل میں سنایا
جاتا ہے اس کی اجرت لینی دینی دونوں حرام ہیں اور فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے
یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی نے کچھ دیا تو درست ہے
اور اگر حسب عادت و عرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے اگرچہ زبان
سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔

(۳) اس میں شک و شبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت
اور عقیدت عین ایمان ہے اور آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک زندگی

کے ہر شعبے کے صحیح حالات اور واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو بیان کرنا باعث نزول
رحمت خداوندی ہے، اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی حیات طیبہ کے حالات و واقعات
معلوم کرے اور ان کو مشعل راہ بنائے۔ سال کے ہر مہینہ میں اور مہینہ کے ہر ہفتہ میں اور ہفتہ
کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور ہر منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں کہ جس میں آپ کی زندگی
کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں، یہ بات محل نزاع نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا
ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو متعین کر کے اس میں میلاد منانا، محافل و مجالس منعقد کرنا، جلوس
نکالنا یا اس دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ
اور اہل خیر القرون سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کسی کو اس میں لیت و لعل کرنے کا ہرگز حق حاصل
نہیں، کیونکہ جو کچھ انہوں نے فعلاً یا قولاً کیا وہی دین ہے اور اس کی مخالفت بے دینی ہے۔
تیئیس ۲۳ سال آپ بعد از نبوت قوم میں زندہ رہے، اور پھر تیس ۳۰ سال خلافت راشدہ کے
گذرے ہیں، اور پھر سنہ ۱۱۰ھ تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا ہے، کم و بیش دو سو بیس ۲۲۰ برس تک
اتباع تابعین کا دور رہا اور ان کا دور تھا، عشق رسول ان میں کامل تھا، محبت ان میں فراواں تھی، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ اگر کوئی ثبوت کرے ان سے
مذکورہ بالا افعال کا کرنا ثابت کردے تو بچشم ما روشن دل ما شاد، کسی مسلمان کو اس سے سر مو
اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی خیر القرون سے اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے اور تا قیامت نہ
کر سکے گا، تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک اور کار ثواب عمل اس وقت کیوں
نہ ہوا اور آج یہ کیسے مبارک اور کار ثواب بن گیا؟ وہ تمام فوائد و برکات اور منافع اس وقت بھی
تھے جن کو آج لوگ بیان کرتے ہیں ۔

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

محفل میلاد و مجلس میلاد اور چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ذکر ولادت یا معراج
اور چیز ہے، اول بدعت ہے اور ثانی مستحب اور مندوب ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد
گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: "نفس ذکر ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے
آتی ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ص) حضرت گنگوہیؒ مزید لکھتے ہیں: "نفس ذکر ولادت فخر عالم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگی۔" (فتاویٰ رشیدیہ ص)
اسی طرح علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے مدخل میں پوری صراحت اور وضاحت سے کی۔

تردید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار شعائرهم ما يفعلونه في الشهر ربيع الاول من المولد وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات ... وهذه المفاسد مترتبة على فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلا منه وعمل طعاما فقط ونوى به المولد ودعا اليه الاخوان وسلم من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط، لان ذلك زيادة في الدين وليس من عمل السلف الماضين واتباع السلف اولى۔

اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھتے ہیں: ليس فيه نص ولكن فيه قياس۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن مغربیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلعم والخلفاء والائمة۔

یہ مختصر طور پر مروجہ میلاد کی حقیقت ہے جو آپ پر ظاہر کر دی گئی۔

رسم (۳) آخری چہار شنبہ ماہ صفر کی چھٹی اور خیرات کرنے کا جو لوگ خاص خیال رکھتے ہیں اس کا بھی کچھ ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور در اطعام الطعام کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کچھ ثبوت نہیں ہے، جہلا کی باتیں ہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ ص ــــ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں لکھتے ہیں: "یہ بات بالکل بے اصل ہے اور غلط ہے بلکہ حدیث میں ماہ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی مخالفت وارد ہے۔ قال علیہ السلام: لا هامة ولا صفر (حدیث) مسلمان کا بڑا کام اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرنی چاہیئے کہ یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، ایسی من گھڑت باتوں سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ (امداد المفتین ص ــــ)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ: "اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے۔"

فقط واللہ اعلم

اپریل فول منانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک! کئی دنوں سے اپریل فول کے حوالے سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ ملک عزیز پاکستان میں ہر سال یکم اپریل کو لوگ بلا وجہ ایک دوسرے کے گھروں اور دوکانوں وغیرہ پر جھوٹی اطلاعات اور جھوٹی خبریں پہنچاتے ہیں جنہیں سن کر بعض کمزور دل والوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے، اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے، کئی لوگ بیمار بھی پڑ جاتے ہیں اس فعل کو انگریز اپریل فول کہتے ہیں (یعنی لوگوں کو بلا وجہ مصیبت میں مبتلا کر کے خود خوش ہونا) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں اس مذموم فعل (اپریل فول) کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کو بنیاد بنا کر لوگوں کا جانی و مالی نقصان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں دھوکا، فریب اور دوسرے لوگوں کا بلا وجہ نقصان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور نہ اسلامی تعلیمات میں کسی کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کا اپریل فول وغیرہ جیسی فضول رسم کو سہارا لیکر جانی و مالی نقصان کر کے خوش ہوتا پھرے بلکہ اسلامی نظام نے تو ہر ایک مسلم اور غیر مسلم (ذمی) کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا درس دیا ہے اور کسی کو بلا وجہ تکلیف دینا حرام قرار دیا ہے۔ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ (الحدیث)

اسلام نے دوسروں سے جھوٹ بولنے کو بھی حرام قرار دیا ہے بلکہ جھوٹ کو منافق کی نشانیوں میں سے شمار کیا ہے۔ آیۃ المنافق ثلاثۃ اذا حدث کذب واذا اؤتمن خان واذا وعد اخلف (الحدیث) اور غیر کے جان و مال کے تحفظ کے لیے واضح قانون جاری فرمایا۔ من قال لا الہ الا اللہ عصم منی دمہ ومالہ الا بحقہ (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے نفوس (جانوں) اور اموال کا جتنا تحفظ اسلامی قانون میں ہے دنیا کے کسی اور قانون میں نہیں ہے۔ آجکل بلکہ زمانہ قدیم سے ہر سال یکم اپریل کو جو فول منایا جاتا ہے اس میں مذکورہ بالا تمام خرابیاں موجود ہیں جس کی وجہ سے شرعاً اس (فول) کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خرابیوں کے علاوہ اپریل فول میں توہم پرستی کا عنصر بھی موجود ہے اور یہودیوں کے ساتھ توہین رسالت میں مشابہت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر جیسے قبیح امور بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ میں اس فول کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فرانس میں سترہویں صدی عیسوی سے پہلے سال کا آغاز

یکم جنوری کے بجائے یکم اپریل سے شروع ہوتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس کی طرف منسوب کرکے مقدس سمجھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں APHRODITE کیا جاتا تھا اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کرکے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا ہے۔

(برٹانیکا پندرہواں ایڈیشن جلد ۸ ص ۲۹۲ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

اس لحاظ سے صنم پرستی کا توہم بھی اس (اپریل فول) میں پایا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ان توہمات سے بھی دور رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

بعض نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کرکے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا جلد ا ص ۴۹۶ بحوالہ ذکر و فکر ص ۶۷)

تاریخ کے اس حوالے سے (نعوذ باللہ) قدرت سے انتقام لینا مستفاد ہوتا ہے جو صریح کفر ہے۔

ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے کہ یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں یہودیوں اور رومیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد اور محرف انجیلوں میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں کہ:

"اور جو آدمی اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) گرفتار کیے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کرکے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں۔" (لوقا ۲۲: ۶۳-۶۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اس شرمناک اور توہین رسالت پر مبنی واقعہ کی یاد میں اپریل فول مناتے ہیں۔ اور بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دن سپین سے اسلامی خلافت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا تھا جس کی خوشی میں عیسائی یہ دن مناتے ہیں اور اس دن ان کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔

اسلئے مسلمانوں کو اس قسم کے بیہودہ اور اسلامی تعلیمات کے مخالف تہوار نہیں منانا چاہئیں اگر کسی نے اس قسم کا تہوار منا کر دوسروں کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا تو وہ عند اللہ اور عند الناس مجرم ہے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ (واللہ اعلم)

بسنت کا تہوار منانا جائز نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک! پاکستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں خصوصاً پنجاب میں موسم بہار کی آمد کے موقع پر ایک موسمی تہوار بسنت کے نام سے بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ امسال تو سرکاری سطح پر اس تہوار کو منانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے تہوار منانا شریعت مقدسہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خوشی کے کسی بھی تہوار جس میں کسی غیر شرعی قباحت کا ارتکاب نہ ہوتا ہو اور نہ کسی غیر اسلامی مذہب کا شعار ہو تو صرف اظہار مسرت کی حد تک منانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں جو اسلام میں عیدین (عید الفطر اور عید الاضحی) کو تہوار کے طور پر منانے کا حکم موجود ہے مگر جس تہوار کا کسی غیر اسلامی مذہب سے تعلق ہو مسلمانوں کو ان تہواروں سے من تشبہ بقوم فهو منهم (الحدیث) کی بناء پر منع کیا گیا ہے۔ بسنت کا تہوار منانے میں دیگر قبیحات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ یہ علت بھی موجود ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے۔

مشہور محقق اور مسلم سائنسدان علامہ ابوریحان البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "کتاب الہند" میں بسنت کے بارے میں لکھا ہے کہ "اسی مہینہ میں استوا ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے اس کے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں اور دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں۔

(کتاب الہند باب ۷۶ ص ۲۹۰)

اس دن کو تہوار منانے کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے مذہب کی دیوی کو کسی نے اغوا کیا تھا اور اغوا کار اس کو زیر زمین لے گیا تھا اس دیوی کا عاشق اسے تلاش کرتا رہا اور تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد دیوی کو رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا دیوی کے رہا ہونے کے بعد دوبارہ ہریالی شروع ہو گئی تو اس لیے ہندو اس کی رہائی اور ہریالی دوبارہ شروع ہونے کی خوشی میں اس دن کو بسنت کے نام سے مناتے ہیں۔

اس کے برعکس پاکستان کے اکثر شہروں خصوصاً لاہور میں اس دن بسنت کو زیادہ زور و شور کے ساتھ منانے میں ایک اور علت بھی شامل ہے جس کی وجہ سے بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھائی جاتی ہے وہ کہانی کچھ یوں ہے کہ مغل دور حکومت میں لاہور میں "حقیقت رائے" نامی ایک ہندو طالب علم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

شانِ اقدس میں دشنام طرازی کی۔ قاضی وقت نے اس کو پھانسی کی سزا سنائی۔ دیا جاتا ہو ہی کے مقام پر جو لاہور سے متصل تھا میں واقع مکھی ... کالج کی گراؤنڈ میں حقیقت رائے کو پھانسی دے دی گئی۔ ہندوؤں نے اس کو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت دے کر خوشی کے طور پر بسنت کے نام سے منانا شروع کر دیا کہ اس نے ایک نوجوان نے اپنے مذہب کے لیے اتنی قربانی دی کہ پھانسی کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

لہٰذا ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بسنت کوئی موسمی تہوار نہیں بلکہ یہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے۔ مسلمانوں کے لیے اس تہوار کو منانا اور اس میں شرکت کرنا ناجائز اور قبیح حرکت ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حکومت اس تہوار کو سرکاری طور پر منانے کا جو ارادہ رکھتی ہے شرعاً صحیح نہیں کر دی یہ نہ صرف غیرت ایمانی کا تقاضا ہے بلکہ حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ بسنت سمیت دیگر تمام غیر اسلامی تہواروں پر فوری پابندی لگا دے تاکہ اس سے غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

کتاب
العلم

قال الله تعالى يرفع الله الذين آمنوا
منكم والذين أوتوا العلم درجات

کتاب العلم

(علم کے احکام و مسائل)

لاؤڈ سپیکر پر درسِ قرآن دینے کا حکم

سوال:- لاؤڈ سپیکر پر تلاوتِ قرآن، نعت خوانی یا قرآن مجید کا درس دینا بعض اوقات مخلوقِ خدا کی ایذاء رسانی کا باعث بن جاتا ہے، کیا اس طرح لاؤڈ سپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- قرآن مجید کا درس دینا، تلاوت کرنا اور نعت خوانی وغیرہ خواہ لاؤڈ سپیکر سے ہو یا اس کے بغیر کارِ خیر اور موجبِ اجر و ثواب ہے تاہم اگر اس سے خلقِ خدا کو ایذاء پہنچتی ہو اور قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہو تو ایسا کرنا مکروہ اور گناہ کا سبب ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهرًا والناس نيام يأثم اى فلا اثم على القارى۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۰۳ فصل في القراءة)[1]

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ

سوال:- قرآن کریم اور دیگر اسلامی کتابوں کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جلانا جائز نہیں تو ایسے اوراق کی حفاظت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب:- قرآن کریم اور دیگر دینی کتابوں کا ادب و احترام ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے، چونکہ ان کے بوسیدہ اوراق جلانے میں سوءِ ادب ہے، اس لیے قرآن کریم اور دیگر دینی کتب کے بوسیدہ اوراق کو کسی محفوظ مقام پر دفن کر دیا جائے یا پھر دریا برد کر دیا جائے تو بہتر ہے، جلانا شرعاً مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: المصحف اذا صار خلقا وتعذر القراءة منه لا

---

[1] لما قال العلامة ابن الهمامؒ: وعلى هذا لو قرأ على السطح في الليل جهرًا والناس نيام يأثم۔ (فتح القدير ج۱ ص۲۹۹ كتاب الصلوة فصل في صفة الصلوة)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۳۴۳ كتاب الصلوة فصل في صفة الصلوة

يحرق بالنار واليه اشار شمس الائمة وبه ناخذ ولا يكره دفنه وينبغي ان تلف بخرقة طاهرة ويلحد له۔ (رد المحتار ج۶ كتاب الحظر والاباحة ـ فصل في البيع) ۔۱

کسب معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا

سوال:- اگر کسی شخص کا گذارہ تدریس کی تنخواہ پر مشکل ہو تو کیا ایک عالم دین تدریس کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار شروع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- تنخواہ پر گزارہ نہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے ایسی صورت میں اپنی ضروریات پر نظر ثانی کر کے اخراجات کو محدود کرنا چاہیے اور غیر ضروری اخراجات سے اجتناب کرنا بہتر ہے تاکہ تدریس جیسی مقدس عبادت سے تعلق منقطع نہ ہو، تاہم اگر اہل وعیال کا نان ونفقہ تدریس کی تنخواہ سے پورا ہونا مشکل ہو اور جزوی اوقات میں متبادل ذرائع آمدن کا اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو پھر نفقہ کی تلاش میں تدریس کو چھوڑ دینا جائز ہے اس لیے کہ تدریس فرض کفایہ ہے اور اہل وعیال کے نفقہ کا بندوبست کرنا فرض عین ہے۔

لما قال الله تعالى: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (سورة التوبة آيت ۱۲۲) ۔۲

لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم کا حکم

سوال:- عصر حاضر میں لڑکیوں کے لیے سکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- مستورات کی تعلیم وتعلم کے بارے میں شریعت مقدسہ کی ہدایات ثبت

---

۱ لما في الهندية: والمصحف اذا صار خلقا لا يقرأ منه ويخاف ان يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه اولى من وضعه موضعا يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلك ويلحد له۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۲۲ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف)

۲ لما قال العلامة جلال الدين السيوطيؒ: قوله تعالى (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ـ الآية) فيها ان الجهاد فرض كفاية وان التفقه في الدين وتعليم العلم كذلك۔ (الاكليل في استنباط التنزيل ص۱۴۳ سورة التوبة)

ہے بشرطیکہ حدود اللہ کی رعایت ہو۔ تاہم عصر حاضر میں پردہ وغیرہ کے فقدان کی بناء پر خواتین کا سکول وکالج میں تعلیم حاصل کرنا بے شمار مفاسد کے لیے راہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے البتہ اگر سکول کو مستقل طور پر مستورات ہی کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور مفاسد کا انسداد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لہ قال الشیخ المحدث علی بن سلطان محمد القاریؒ تحت قوله النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تعلمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة (قال الخطابی فیه دلیل علی ان تعلم النساء الکتابة غیر مکروه قلت یحتمل ان یکون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی هذا الزمان۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۶۲ باب الرقیٰ)

سوال:- ایک بچے کو تعلیم وتہذیب سکھانے کے لیے کمسن بچے کو سزا دینا ہے لیکن تعلیم وتہذیب سیکھنے میں اس کا جی نہیں لگتا، وقت ضائع کرنے کا عادی ہے کیا ایسے بچے کو مارنا (زجراً) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعت مقدسہ نے اپنی اولاد وعیال کو تعلیم وتہذیب سکھانے کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو! تم خود بھی جہنم کی آگ سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ" اور یہ تب ہوگا جب بچوں کو تعلیم وتہذیب اور ادب سکھایا جائے اور ظاہر ہے کہ تعلیم وتعلم کے لیے بعض اوقات بچوں پر سختی بھی کرنی پڑتی ہے لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق اگر کسی بچے کا تعلیم میں جی نہیں لگتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو زجراً اس کو سزا دینا مرخص ہے بلکہ اس میں ثواب کی بھی امید ہے، تاہم سزا میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ جسمانی نقصان یا دل شکنی کا ذریعہ بن جائے۔

لہ رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن ابی سعید خدریؓ قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدهن یوماً لقیهن فیه فوعظهن وامرهن الخ۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۲۰ باب هل یجعل للنساء یوماً علیحدۃ فی العلم)
ومثله فی سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۸۶ باب فی الرقیٰ

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ :- یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔
(پارہ ۲۸ سورۃ التحریم آیت ۶) لہ

اُستاد کا شاگرد کو سزا دینا

سوال :- کیا استاد کے لیے تعلیم وادب کے واسطے اپنے شاگرد کو مارنا (سزا دینا) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- استاد کا اپنے شاگرد کو مارنے (سزا دینے) کا حق حاصل ہے کیونکہ اہلِ خانہ نے تعلیم وتادیب کے واسطے بچے کو استاد کے حوالہ کیا ہوتا ہے، لیکن استاد کو سزا دینے میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ شاگرد کو جسمانی نقصان پہنچے یا استاد کی سختی کی وجہ سے بچہ تعلیمی میدان ہی چھوڑ دے بلکہ شاگرد کی اصلاح کے لیے استاد اُسے معمولی سزا دے سکتا ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :- ولو امر غیرہ بضرب عبدہ حل للمامور ضربہ بخلاف الحر قال فہٰذا تنصیص علیٰ عدم جواز ضرب الولد بامرہ بخلاف المعلم لان المامور بضربہ نیابۃ عن الاب لمصلحۃ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۵ باب التعزیر) ؎

دینی علوم کے طالبعلم کے نفقہ کا حکم

سوال :- ایک طالب علم دینی مدرسہ میں دینی علم حاصل کر رہا ہے اور اس کا باپ غنی ہے ضعیف بھی نہیں تو کیا والد پر اس بچے کی ضروریات پورا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب :- دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ دین سے واقف ہو کر صحیح طریقے سے اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے، جو انسان دینی علم کے حاصل کرنے کے لیے نکلا ہوا ور صحیح معنوں میں علم حاصل کر رہا ہو اور

لہ قال العلامة الحصکفیؒ : وفی القنیۃ لہ اکراہ طفلہ علیٰ تعلیم قرآن وادب وعلم لفریضۃ علی الوالدین۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۵ باب التعزیر)

ومثلہ فی الاحکام الصغار علیٰ هامش جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۶۸ مطلب لیس للمعلم ان یضرب

؎ قال العلامة محمد بن محمود الاستروشنیؒ بلغ الصبی عشر سنین یضرب لاجل الصلوٰۃ (بعد ذلک یسیر) ولکن المعلم لیس لہ ان یجوز الثلاث۔
(احکام الصغار علیٰ هامش جامع الفصولین ج ۱ ص ۱۶۸ مطلب لیس للمعلم ان یضرب)

وقت ضائع نہیں کرتا ہو تو ایسے طالب علم کے والد پر اس کی جملہ ضروریات پوری کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لا یهتدون الیه لا تسقط نفقتهم من آبائهم اذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشرعیة۔
(تنقیح الفتاویٰ الحامدیة ج۱ ص۸۹) ۔ [1]

علماء دین کی توہین کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کہ بڑا بدزبان اور بداخلاق ہے بغیر کسی سبب و جرم کے علماء دین کی توہین کرتا ہے اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور گالیاں بھی دیتا ہے، تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں علماء دین کا بہت بڑا مقام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورۃ الزمر آیت ۹) یعنی عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کرام کو انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ قرآن اور حدیث سے عالم کا مقام نمایاں ہے اور ایک عالم دین سے بلا وجہ بغض و حسد رکھنا یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی بلا کسی دنیوی و اُخروی سبب کے کسی عالم کی توہین کرتا ہو اور اُسے گالیاں دیتا ہو تو ملا علی قاریؒ اور دیگر علماء کے نزدیک اس کی یہ حرکت موجبِ کفر ہے، اور اگر کسی دُنیوی وجوہات سے توہین کرتا ہو تو گنہگار اور فاسق ہے۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: من یبغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر قلت الظاهر انه یکفر لانه اذا بغض عالماً من غیر سبب دنیوی او اُخروی یکون بغضه لعلم الشریعة ولا شك فی کفر من انکره فضلاً عمن بغضه۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۷۳) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لا یهتدون الیه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم اذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشرعیة۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۶۳ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد۔
کتاب الطلاق)

[2] وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۴ ص۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)

ہر سال بلاوجہ مدرسہ تبدیل کرنا

سوال:- دینی مدارس کے بعض طالبعلموں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال بلکہ سال میں دو تین مدرسے بدلتے ہیں جبکہ پہلے والے مدرسے میں ان کو ہر قسم کا آرام و راحت ملتا ہے، آب و ہوا وغیرہ بھی موافق ہوتی ہے۔ اسباق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، اساتذہ بھی بڑے شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ ان سب کچھ کے باوجود مدارس کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے مدارس پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور ان کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے۔ شریعت مطہرہ کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:- تمام تر سہولیات کے باوجود مدرسہ تبدیل کرنا نعمت خداوندی کی ناشکری ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لئے بلا عذر شرعی اس سے اجتناب کیا جائے، جن طلبہ کی یہ عادت ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے مدارس وغیرہ متاثر ہوتے ہوں وہ عنداللہ مسئول ہوں گے۔

لقولہ تعالیٰ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۷)

مالِ حرام کو صدقہ کرنا موجبِ ثواب ہے یا نہیں؟ تعارض کا حل

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض کتابوں کے مطالعہ سے ایک اشکال ذہن میں آیا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت کے کاموں پر کوئی اجر و ثواب نہیں ہوتا جبکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا موجب اجر و ثواب ہے۔ جناب اس تعارض کا کیا حل ہوگا؟

الجواب:- حرام مال کو ثواب کی نیت سے صدقہ کرنا معصیت اور گناہ ہے جبکہ بلا نیت ثواب صدقہ کرنا امر شارع علیہ السلام کی تعمیل ہے جو موجب اجر و ثواب ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، جن کتابوں میں معصیت لکھا ہے تو تصدق مال حرام بہ نیت ثواب مراد ہے اور جن میں اجر و ثواب کا قول پایا جاتا ہے وہاں سے مراد بلا نیت اجر و ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا ہے۔

لما قال العلامۃ انور شاہ الکشمیریؒ:- اقول فی دفع التعارض ان ههنا شیئان احدهما امتثال امر الشارع والثواب علیه وثانی التصدق بمال خبیث والرجاء من نفس المال بدون لحاظ رجاء الثواب من امتثال الشارع فالثواب انما یکون علی امتثال الشارع وما رجاء الثواب من نفس المال فحرام۔
(العرف الشذی علی الجامع الترمذی ج۱ ص۳ باب ما جاء فی فضل الطہور)

فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ

سوال:- بخدمت محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ جناب والا فیض الباری جلد سوم ص۳۹۵ کی اس عبارت کا مطلب آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں، امید ہے آپ ضرور راہنمائی فرمائیں گے۔

واعلم ان فی التحریف ثلاثۃ مذاہب ذہب جماعۃ ان التحریف فی الکتب السماویۃ قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعاً وھو الذی مال الیہ ابن حزمؒ وذہب جماعۃ الی ان التحریف قلیل ولعل الحافظ ابن تیمیۃؒ جنح الیہ وذہب جماعۃ الی انکار التحریف اللفظی رأساً فالتحریف عندھم کلہ معنوی قلت یلزم علی ھذا المذہب ان یکون القرآن ایضاً محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضاً والذی تحقق عندی ان التحریف لفظی ایضاً اما انہ عن عمد منھم او لمغلطۃ فاللہ تعالیٰ اعلم۔

مخلط وخط کشیدہ عبارت پڑھ کر سر چکرا گیا ـــ ایک طرف محفوظیت قرآن کریم بنیادی اور قطعی یا ضروری عقیدہ وانا لہ لحافظون کے ماتحت قدیماً وحدیثاً مفسرین کا ایک ایک حرف بلکہ زیر وزبر تک کی حفاظت کی تصریح ـــ امام ابن حزمؒ کی الفصل والنحل جلد ۲ ص۷۸ کا یہ ارشاد ـــ ثم مات ابو بکرؓ وولی عمرؓ ..... ان لم یکن عند المسلمین اذ مات عمرؓ مائۃ الف مصحف من مصر الی العراق الی الشام الی الیمن فما بین ذلک فلم یکن اقل ثم ولی عثمانؓ فزادت الفتوح فلو رام احد احصاء مصاحف اھل الاسلام ما قدر .....

واعلموا انہ لو رام احد ان یزید فی شعر النابغۃ او شعر زھیر کلمۃ او ینقص اخری ما قدر لانہ کان یفتضح الوقت وتخالفہ النسخ المبثوثۃ فکیف القرآن فی المصاحف وھی من آخر الاندلس وبلاد البربر وبلاد السودان الی آخر السند وکابل وخراسان والترک والصقالبۃ وبلاد الہند فما بین ذلک فظھر حمق الروافضۃ ومجاھرتھا بالکذب الخ وقبل ذلک فی ص۷۸ واما قولھم فی دعوی الروافض تبدیل القرآن فان الروافض لیسوا من المسلمین۔

اور علامہ خفاجیؒ اور خود قاضی عیاضؒ کا الشفاء۵۴۳ ص اور نسیم الریاض کے اس فرمان سے (نسیم الریاض) وکذلک کما کفرنا ھؤلاء نکفر من انکر القرآن کلہ او انکر حرفاً منہ او کلمۃ او غیر شیئاً منہ بابدال او زیادۃ او نقص فیہ کلاماً لیس منہ اور کسے قبل والسنتا ہے

فذلک المعلوم من الدین بالضرورة والمنکر بعض البعث وصحبة الصدیق کافر بالاتفاق ولا یعذر بقولہ لا ادری الخ

بہرحال یہ اور اس جیسی بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ تصریحات کے باوجود جو ہم سب طالب علموں کو معلوم ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ بالا مخلوط کا مقصد کیا ہے؟ — خدا کرے یہ میری نا سمجھی کا کرشمہ ہو اور آپ کوئی ایسی تسلی بخش توجیہ سے سرفراز فرمادیں کہ اطمینانِ قلبی کی دولت حاصل ہوجائے۔ نہ جانے میری فہم وعقل کو کیا ہوگیا کہ اس سے سخت پریشان ہوں اور بار بار رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا کی دعا کر رہا ہوں۔ دو چار شخصیتیں جن سے ان کے روحانی اثرات کی امید بندھی ہوئی ہے ان سے اپنا دکھ عرض کر رہا ہوں جن میں آپ سے بہت خصوصی طور پر پُرامید ہوں۔ اس وقت صرف آپ ہی کو عریضہ بھیج رہا ہوں امید ہے جلد دستگیری فرما کر ممنون فرمائیں گے — مجھے خود حاضر ہوکر تشفی حاصل کرلینی چاہئے تھی مگر عذر بھی مانع ہے — اگر ان الفاظ کے یہی ظاہری معنی مراد ہیں جو میں سمجھا ہوں کہ قرآن پاک میں تحریف موجود ہے والعیاذ باللہ کیونکہ توفیہ کا مرجع کتب سماویہ سابقہ ہی ہو سکتی ہیں اور اسے قیماً کرکے کاتب کے سر ڈالا جائے، گو ما انہ عن محل منہم او المغلطة اس سے مانع ہے کیونکہ ان الفاظ کی تحریف تو یقیناً من عند بھی ہے۔ لقولہ تعالٰی: تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (سورة البقرة آیت —)

تو بہرحال کیا کسی مسلمان نے تحریف کا ارتکاب کیا ہے والعیاذ باللہ؟ اگر ایسا ہے تو بقول شفاء: بہذا المنکر اذا جوز علی جمیع الامة الوہم و الغلط فیما نقلوہ ... وخالفہ ... فی جمیع الشریعة لانہم الناقلون لہا وللقرآن و تختلف عری ... (نسیم الریاض ص ...)

اور اگر معاذاللہ بات یہی ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آرہی ہے تو حاسدین اور معاندین دیوبند نے آج تک ان اکابر کے خلاف ان الفاظ کو اچھالا کیوں نہیں؟

اللہم فلا تکلنا الی انفسنا طرفة عین ولا الی احد من خلقک ولا اقل من ذلک واصلح لنا شأننا کلہ بجاہ نبیک المصطفٰی و حبیبک المرتضٰی علیہ وعلی آلہ واصحابہ من الصلوٰة اکملہا ومن التسلیمات افضلہا۔

ناکارہ: عبد الکریم غفرلہ ولوالدیہ از نجم المدارس کلاچی

۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۱۲ھ / ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء

بہ ثم زاد فیه فکان علی ثمانین سنة ـ وصححه الحافظ فی الاصابة وهو الذی رجع الیه السیوطی فی مرقاة الصعود۔ (فیض الباری ج ۳ ص۲۶۲ کتاب البیوع ـ باب قتل الخنزیر)

بلکہ خود الاصابة فی تمییز الصحابة کی عبارت ملاحظہ کیجئے: واختلف فی عمره متى وُلد الى ان رفع فقیل ثلاث وثمانون سنة وخمسة اشهر وقیل اربع وثلاثون وفی مرسل سعید بن المسیب انه عاش ثمانین ذكره من رواية علی بن زید عنه وهو ضعیف وفی مستدرك الحاكم عن فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم اخبرها ان عیسیٰ عاش مائة وعشرین سنة فی حدیث ذكره - (الاصابة فی تمییز الصحابة ج ۳ ص۵۳ حرف العین ص۶۱۴۹)

العلامة الشیخ سلیمان الجمل فرماتے ہیں: فی زاد المعاد ما یذكر ان عیسیٰ رفع وهو ابن ثلاث وثلثین سنة لا یعرف به اثر متصل یجب المصیر الیه قال الشامی وهو كما قال فان ذلك انما یروی عن النصاری والمصرح فی الاحادیث النبویة انه انما رفع وهو ابن مائة وعشرین سنة ثم قال والزرقانی محصلة وقع لنا فی ذلك جلال الدین السیوطی فی تکملة تفسیر المحلی وشرح النقایة وغیرهما من کتبه الجزم بان عیسیٰ رفع وهو ابن ثلاث وثلاثین سنة ویمکث بعد نزوله سبع سنین وما زلت التعجب منه مع مزید حفظه واتقانه وجمعه المعقول والمنقول حتی رایته فی مرقاة الصعود رجع عن ذلك۔

(الفتوحات الالٰهیة ج ۱ ص۲۸۱ سورة البقرة)

(۲) فیض الباری ج ۳ ص۲۸۵ کتاب الکفالة میں ہے: ولکن الاتصح الکفالة فی القرض لانه من باب التبرعات واعز۔ عالمگیری فقہاء کرام کفالہ فی القرض کو صحیح بتاتے ہیں۔ شرح التنویر میں ہے: قلت ومن حیل تاجیل القرض کفالته مؤجلاً فیتاخر عن الاصیل لان الدین واحد۔ وفی رد المحتار (قوله لان الدین واحد) ای فاذا تاخر عن الکفیل یلزم تاخیره عن الاصیل ایضاً اذ یثبت ضمنا ما یمتنع قصداً کبیع الشرب والطریق کما فی البحر عن تلخیص الجامع لکن فی النهر عن السراج قال ابو یوسف اذا اقرض رجل رجلا مالا فکفل به رجل عنه الی وقت کان علی الکفیل الی وقته وعلی المستقرض حالاً الی قوله وبه صرح ان الجمهور علی انه

يتاجل على الكفيل دون الاصيل وبه افتى العلامة قارئ الهداية وغيره (ج ۴ ص ۱۹)
وفي رد المحتار ايضاً ونقل عبارتها وصنفي ايضاً ما لو كفل بالقرض مؤجلاً الى
سنة مثلاً فهو على الكفيل الى الاجل وعلى الاصيل حال الخ (ج ۴ ص ۳۰۵) وفي
شرح التنوير لو كفل الحال مؤجلاً تاجل عن الاصيل ولو قرضاً لان الدين
واحد الخ (ج ۴ ص ۳۱۴)

تو بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قابل گرفت عبارتیں جامع کے توہم پر مبنی ہیں اسلئے
اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس عبارت کی نشاندہی آپ نے فرمائی ہے یہ بھی جامع کے توہم
پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اس عبارت کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت الشیخ الانورؒ
کی یہ عبارت والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً اما انہ عن عمد
منہم او لمغلطۃ فاللہ تعالیٰ اعلم بہ۔ قرآن پاک کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کتب
سماویہ کے بارے میں ہے۔ الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت سے یہ مضمون ادا فرما
رہے ہیں کہ میرے نزدیک محقق یہ ہے کہ کتب سماویہ سابقہ میں صرف تحریف معنوی نہیں
ہوئی ہے بلکہ تحریف معنوی کے ساتھ ان میں لفظی تحریف بھی موجود ہے۔ اور والذی تحقق
عندی ان التحریف فیہ میں فیہ کا ضمیر مجرور بتاویل مذکور کتب سماویہ کو راجع کیا
جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جامع نے مونث کی جگہ مذکر کی ضمیر لائی ہے۔ وحق العبارۃ
والذی تحقق عندی ان التحریف فیہا لفظی ایضاً الخ۔ مگر اس توجیہ سے جملہ
اما انہ عن عمد منہم الخ مساعدۃ اور موافقت نہیں کر رہا ہے۔ اللہم ان یقال
قیل ما قیل باعتبار بعض المحرفین الذین ما علم قصدہم وعدمہ
مگر وفیہ ما فیہ۔ فلا سبیل ولا مخلص الا ان یثبت بالتوہم.

واللہ اعلم۔

استبراءِ رحم کے لیے عدت نہ لگنے پر اشکال کا ازالہ

سوال:- جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک اشکال ذہن میں آ رہا ہے کہ اسلام نے مطلقہ اور بیوہ کے لیے تو عدت مقرر کی ہے مگر استبراءِ رحم کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی، شرعاً اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ براہ کرم مہربانی میرے اس اشکال کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں حل فرمائیں؟

الجواب:- اسلام میں طلاق و وفات کی عدت اس لیے مقرر ہے کہ مطلقہ یا بیوہ کسی دوسرے شخص کی کھیتی بن چکی ہوتی ہے اور ایک شخص کی کھیتی کو دوسرا شخص پانی نہیں پلا سکتا بخلاف استبراءِ رحم کے کہ وہاں صرف شغل کا احتمال ہے اور وہ بھی بالشبہ، اصول کی تعیین نہیں اس لیے وہاں صرف استبراء کو لازم قرار دیا۔

لما قال علیہ السلام: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یسقی ماءہ زرع غیرہ۔ (الجامع للترمذی ج ۱ ص ۲۱۳ باب ما جاء فی الرجل یشتری الجاریۃ وھی حامل من ابواب النکاح)

لفظ قیل کی وضاحت

سوال:- جناب محترم مفتی صاحب! ہم جب فقہ یا شروحِ حدیث و تفسیر یا دیگر دینی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں بعض اقوال لفظ قیل کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، ایسے اقوال کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- جس دینی کتاب میں کوئی قول قیل کے ساتھ مذکور ہو تو وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہیں یا کہ ایک قول قال یعنی صیغۂ معروف کے ساتھ ذکر ہے، اگر ایک قول صیغۂ معروف کے ساتھ مذکور ہو تو صاحب کتاب کے نزدیک وہ قول راجح ہے اور دیگر اقوال کے ضعف کی طرف ان کا قیل یعنی صیغۂ مجہول کے ساتھ اشارہ مقصود ہوتا ہے اور اگر سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہوں تو اس صورت میں کسی قول کو ترجیح مقصود نہیں ہوتی۔

متعدد شوہروں والی عورت جنت میں کس کے پاس ہوگی

سوال:- اگر کسی عورت نے یکے بعد دیگرے دو تین شادیاں کی ہوں تو وہ عورت جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ جس عورت نے دنیا میں دو تین شادیاں کی ہوں وہ قیامت کے روز جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ تو اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے کہ وہ جس شوہر کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عورت آخری شوہر کو ملے گی۔

حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! جب ہم کسی صحابیٔ رسولؐ کا مبارک نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جب حضرت علیؓ کا نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں، اکثر علماء کرام سے بھی اسی طرح سننے میں آیا ہے، اسے فرمائیں کہ اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے عموماً رضی کے بجائے صیغہ کرم اللہ وجہہ اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بتوں کے سامنے اپنے سر کو نہیں جھکایا تھا کیونکہ آپ نے بلوغت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یا پھر اس لیے کہ جنگ صفین میں بعض لوگوں نے آپ کے بارے میں سود اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کیے تو ان کی تردید کے لیے علماء امت نے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کرنا شروع کیے۔

ذبیح اللہ کون تھے؟ حضرت اسحٰق یا حضرت اسمٰعیل علیہم السلام؟

سوال:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے کس بیٹے کو ذبح کیا تھا؟ بعض حضرت اسحاق علیہ السلام بتاتے ہیں جبکہ ہم ابھی تک یہی سنتے آ رہے ہیں کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا، مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں کہ ذبیح اللہ کون تھے؟

الجواب:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے جس بیٹے کو ذبح کیا تھا اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور علماء نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے اور یہی رائج اور مشہور ہے۔

صمد اور دھارے کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اللہ الصمد کا معنی "نرادھار ہے" لکھا ہے، مہربانی فرما کر شریعت مطہرہ کی روشنی میں لفظ "نرادھار" کی تشریح فرمائی جائے؟

الجواب :۔ "نرادھار" سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے "وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو دوسرے سب اس کے محتاج ہوں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا معنیٰ "اللہ بے نیاز ہے" والا ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر آدھا ترجمہ ہے، اس لیے کہ بے نیاز اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔

لما قال المفتی محمود حسن گنگوہیؒ :۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے جیل میں ترجمۂ کلام اللہ کا مطالعہ کیا جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا تھا، اس میں انہوں نے اَللّٰہُ الصَّمَدُ کا ترجمہ یہ کیا کہ "خدا نرادھار ہے" میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک پنڈت ملا ہوا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ نرادھار کا کیا معنیٰ ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے یہ لفظ کہاں سے سنا؟ یہ تو سنسکرت کا لفظ ہے، مذہب کے اونچے لوگ اس کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سنا ہوگا کہیں سے، تم اس کے معنی بتلاؤ، کیا اس کے معنی بے نیاز کے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، اس کے معنی ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو، دوسرے سب اس کے محتاج ہوں، بے نیاز میں اس کے معنی آدھے آگئے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت جزء ۲ قسط ۷ صفحہ ۴۳)

☐ ☐

کتاب
التفسير

وهذا ذكر مبارك أنزلناه
أفأنتم له منكرون

کتاب تفسیر القرآن

(قرآن مجید کی تفسیر کا بیان)

قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے

سوال:۔ قرآن کریم میں لفظ باذر۔ ناقہ۔ جاذ عربی کے قواعد کے مطابق ان کلمات میں الف کیوں نہیں لکھا گیا؟

الجواب:۔ قرآن کریم کے رسم الخط میں مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے جو کہ اصل اور بنیاد ہے جس کو کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایک خاص طریقے پر خلاف القیاس مرتب کیا گیا تھا اور یہ رسم الخط توقیفی ہے، اس لیے کسی قیاسی قانون کی وجہ سے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے لہٰذا ان کلمات میں بھی مصحف عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے نہ کہ قوانین عربیہ کا۔

لما قال احمد مصطفٰی المراغی: اما کتابۃ المصحف فی تابعۃ للطریق التی کتب بہا فی عہد عثمان رضی اللہ عنہ الخلیفۃ الثالث علی ید جماعۃ من کبار الصحابۃ وتسمّی الرسم العثمانی وقد اتبع فیہا نہج خاص یخالف ما اتبع فیما بعد فی کثیر من المواضع ومن ثم قیل خطان لا یقاس علیہما خط العروض وخط المصحف العثمانی۔

(تفسیر مراغی ج ۱ ص۱۲ مقدمہ، طریق کتابۃ القرآن الکریم) [۱]

تعداد حروف قرآن کریم

سوال:۔ قرآن کریم کے حروف کی صحیح تعداد کیا ہے؟

الجواب:۔ جس طرح قرآن کریم کی آیات میں اختلاف ہے اسی طرح حروف کی تعداد میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، چند مشہور اقوال تحریر کیے جاتے ہیں:۔

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر "احکام القرآن" میں سلام ابو محمد الحمانی سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں اس کے حکم سے قرآن کریم کے حروف کو

---

[۱] قال عبد العظیم الزرقانی: فی مسئلۃ رسم خط القرآن ثلاثۃ اقوال، الاول: انہ توقیفی لا یجوز مخالفتہ وذلک مذہب الجمہور الخ (مناہل العرفان ج ۱ ص۳۷۷ ھل رسم المصحف توقیفی؟)

مکی اور مدنی سورتوں میں فرق

سوال:- قرآن کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض کو مدنی کہا جاتا ہے، ان میں کیا فرق ہے؟

الجواب:- قرآن کریم کی سورتیں دو قسم کی ہیں مکی اور مدنی لیکن ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ وحی کے زمان و مکان وغیرہ کا مشاہدہ کرتے تھے لہٰذا ان کو مکی اور مدنی کی پہچان کی ضرورت نہیں پڑی لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا اور صحابہ کرامؓ کو ناسخ و منسوخ کی معرفت کی ضرورت پڑی تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ کو مکی اور مدنی سورتوں کا جاننا ضروری ہوا تاکہ ناسخ و منسوخ کی معرفت میں آسانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کے بارے میں صرف صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال دستیاب ہو سکتے ہیں۔

شیخ محمد عبد العظیم زرقانیؒ فرماتے ہیں: لا سبيل إلى معرفة المكي والمدني إلا بما ورد عن الصحابة والتابعين في ذلك لأنه لم يرد عن النبي ﷺ بيان للمكي والمدني وذلك لأن المسلمين في زمانه لم يكونوا في حاجة إلى هذا البيان كيف وهم يشاهدون الوحي والتنزيل ويشهدون مكانه وزمانه وأسباب النزول عيانًا۔ الخ

(مناهل العرفان ج ۱ ص ۱۹۲ الطريق الموصلة إلى معرفة المكي والمدني)

تاہم بعد ازاں مفسرین نے مضامین اور حالات و واقعات کی روشنی میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے جس میں ہر ایک سورۃ کی مختلف خصوصیات شمار کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں انہیں مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے اس میں مکان کا اعتبار نہیں ہے چاہے جہاں بھی نازل ہوئی ہوں، یہ اصطلاح سب سے زیادہ مشہور ہے۔

اصطلاح ۲:- جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مکی کہلاتی ہیں نزول چاہے ہجرت سے پہلے ہو یا بعد میں اور جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں اس صورت میں مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان واسطہ ثابت ہوتا ہے اور وہ مکہ و مدینہ سے باہر والی سورتیں ہیں۔

اصطلاح ۳:- جن سورتوں میں خطاب اہل مکہ کے ساتھ ہوا ہو وہ مکی ہیں اور جن میں خطاب مدینہ والوں سے ہو وہ مدنی ہیں۔ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۸۷-۱۹۰ النوع التاسع معرفۃ المکی والمدنی)

مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان

سوال:۔ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان اور ان کی علامات کیا ہیں؟

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں تاہم بعد میں مفسرین حضرات نے اپنی اپنی علمی استطاعت کے مطابق علامات بتائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

مکی سورتوں کی علامات

(۱) جن سورتوں میں لفظ کلاّ کا ذکر ہو وہ مکی ہوں گی۔
(۲) جس سورۃ میں آیت سجدہ ہو وہ مکی ہوگی۔
(۳) جس سورۃ میں انبیاء کرام، امم سابقہ کے قصے اور واقعات کا ذکر ہو وہ مکی ہوگی سوائے سورۃ البقرہ کے۔
(۴) جس سورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے واقعہ کا ذکر ہو وہ مکی ہو گی سوائے سورۃ بقرہ کے۔
(۵) جس سورۃ میں یَا اَیُّھَا النَّاسُ کے ساتھ خطاب ہو مکی ہوگی۔
(۶) جس سورۃ کی ابتداء حروف تہجی سے ہو مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ و آل عمران کے۔

مدنی سورتوں کی علامات

(۱) جس سورۃ میں حدود اور فرائض کا بیان ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
(۲) جس سورۃ میں جہاد اور احکام جہاد کا ذکر ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔
(۳) جس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہو وہ مدنی ہوگی سوائے سورۃ العنکبوت کے۔
(۴) جس سورۃ میں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ خطاب ہو وہ مدنی کہلاتی ہے۔

[البرھان فی علوم القرآن (بدرالدین زرکشی) ج ا ص۱۸۷ تا ۱۹۱ النوع التاسع معرفۃ المکی والمدنی]
[مناھل العرفان (محمد عبدالعظیم زرقانی) ج ا ص۱۹۵ الطریق الموصلۃ الی معرفۃ المکی والمدنی]

تعوذ کا حکم

سوال:۔ ابتدائے قرأت و تلاوت قرآن میں اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا فرض ہے یا سنت یا واجب؟

الجواب:۔ سورۃ نحل کی مندرجہ ذیل آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں تعوذ کے حکم کی وجہ سے جب بھی کوئی مسلمان تلاوت کرے تو اس کو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا چاہیئے، تاہم اس آیت کریمہ میں امر اکثر مفسرین کے نزدیک

وجوب کے لیے نہیں صرف ندب کے لیے ہے۔

لما قال القاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ: قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یصلی ای یتعوذ قبل القراءۃ وعلیہ انعقد الاجماع من السلف والخلف فکذا سنۃ عند الجمہور العلماء۔
(تفسیر مظہری ج ۵ ص ۳۷۲ سورۃ النحل تحت تفسیر الآیۃ ۹۸)[1]

تعوذ کی جزئیت کا حکم

سوال:- اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟

الجواب:- اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ان مخصوص الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کا جزء نہیں ہے تاہم ایک دوسرے مقام پر تعوذ کا حکم ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

لما قال القرطبیؒ: اجمع العلماء علی ان التعوذ لیس من القرآن ولا آیۃ منہ وھو قول القاری اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۸۶ القول فی الاستعاذۃ)[2]

تسمیہ کی جزئیت کا حکم

سوال:- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن کریم کا جزء ہے یا نہیں؟

الجواب:- جو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ النمل میں ہے اس پر تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآن کریم کا جزء ہے، اس کے علاوہ باقی سورتوں کی ابتداء میں جو تسمیہ لکھی گئی ہے اس کی جزئیت میں اختلاف ہے، فقہاء احناف، قراء مدینہ، بصرہ اور شام کے نزدیک یہ کسی بھی سورۃ کا جزء نہیں ہے۔

لما قال القرطبیؒ: قد اختلف العلماء فی ھذا المعنی علی ثلاثۃ اقوال، الاول لیست بآیۃ من الفاتحۃ ولا من غیرھا وھو قول مالک..... الصحیح من ھذہ الاقوال قول مالک

---

[1] وقال محمد بن احمد القرطبیؒ: ھذا الامر علی الندب فی قول الجمہور فی کل قراءۃ فی غیر الصلوۃ۔
(احکام القرآن ج ۱ ص ۸۶ القول فی الاستعاذۃ)
ومثلہ فی مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۲ سورۃ النحل آیت ۹۸۔

[2] قال الشیخ عبد الرحمن بن محمد الثعالبیؒ: اجمع العلماء علی ان قول القاری اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم لیس بآیۃ من کتاب اللہ۔ (تفسیر الثعالبی ج ۱ ص ۱۹ سورۃ الفاتحۃ)

لان القرآن لا یثبت باخبار الآحاد وانما یثبت بطریق التواتر القطعی۔ الخ

(احکام القرآن للقرطبی ج۱ ص۹۳ الخامسۃ عن البسملۃ) ؎۱

تعداد آیات سورۂ فاتحہ

سوال: سورۂ فاتحہ کی آیات کی تعداد کتنی ہے؟

الجواب: سورۂ فاتحہ کے بارے میں علماء کا اتفاق صرف اس بات پر ہے کہ اس کی آیات کی تعداد سات ہے جن کی وجہ سے اس کو سبع من المثانی کہا گیا ہے تاہم فقہاء کرام کے نزدیک آیات کے تعین میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت نہ ہونے کی وجہ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم آیت شمار ہے جبکہ احناف کے نزدیک صراط الذین انعمت علیہم مستقل آیت ہو کر بسم اللہ کو جزو فاتحہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامۃ ابوبکر الرازی الجصاصؒ: وقول سعید بن جبیر سألت ابن عباس عن السبع المثانی فقال السبع المثانی هو ام القرآن وانما اراد بالسبع انها سبع آیات۔

(احکام القرآن ج۱ ص۱۳ قبل احکام سورۃ البقرۃ) ؎۲

فاتحۃ الکتاب کا جزو قرآن ہونا

سوال: سورۂ فاتحہ جس طرح قرآن کریم کا جزو ہے اسی طرح تیس پاروں میں کسی پارے میں داخل ہے یا قرآن کریم کا مستقل حصہ ہے؟

الجواب: قرآن مجید کے پاروں کی تقسیم حجاج بن یوسف کے دور میں ہوئی ہے،

؎۱ وقال عبد اللہ النسفیؒ: قراء المدینۃ والبصرۃ والشام وفقهاؤها علی ان التسمیۃ لیست بآیۃ من الفاتحۃ ولا من غیرها من السور وانما کتبت للفصل والتبرك للابتداء بها وهو مذهب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ومن تابعه الخ

(مدارك التنزیل ج۱ ص۳ فاتحۃ الکتاب)

ومثلہ فی تفسیر روح المعانی ج۱ ص۳۹ مباحث فی البسملۃ۔

؎۲ قال الامام ابن جریر الطبریؒ: وما تاویل اسمها انها سبع آیات فانها سبع آیات لا خلاف بین الجمیع من القراء والعلماء فی ذلك۔ (تفسیر طبری ج۱ ص۳۸ القول فی تاویل اسماء فاتحۃ الکتاب)

صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن کریم یوں تیس پاروں میں تقسیم نہیں تھا تاہم صحابہ کرامؓ آپس میں اپنی اپنی
سہولت کے لیے قرآن کریم کو کئی حصوں میں تقسیم کیے ہوئے تھے جن میں منزل وغیرہ کا ثبوت بڑی
دلیل ہے چونکہ پاروں کا تعین صحابہؓ کے دور میں نہیں تھا اس لیے سورۃ فاتحہ کو کسی پارے کا
جزء قرار دینے کے لیے کسی روایت کا سہارا لینا بے سود ہے تاہم قرآن کے تیس پاروں کے
حساب سے پہلا پارہ الٓمّٓ سے مشہور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کسی ایک پارہ
کا جزء قرار دینے کی بجائے پورے قرآن کا اجمالی خاکہ ہے۔

قال ابن جریر الطبریؒ وصح الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — قال هي أم القرآن وهي فاتحة الكتاب وهي السبع المثاني۔ فهذه أسماؤها فاتحة الكتاب وسميت فاتحة الكتاب لأنها يفتتح بكتابتها المصاحف۔ فهي فواتح لما يتلوها من سور القرآن في الكتابة والقراءة۔ (تفسیر طبری ج ۱ ص ۳۵ القول فی تاویل اسماء فاتحۃ الکتاب)

اسمائے سورۃ فاتحہ

سوال:۔ سورۃ فاتحہ کو کتنے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے؟

الجواب:۔ سورۃ فاتحہ کے متعدد اسماء ہیں جن کو مفسرین حضرات نے ذکر کیا ہے ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں:۔

(۱) فاتحۃ الکتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) ام الکتاب (۴) ام القرآن (۵) الکنز (۶) الوافیہ (۷) الکافیہ (۸) الاساس (۹) سورۃ الرقیۃ (۱۰) سورۃ الشفاء (۱۱) سورۃ الشافیہ (۱۲) سورۃ الحمد (۱۳) سورۃ الشکر (۱۴) سورۃ الدعاء (۱۵) سورۃ تعلیم المسئلہ (۱۶) سورۃ السؤال (۱۷) سورۃ المناجات (۱۸) سورۃ الصلوٰۃ (۱۹) سورۃ النور (۲۰) القرآن العظیم (۲۱) السبع المثانی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۴ تا ۳۸)[۲]

کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ کسی بھی زبان میں اس طریقہ سے شائع کیا جائے کہ عربی

---

[۱] قال العلامۃ ابو عبد اللہ القرطبی رحمہ اللہ: اجمعت الامۃ ایضاً علی انها من القرآن۔
(تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۳۰ سورۃ الفاتحۃ)

[۲] وذکر القرطبی اکثرها۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۱ المسئلۃ الرابعۃ فی اسمائها وهی اثنا عشر اسماً) وذکر بعضها ابن کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸ سورۃ الفاتحۃ)

کے الفاظ نہ لکھے گئے ہوں بلکہ آخر میں صرف آیت نمبر اور سورۃ کے نام پر اکتفا کیا گیا ہو کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- پورے قرآن مجید یا کسی ایک سورۃ کا صرف ترجمہ شائع کرنا اگرچہ ناجائز ہے تاہم ایک یا دو آیات کا ترجمہ شائع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: ونحو كتابة آية وآيتين بالفارسية لا بأس به. قال ابن عابدينؒ: والظاهر أن بالفارسية غير قيد. (الدر المختار على رد المحتار ج۱ ص۳۲۵) لـه

شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں

سوال:- شیطان مردود اور مسخ ہونے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ کن کن امور و مشاغل پر مامور تھا؟

الجواب:- شیطان کے بارے میں مفسرین نے مختلف معمولات کا ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تھا جن کو جن کہا جاتا ہے اور ان کو نار سموم سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے تھے، سریانی زبان میں شیطان کا نام عزازیل تھا اور عربی میں حارث، اور یہ جنت کے خزانچیوں میں سے تھا، آسمان دنیا کا رئیس تھا، آسمان دنیا اور زمین پر اس کی حکمرانی تھی، فرشتوں میں سب سے زیادہ اجتہاد و علم والا تھا جس کی وجہ سے اس میں تکبر پیدا ہو گیا اور کفر کر کے مردود ہوا۔

قال القرطبيؒ: عن ابن عباس رضي الله عنه أن إبليس كان من حي من أحياء الملائكة يقال لهم الجن خلقوا من نار السموم وخلقت الملائكة من نور وكان اسمه بالسريانية عزازيل وبالعربية الحارث وكان من خزان الجنة وكان رئيس ملائكة سماء الدنيا وكان له سلطانها وسلطان الأرض وكان من أشد الملائكة اجتهادا وأكثرهم علما وكان يسوس ما بين السماء والأرض. (الجامع لأحكام القرآن ج۱ ص۲۹۵ تحت قوله تعالى: إذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس [illegible])

لـه قال ابن الهمامؒ: [illegible] ولا يكتب مصحف بها يمنع وإن فعل في آية أو آيتين لا. (فتح القدير [illegible])

کما اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں متعدد ذیل الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: مثلاً
كان من أشد الملائكة اجتهادا وأكثرهم علما. كان من أشرف الملائكة وأكرمهم قبيلة وكان خازنا على الجنان وكان له سلطان سماء الدنيا وكان له سلطان الأرض وكان يسوس ما بين السماء والأرض فعصى فمسخه الله تعالى شيطانا رجيما۔

(تفسير ابن كثيرؒ ج۱ ص۷۷ سورة البقرة تحت قوله: وأعلم ما تكتمون)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مثل آدم ہونا

سوال: سورۃ آل عمران آیت ۵۹ میں ارشاد خداوندی ہے: إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا مثیل اور مشبہ بتایا گیا ہے لیکن آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے۔ تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

الجواب: چونکہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عادت مستمرہ کے خلاف ہوئی تھی جو بغیر باپ کے تھی اور یہ ایک عجیب واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ عجیب تر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تھی جو ماں باپ دونوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ تو یہاں عجیب واقعہ کی عجیب تر واقعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ و تمثیل میں مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ تمام وجوہات میں متحد اور یکساں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ مشبہ بہ کی بعض صفات کا مشبہ میں پایا جانا تشبیہ اور تمثیل کے لیے کافی ہوتا ہے جیسے کسی انسان کی بہادری کی تشبیہ شیر کے ساتھ دی جاتی ہے اگرچہ من کل الوجوہ یکساں نہیں ہوتے۔

قال الشيخ علاؤ الدين الخازن تحت قوله تعالى: إن مثل عيسى عند الله كمثل آدم. قلت هو مشبه في احد الطرفين فلا يمنع اختصاصه دونه بالطرف الآخر من تشبيهه لأن المماثلة مشاركة في بعض الاوصاف ولأنه شبه به في انه وجد وجودا خارجا عن العادة المستمرة وهما في ذلك نظيران لأن الوجود من غير اب وام اغرب في العادة من الوجود من غير اب فشبه الغريب بالاغرب ليكون اقطع للخصم واحسم لمادة شبهته۔

(تفسير خازن ج ۱ ص ۳۰۱ سورة البقرة) له

له وقال القرطبي: فيه دليل على صحة القياس والتشبيه واقع على ان عيسى خلق من غير اب كآدم لا على انه خلق من تراب والشيء قد يشبه بالشيء وان كان بينهما فرق كبير بعد ان يجتمعا في وصف واحد فان آدم خلق من تراب ولم يخلق عيسى من تراب فكان بينهما فرق من هذه الجهة ولكن شبه ما بينهما انهما خلقا من غير اب۔ (احكام القرآن ج ۴ ص ۱۰۲ تحت ان مثل عيسى عند الله الخ سورة البقرة)

ومثله في تفسيره الشهير بالصاوي ج ۱ ص ۱۵۹ سورة البقرة۔

قاتل کی توبہ کا قبول ہونا

سوال:۔ سورۂ نساء کی آیت ۹۳ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جبکہ حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس میں کس پر عمل کیا جائے؟ اور عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ عمداً قتل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ اور یہ شخص ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں؟ تاہم جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ شخص اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں جائے گا اور ایمان کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا، لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب قاتل نے قتل کو حلال سمجھ کر یہ اقدام نہ کیا ہو، ورنہ استحلال حرام کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اسی وجہ سے جمہور علماء اس آیت میں خالدًا کا ترجمہ مکث طویل سے کرتے ہیں۔

لما قال الشيخ ابن كثيرؒ: والذي عليه الجمهور من سلف الامة وخلفها ان القاتل له توبة فيما بينه وبين الله عز وجل فان تاب وأناب وخشع وخضع وعمل عملا صالحا بدل الله سيئاته حسنات وعوض المقتول من ظلامته وأرضاه عن طلابته ...... ومعنى هذه الصيغة ان هذا جزاؤه ان جوزي عليه ـ وبتقدير دخول القاتل في النار ...... فليس يخلد فيها ابدا بل الخلود هو المكث الطويل وقد تواترت الاحاديث عن رسول الله ﷺ انه يخرج من النار من كان في قلبه ادنى مثقال ذرة من ايمان الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۵۳۵ تحت من یقتل مؤمنا متعمدا)[1]

آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں نزاع کا سبب

سوال:۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے کا سبب کیا تھا اور ان میں بہن بھائی کا امتیاز کیا تھا؟

---

[1] وقال النسفيؒ: فجزاؤه ان جازاه قال عليه السلام هي جزاؤه ان جازاه، والخلود قد يراد به طول المقام۔ (مدارک التنزیل ج۱ ص۲۴۴ تحت قوله تعالى فجزاؤه جهنم خالدا فيها) ومثله في جامع البيان للطبريؒ ج۵ ص۲۲۱ تحت قوله تعالى من يقتل مؤمنا متعمدا۔

الجواب: اس نزاع اور جھگڑے کے سبب کے بارے میں اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی بچہ پیدا ہوتا تو ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا جوڑا ہوتا، چونکہ آدم علیہ السلام دنیا میں پہلے انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل باقی رکھنا منظور تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ضابطہ مقرر کیا تھا کہ جوڑے کا آپس میں نکاح ناجائز ہوگا اور دوسرے جوڑے کے ساتھ جائز ہوتا تھا اور ان بیٹوں کا ضرورت کی بنا پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب کے تھا۔ تو اسی طرح حضرت آدم کے ایک بیٹے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام اقلیما تھا اور وہ حسین بھی تھی اور ان کے بعد دوسرے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام ہابیل اور اس کی بہن کا نام لیوذا تھا۔ اب اصول کے مطابق جب نکاح کا وقت آیا اور اقلیما کا نکاح ہابیل سے ہونے لگا تو قابیل نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے لہٰذا میرا حق ہے اور یہ لیوذا سے حسین بھی ہے۔ اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو پھر آدم علیہ السلام نے قابیل اور ہابیل دونوں کو نذر کا حکم دیا کہ جس کی نذر قبول ہوگی فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ اب ہابیل کی نذر قبول ہوگئی تو اس پر قابیل کا غصہ مزید بڑھا اور آخرکار اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

قال الطبریؒ: عن ابن عباسؓ وعن مرة عن ابن مسعودؓ وناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يولد لآدم مولود الا ولد معه جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر ويزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر حتى ولد له ابنان يقال لهما قابيل وهابيل وكان قابيل صاحب زرع وكان هابيل صاحب ضرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابى عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان اتزوجها فامره ابوه ان يزوجها هابيل فابى وانهما قربا قربانا الى الله ايهما احق بالجارية الخ۔ (تفسير الطبري ج ۶ ص ۱۸۸ سورة المائدة) ؎

؎ وقال ابن كثيرؒ: قال السدي فيما ذكر عن ابن عباس وابن مسعود وناس من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انه كان لا يولد لآدم مولود الا ولد معه جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر ويزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر حتى ولد له ابنان يقال لهما هابيل وقابيل وكان قابيل صاحب زرع وكان هابيل صاحب ضرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابى عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان اتزوج بها فامره ابوه ان يزوجها هابيل فابى وانهما قربا قربانا الى الله عز وجل ايهما احق بالجارية الخ۔ (تفسير ابن كثير ج ۲ ص ۴۱ سورة المائدة تحت الآية: واتل عليهم نبأ ابني آدم ......) ـــ ومثله في التفسير المظهري للقاضي ثناء الله پانی پتیؒ ج ۳ ص [illegible] سورة المائدة۔

غیر ذوی العقول کے لیے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال

سوال:۔ سورۃ اعراف آیت ۱۹۱ وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور آیت ۱۹۳ پر وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی میں ھُمْ ضمیر کا مرجع کیا ہے اور اگر بت مراد ہیں تو ذوی العقول کی ضمیر غیر ذوی العقول میں کیسے استعمال ہوئی ہے؟

الجواب:۔ ان دونوں آیتوں میں ھُمْ کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے جو پہلے آیت ۱۹۱ میں لفظ ما کے ضمن میں مذکور ہے اور ھُمْ ضمیر اگرچہ ذوی العقول کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن چونکہ مشرکین نے بتوں کو اپنا الٰہ بنایا تھا اور ان کو عقلمند سمجھتے تھے اس لیے قرآن کریم کا اسلوب بھی بطور تنزل و توبیخ ان کے عقائد کے مطابق چلا۔

لہ قال الشیخ محمود الآلوسیؒ: وایراد ضمیر العقلاء مع ان الاصنام مما لایعقل انما ہو بحسب اعتقادہم فیہا و جریہم لہا مجری العقلاء وتسمیتہم لہا آلہۃ۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۴۲)

مالا یخلق میں ما کا معنی و مراد

سوال:۔ سورۃ اعراف آیت ۱۹۱ میں ارشاد ربانی ہے: اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ یہاں لفظ مَا سے مراد کون ہیں؟ اور لفظ ما ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے یا غیر ذوی العقول کے لیے؟

الجواب:۔ اس آیت کریمہ میں لفظ مَا سے مراد ابلیس اور بت ہیں اور لفظ ما اکثر غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے تاہم بعض اوقات ذوی العقول کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

۲ قال البغویؒ: اَيُشْرِكُوْنَ مَا ای ابلیس والاصنام۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۲۲ سورۃ الاعراف)

لفظ عِبَاد کی تفسیر

سوال:۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۹۴ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ میں عباد سے کیا مراد ہے؟

لہ وقال القاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ: هُمْ ضمیر الاصنام جمع بلو بناءً علی ان آلہتہم الہۃ۔
(التفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۴۳ تحت آیۃ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ الاعراف)

۲ہ وقال البیضاویؒ: مَا ای الاصنام۔ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۴۲ سورۃ الاعراف)

ومثلہ فی تفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۴۲ تحت الآیۃ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ الاعراف)

الجواب:۔ لفظ عباد عبد کی جمع ہے جو بمعنی مملوک ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا رد کرتے ہوئے مشرکین مکہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے اپنے لیے جو معبود بنا رکھے ہیں ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، جیسے تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور معبود ایسا ہونا چاہیئے جو عابد سے درجے میں برتر ہو۔

۱ قال القاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ: عباد امثالکم ای مملوکۃ مسخرۃ مذللۃ ... فکیف لا دلیل منہم۔

(التفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۴۳ سورۃ الاعراف پارہ ۹) ۔ الخ

فرعون کی لاش کی تحقیق

سوال: مصر کے عجائب گھر میں فراعنہ کے دور کی ایک لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اسی فرعون کی لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے مقابلہ ہوا تھا، بعض لوگ اس کے ثبوت کے لیے سورۃ یونس کی آیت کریمہ "فالیوم ننجیک ببدنک" کا سہارا لیتے ہیں، کیا اس آیت کا مقصد واقعی یہ ہے کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور وہ آج تک مصر کی عجائب گھر میں محفوظ ہے؟

الجواب: مصریوں کو ۱۹۰۷ء میں کچھ لاشیں ملیں جن کو دیکھ کر آثار قدیمہ کے بعض ماہرین نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ فرعون کی لاش ہے لیکن یہ بات ابھی تک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی کہ وہ اسی فرعون کی لاش ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تھا، اس لیے کہ اس زمانے میں مصر کا ہر بادشاہ فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا، جہاں تک سورۂ یونس کی آیت کریمہ سے اس کے لیے سہارا لینے کی کوشش ہے تو یہ ایک بے سود کوشش ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ فرعون کی لاش قیامت تک محفوظ رہے گی ورنہ آج اس کی لاش ناقابل دید ہے تو اس صورت میں بجز قرآن کی تکذیب لازم آئے گی، حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "سو بجائے نجات مطلوبہ کے آج ہم تیری لاش کو پانی میں تہ نشین ہونے سے نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لیے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں کہ تیری حالت اور تباہی دیکھ کر ایسی مخالفت سے ڈریں (بیان القرآن ج ۲)

۔ وقال البیضاویؒ: امثالکم من حیث انہا مملوکۃ مسخرۃ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۷۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۹۴)

ومثلہ فی معالم التنزیل للبغوی ج ۲ ص ۲۲۲ سورۃ الاعراف۔

۲ مفسرین کے ہاں ننجیک کا معنی ای نلقیک بنجوۃ من الارض اور مراد ہے تیری نعش کو کسی اونچی جگہ میں ڈال دیں گے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶۲) ۔ وقال البیضاویؒ: نلقیک علی نجوۃ من الارض لیراک بنو اسرائیل (انوار التنزیل ج ۳ ص ۱۰۱)

ومثلہ قال الزمخشری فی تفسیرہ الشہیر بالکشاف ج ۲ ص ۳۶۸ سورۃ الاعراف۔

لفظ لاجرم کی تحقیق

سوال:- قرآن کریم میں متعدد مقامات پر لفظ لاجرم کا استعمال ہوا ہے مثلاً سورۃ النحل، سورۃ مومن وغیرہ، اس کا لفظی معنی کیا ہے اور صرفی و نحوی قوانین کے مطابق اس کی ترکیب کیا ہے؟ اگر لاجرم میں لام کے ساتھ الف کو ملا کر کے نہ پڑھا جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- لاجرم کو الف کے بغیر پڑھنے سے چونکہ معنی متغیر ہوجاتا ہے اس لیے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور یہ احناف کے مشہور اقوال میں سے ہے۔ اس لفظ کی ترکیب صرفی و نحوی میں علماء نے متعدد توجیہات کی ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) امام سیبویہ، خلیل اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ لاجرم خمسۃ عشر کی طرح مرکب بنائی ہے اور مجموعہ فعل ماضی کے معنی میں ہے یعنی حَقَّ، اور اس کے بعد والا کلام کا مصدر بنتا ہے جو کہ لاجرم کا فاعل ہوتا ہے۔

(۲) بعض دوسرے علماء کے نزدیک جَرَمَ فعل ماضی بمعنی ثَبَتَ و وَجَبَ ہے اور بعد والا جملہ اس کا فاعل ہے اور لا اس میں نافیہ ہے جو ماقبل کے مضمون کی نفی کرتا ہے۔

(۳) زجاج کا کہنا ہے کہ جَرَمَ بمعنی کسب ہے اور اس میں ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہے جو کلام سابق کے مناسب مضمون کی طرف راجع ہے اور ما بعد الا کلام جرم کا مفعول ہوگا اور لا نافیہ ہے۔

(۴) زجاج سے یہ بھی منقول ہے کہ لاجرم اصل میں لَا بُدَّ وَلَا مَحَالَۃ، جُرم کے معنی میں ہے پھر کثرت استعمال کی وجہ سے لا بُدَّ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(۵) کسائی سے منقول ہے کہ جَرَمَ میں لا نافیہ ہے اور جَرَمَ اس کا اسم ہے مبنی بر فتحہ جیسے لَا رَجُلَ اور معنی اس کا لَا صَدَّ وَلَا مَنْعَ ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۳۴۔ تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۰)

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے درمیان عقد نکاح ہوا تھا یا نہیں؟

الجواب:- حضرت یوسف علیہ السلام جب شاہ مصر کے ہاں گئے تو عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ کی صفائی کے بعد شاہ مصر نے آپ کو اپنے خواص میں نمایاں جگہ دی اور پھر عزیز مصر کے انتقال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے منصب پر فائز کیا

اور اس کی بیوی جس کا نام بعض مفسرین نے زلیخا بتایا ہے اس کا نکاح حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ عزیز مصر نامرد تھا اس لیے زلیخا اس وقت تک باکرہ ہی رہی۔ پھر زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کے تین بچے پیدا ہوئے جن کے نام افرائم، میشا اور رحمت ہیں۔

قال البغویؒ: عن ابن اسحٰقؒ قالوا ثم ان قطفیر ای عزیز مصر هلك فی تلك اللیالی فزوج الملك لیوسف راعیل امرأة قطفیر فلما دخل علیها قال الیس هذا خیرا مما کنت تریدین فقالت ان العزیز کان لا یأتی النساء ...... فقرب منها یوسف فوجدها عذراء۔ (معالم التنزیل ج۴ ص۳۳۲ ہامش)

حضرت یوسف علیہ السلام کے حیلے کی حقیقت

سوال: سورۃ یوسف آیت ۷۰ میں ہے کہ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۔ اس میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو چور ٹھہرایا گیا ہے جو در اصل بے گناہ تھے، اور سورۃ نساء آیت ۱۱۲ میں ارشاد ربانی ہے: وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۔ اس آیت سے بے گناہ پر الزام لگانا گناہ معلوم ہوتا ہے، لہٰذا یوسف علیہ السلام نے کیوں ایسا کام کیا؟

الجواب: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ وحی الٰہی کے تابع تھا جس کی بعد میں اللہ تعالیٰ نے كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ کے ساتھ تعبیر کر کے تحسین بھی فرمائی، لہٰذا اس میں حضرت یوسف علیہ السلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

لما قال احمد الصاویؒ: كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ علمناه الاحتیال، ای فما وقع من یوسف فی تلك القصة بوحی من الله تعالی وحینئذ فلا یقال کیف نادی علی اخوته بالسرقة واتهمهم بها مع انهم بریئون۔ (تفسیر صاوی ج۲ ص۲۵۲ سورۃ یوسف پ۱۳)

---

[1] قال القرطبیؒ: ثم مات قطفیر ای عزیز مصر فزوجه الولید بزوجة قطفیر راعیل فدخل بها یوسف فوجدها عذراء وولدت له ولدین الخ۔ (احکام القرآن ج۹ ص۲۱۳ سورۃ یوسف)

ومثله فی تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۸۲ سورۃ یوسف۔

[2] وکان هذا فی ابن کثیر: وهذا من الکید المحبوب المراد الذی یحبه الله ویرضاه لما فیه من الحکمة والمصلحة المطلوبة الخ (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۸۸ سورۃ یوسف)

ومثله فی تفسیر جامع البیان للطبری ج۸ ص۲۳ سورۃ یوسف۔

مسئلۂ روح

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمایا جائے۔

الجواب:۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال ہوا تو وحی الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صرف اس پر اکتفاء کیا: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي. یعنی روح بھی میرے رب کے امر "کن" ہی سے ہے اور اس کی مخلوق ہے۔

اس کے بعد ہر زمانے کے فلاسفہ، عقلاء اور مسلمانوں کے ہر فرقہ اور مذہب کے پیروکار آئے اور انہوں نے اپنی علمی بساط کے مطابق روح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا حتیٰ کہ روح ایک مستقل موضوع بن گیا جس پر کئی کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

اسی طرح مفسرین حضرات میں بھی دو جماعتیں بن گئیں، بعض نے اس میں تفصیل اور گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے اور انہوں نے اسی اجمال کو ترجیح دی ہے جیسے کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روح کے بارے میں لوگوں نے جو اختلاف کیا ہے اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اور انہوں نے جو تحقیقات و تفصیلات کی ہیں ان کو طب اور فلسفہ سے اخذ کیا گیا ہے جس سے سلف نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے پیشِ نظر سکوت کیا ہے۔ اس لیے کہ سلف صالحین نے جب یہ دیکھا کہ مشرکین نے سوال کیا اور اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے پھر بھی مشرکین کو تفصیلی جواب نہیں ملا تو اس مسئلہ میں سکوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

لما قال وقد اختلف الناس فی ماهية الرُّوح ثم اختلفوا هل الروح النفس ام هما شيئان فلا يحتاج الی ذكر اختلافهم لانه لا برهان علی شیٔ من ذلك وانما هو شیٔ اخذوه عن الطب والفلسفة فاما السلف فانهم سكتوا عن ذلك لقوله تعالیٰ: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي فلما رأوا ان القوم سألوا عن الروح فلم يجابوا والوحی ينزل والرسول حی علموا ان السكوت عما لم يحفظ حقيقة علمه اولیٰ۔ (زاد المسیر ج۵ ص۸۲ سورۃ الاسراء)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اسی ابہام کو ترجیح دی ہے جسے قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کی وجہ سے بہتر اس میں ابہام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے اس لیے چھوڑا ہے تاکہ انسان اپنے وجود پر علم رکھنے کے باوجود اپنی حقیقت سے جاہل ہو کر اپنے عجز کا اعتراف کرے۔ اور جب انسان کو اپنے نفس

کے بارے میں یہ حالت ہو تو اشرف مجملہ کی حقیقت کے جاننے کے بارے میں ضرور عاجز ہوگا۔

لما قال العصبی الابہام لقولہ تعالیٰ: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ ای ھو امر عظیم وشأن کبیر من امر اللہ تعالیٰ مبہمًا وتارکًا تفصیلہ لیعرف الانسان علی القطع عجزہ عن علم حقیقۃ نفسہ مع العلم بوجودھا واذا کان الانسان فی معرفۃ نفسہ ھکذا کان بعجزہ عن ادراک حقیقۃ الحق اولیٰ الخ (احکام القرآن للقرطبی ج۱۰ ص۳۲۴)

ان کے مقابلے میں بعض مفسرین حضرات ایسے ہیں جو روح کے بارے میں تفصیل کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں اجمال کو اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ امت محمدیہ اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتی بلکہ یہ اجمال اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ اکثریت اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اگرچہ بعض افراد پر یہ حقیقت کھل سکتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس چیز سے شریعت نے سکوت کیا ہو اس کی معرفت ناممکن ہو بلکہ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر سکوت کیا جاتا ہے جسے اکثر نہیں سمجھ سکتے۔

لما قال الامام ولی اللہ الدھلویؒ: ولیست الآیۃ نصًا فی انہ لایعلم احد من الامۃ المرحومۃ حقیقۃ الروح کما یظن ولیس کل ما سکت عنہ الشرع لا یمکن معرفتہ البتۃ بل کثیر ما یسکت عنہ لاجل انہ معرفۃ دقیقۃ لا یصلح تعاطیھا جمھور الامۃ وان امکن لبعضھم۔ الخ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۲ ص۱۸ باب حقیقۃ الروح)

اس کے بعد روح کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

جاننا چاہیے کہ روح کے متعلق اولاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔۔ پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح تدبیر حقیقی کا مرکب ہے اور روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے۔۔۔۔ اور روح حقیقی ایک جدا گانہ چیز ہے، وہ ایک نورانی نقطہ ہے ان تمام تغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں اور بعض عرض، اس کا رنگ ڈھنگ نرالا ہے۔

لما فی حجۃ اللہ البالغۃ: واعلم ان الروح اول ما یدرک من حقیقتھا انھا مبدء الحیاۃ فی الحیوان وانہ یکون حیا بنفخ الروح فیہ ویکون میتا بمفارقتھا منہ ثم اذا امعن

فان قال قائل ان في البدن بخارا لطيفا متولدا في القلب من خلاصة الاخلاط ....
فهذا صحيح في النظر ايضا لكن هذا الروح مطية للروح الحقيقية ومادة لتعلقها ....
بل الروح في الحقيقة حقيقة فردانية ونقطة نورانية يجل طورها عن طور هذه الاطوار
المتغيرة المتفاوتة التي بعضها جوهر وبعضها اعراض۔ (حجة الله البالغة ج ۱ باب حقيقة الروح)[1]

اصحاب کہف کے کتے کا جنت میں جانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا یا نہیں؟

الجواب: قرآن کریم اس مسئلے میں ساکت ہے اور ذخیرۂ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا تاہم مفسرین حضرات نے چند حیوانات ایسے بتلائے ہیں جو جنت میں جائیں گے اور اصحاب کہف کے کتے کو بھی ان کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة اسمٰعیل حقی البروسویؒ: وروی انه یدخل الجنة مع المؤمنین علی ما قال مقاتل عشرة من الحیوانات تدخل الجنة ناقة صالحؑ وعجل ابراهیمؑ وکبش اسمٰعیلؑ وبقرة موسیٰؑ وحوت یونسؑ وحمار عزیرؑ ونملة سلیمانؑ وهدهد بلقیس وکلب اصحاب الکهف وناقة محمد صلی الله علیه وسلم فکلهم یصیرون علی صورة کبش ویدخلون الجنة۔ (روح البیان ج ۵ ص ۲۲۶ سورة الکهف)[2]

صاحب موسیٰؑ کا بشر ہونا

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شخص کے پاس جا کر استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا وہ انسان تھا یا کوئی فرشتہ؟

---

[1] فقال احمد مصطفی المراغیؒ: ان الروح جسم نورانی حی متحرك من العالم العلوی مخالف بطبعه لهذا الجسم المحسوس سار فیه سریان الماء في الورد والدهن في الزیتون والنار في الفحم لا یقبل التبدل والتفرق والتمزق یفید الجسم المحسوس الحیاة وتوابعها مادام صالحا لقبول فیض وعدم حدوث ما یمنع السریان والا حدث الموت۔ واختاره الرازی وابن القیم۔ (تفسیر مراغی ج ۱۵ ص ۸۹ آراء العلماء في الروح)

[2] وقال العلامة محمود الآلوسی رحمه الله: وجاء في شأن کلبهم انه یدخل الجنة یوم القیامة فعن خالد بن معدان لیس في الجنة من الدواب الا کلب اصحاب الکهف وحمار بلعم۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۶ تحت وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ۔ الکهف)
ومثله في تفسیر جمل ج ۳ ص ۱۲ سورة الکهف۔

فرشتہ تھا؟

الجواب: یہ جو کہا جاتا ہے یہ ایک ضعیف قول ہے کہ یہ شخص فرشتہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا لیکن یہ قول بہت ہی کمزور اور غیر معتمد ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حضرت خضرؑ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور فرشتہ نہ تھے بلکہ انسان تھے۔

لما قال الشیخ آلوسی رحمہ اللہ: قوله تعالیٰ: عبداً من عبادنا، الجمهور على أنه الخضر الخ، وقيل إلياس وقيل ملك من الملائكة وهو قول غريب باطل كما في شرح مسلم والحق الذي تشهد له الأخبار الصحيحة هو الأول الخ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۱۹) سلہ

نبوت خضر علیہ السلام

سوال: خضر علیہ السلام نبی تھے یا محض اللہ تعالیٰ کے کوئی نیک بندے تھے؟

الجواب: حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت و رسالت و ولایت میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور نیک بندے تھے اور بعض دیگر حضرات کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے جس پر وہ مختلف شواہد اور دلائل پیش کرتے ہیں۔

لما قال الحافظ ابن کثیرؒ تحت قوله تعالیٰ: وما فعلته عن أمري - وفيه دلالة لمن قال بنبوة الخضر عليه السلام وقال آخرون كان رسولاً وقيل بل كان ملكاً وذهب كثيرون إلى أنه لم يكن نبياً بل كان ولياً فالله أعلم - (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹ سورۃ کہف آیت ۸۲)

وقال الرازي رحمه الله: قال الأكثرون إن ذلك العبد كان نبياً واحتجوا عليه بوجوه الخ (تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۴۸ سورۃ الکہف آیت ۶۵) سلہ

سلہ وقال القرطبي رحمه الله: وهو الخضر عليه السلام في قول الجمهور ...... وقيل كان ملكاً أمر الله موسى أن يأخذ عنه مما حمله من علم الباطن والأول الصحيح - (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۱۶ سورۃ الکہف آیت ۶۵)

سلہ وقال القرطبي رحمه الله: والخضر نبي عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبي والآية تشهد بنبوته لأن بواطن أفعاله لا تكون إلا بوحي (تفسیر الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۱ ص ۱۶ سورۃ الکہف آیت ۶۵)

وقال ابو حيان الأندلسي رحمه الله: والجمهور على أن الخضر نبي وكان علمه معرفة بواطن قد أوحيت إليه الخ - (تفسیر البحر المحیط ج ۶ ص ۱۴۷ سورۃ الکہف آیت ۶۵)

شاء اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۱۱ سورۃ الکہف آیت ۸۳)

ذوالقرنین کون تھا؟

سوال: قرآن مجید میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے، یہ شخص کون تھا؟

الجواب: ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو وضاحت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ وہ ایک نیک اور عادل بادشاہ تھا جس نے مشرق و مغرب میں پھیلے ہوئے ممالک کو فتح کیا اور وہاں میں عدل و انصاف کی حکومت قائم کی۔ اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کا سامان اور ضروریات اس کو عطا کیے گئے تھے۔ آپ نے فتوحات کرتے ہوئے مختلف اطراف کے اسفار کیے جن میں مشرق اقصیٰ، مغرب اقصیٰ اور شمالی کوہستان کے ممالک شامل ہیں۔ اسی سفر کے دوران آپ نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو آہنی دیوار سے بند کر دیا جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر وہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچاتے اور پریشان کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا نزول ضروریات کے مطابق ہوتا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت جو سوال ہوا تھا اس کے سائلین کی تشفی مذکورہ جواب سے ہو گئی تھی، اس لیے قرآن مجید میں ذوالقرنین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذخیرۂ احادیث میں اس کے بارے میں کوئی خاص ذکر ملتا ہے، البتہ اس بارے میں تاریخی اور اسرائیلی روایات ملتی ہیں لیکن چونکہ ذوالقرنین کی تعیین کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں اس لیے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسکندر مقدونی یونانی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے، اور اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

لما قال: والاقرب عندی ذکر اهل الملل والنحل ...... اعتبار انه الاسکندر بن فیلفوس غالب دارا۔ الخ۔ (روح المعانی ج ۱۶ ص ۳۳ سورۃ کہف آیت ۸۳)

(۲) اسی طرح امام رازیؒ نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی قول کو ذکر کر کے اس پر دلائل پیش کیے ہیں اور اخیر میں کہتے ہیں: "والقول الاول اظهر لما ذكرنا۔ الخ"

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۶۵ سورۃ کہف آیت ۸۳)

لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس قول کی بڑی سختی سے تردید کی ہے کہ اسکندر مقدونی کافر و مشرک تھا اور حکیم ارسطو اس کا استاد تھا اور جس شخص کا ذکر قرآن کریم میں آیا وہ اتفاقاً مومن تھا، بلکہ بعض کے نزدیک تو نبی تھا، لہٰذا اس کو اسکندر مقدونی کہنا غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۹۶ خبر ذی القرنین)

(۳) بعض محدثین اور مفسرین کے نزدیک ذوالقرنین سے مراد ابوکرب شمر بن عمیر حمیری تھا اور
وہ اس پر حمیر کے شعراء کے قصائد سے استدلال کرتے ہیں جن میں ذوالقرنین کی تعریف کی گئی
ہے اسی قول کو ابوریحان بیرونی نے ترجیح دی ہے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۴) اور اکثر متقدمین کے نزدیک ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، حج کے
موسم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے
وزیر یا مشیر تھے۔

(۵) جدید دور کے محققین اور تاریخ القرآن کے ماہرین مثلاً مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا ابوالکلام
آزاد وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین سے مراد فارس کا وہ بادشاہ ہے
جسے یہود خورس، یونانی سائرس، فارس گورش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔ اس پر وہ قرآن کریم
سے اور تاریخی شواہد اور اسرائیلی روایات سے دلائل قائم کرتے ہیں۔

(قصص القرآن ج ۳ ص ۱۸۹ تا ۱۱۲ ذوالقرنین)

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی تفسیر

سوال: شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎
سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد
جس میں اصحاب کہف کے کتے کا انسان بننا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے ذہن میں کچھ
خدشات پیدا ہوتے ہیں کہ اصحاب کہف کا کتا کیسے انسان بنا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں: لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تو پھر اس کتے میں کیسے تبدیلی آئی کہ وہ انسان بن گیا؟

الجواب: قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ اصحاب کہف کا
کتا انسان بن گیا ہو اور نہ ہی شیخ سعدیؒ کی یہ مراد ہے بلکہ شیخ سعدیؒ نیک بندوں کی
صحبت کے اچھے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کتے نے (جو کہ
نجس حیوان ہے) اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے
قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا، جب کتے کو نیکوں کی صحبت سے اتنا بلند رتبہ ملتا ہے تو
مومن موحد جب ایسا کرے گا تو وہ ضرور اس رتبے کا مستحق بنے گا۔

لما قال محمد بن احمدؒ: قلت اذا كان بعض الكلاب قد نال هذه الدرجة
العليا بصحبته ومخالطته الصلحاء والاولياء حتى اخبر الله تعالى بذلك في كتابه
جل وعلا فما ظنك بالمؤمنين الموحدين (قرطبی ج ۱۰ ص ۳۷۱ سورۃ الکہف آیت ۱۸)

اور مردم شدہ کا معنی یہ ہے کہ یہ کتا انسانوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا یہ نہیں کہ انسان بن گیا تھا۔ ای مردمان داخل جنت شد۔ (روح البیان ج ۵ ص ۲۲۵ سورۃ الکہف آیت ۱۸)

اور لا تبدیل لخلق اللہ میں خلق سے مراد دین اور فطرت سلیمہ ہے۔

لہ قال اسماعیل ابن کثیرؒ: قال بعضھم لا تبدلوا خلق اللہ فتغیروا الناس عن فطرتھم التی فطرھم اللہ علیھا وھو معنی حسن۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۲ سورۃ الروم آیت ۳۰) لہ

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی تحقیق

سوال:۔ بعض لوگ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایک خاص بیماری کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس بیماری کی وجہ سے آپ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور قرآن و حدیث کی رو سے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب:۔ اس بارے میں قرآن کریم میں صرف اتنی تصریح موجود ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید بیماری لاحق ہوگئی تھی جس سے نجات کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطا فرمائی۔ لیکن اس بیماری کے تعین کے بارے میں قرآن کریم ساکت ہے، اسی طرح ذخیرۂ احادیث بھی اس کے تعین سے خاموش ہے۔ البتہ بعض آثار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے جن کی وجہ سے لوگ نفرت کا اظہار کرتے تھے، لیکن محققین مفسرین نے ان آثار کی صحت سے انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماری تو آسکتی ہے لیکن انہیں کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا جو عوام کی نفرت کا سبب بنے۔ لہٰذا حضرت ایوب علیہ السلام کو بیماری کوئی خاص بیماری نہ تھی بلکہ عام بیماری تھی اور جن آثار میں ان کی طرف کیڑوں کی نسبت کی گئی ہے ان پر روایۃً و درایۃً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

لہ قال محمود الآلوسیؒ وکل ذلک لا اقول بہ عندی منقصۃ ما لا یلیق بمنصب الانبیاء علیہم السلام۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۰۶) لہ

لہ قال علماء الدین النسفیؒ لا تبدیل ای ما ینبغی ان تبدل تلک الفطرۃ او تغیر وقال الزجاج معناہ لا تبدیل لدین اللہ ویدل علیہ ما بعدہ۔ (مدارک التنزیل ج ۳ ص ۲۷۲ سورۃ الروم آیت ۳۰)

۲ لہ ولا شک ان ھذا البحث من اخبار الآحاد التی تصادم اساس الۃ العصمۃ من ان الانبیاء یجب ان لا یکون فیھم من الامراض ما ینفر الناس منھم۔ (تفسیر مراغی احمد مصطفیٰ ج ۲۳ ص ۱۲۵)

معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال ما اصاب داؤد ما اصابه بعد القدر الا من عجب به من نفسه وذلك انه قال يارب ما من ساعة من الليل ولا نهار الا وعابد من آل داؤد يعبدك يصلى لك ويسبح او يكبر وذكر اشياء فكره الله ذلك فقال يا داؤد ان ذلك لم يكن الا بي فلولا عوني ما قويت عليه وجلالي لاكلنك الى نفسك يوما قال يا رب فاخبرني به فاصابته الفتنة ذلك اليوم۔ (رواه الحاكم فی المستدرک ج۲ ص۴۳۳)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض امور مثلاً حسن انتظام اور ہر وقت عبادت میں مشغول رہنے سے ایک نوع اعجاب کی وجہ سے بطور عتاب یہ واقعہ پیش آیا۔

تعداد ازواج حضرت داؤد علیہ السلام

سوال:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کتنی تھی؟

الجواب:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مؤرخین اور مفسرین نے ایک سو[1] بتائی ہے لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں اس لیے کہ ان کی شریعت میں تعداد ازواج کے بارے میں کوئی خاص عدد مقرر نہیں تھی کہ جس کی پابندی کی جاتی۔

لما قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ: وكانت له مائة امرأة منهن امرأة [illegible] ام سليمان التي تزوجها بعد الفتنة وقد ذكر الكلبي نحو هذا۔ (البداية والنهاية ج۲ ص۱۵) [2]

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ کی تفسیر

سوال:۔ سورۃ ص کی آیت ۷۵ ﴿اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ﴾ میں لفظ عالین سے بعض لوگ جماعت پنج تن پاک مراد لیتے ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک پنج تن پاک سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

---

[1] وقال القرطبی: وفی التفسیر انه تسع وتسعون امرأة۔ قال ابن العربیؒ: ان كان جميع هن حرائر فذلك شرعه وان كن اماء فذلك شرعنا والظاهر ان شرع من تقدم قبلنا لم يكن محصوراً بعدد وانما الحصر فی شريعة محمد صلى الله عليه وسلم لضعف الابدان وقلة الاعمار۔ (احكام القرآن للقرطبی ج۱۵ ص۱۷۱ سورة ص)

[2] ومثله فی تفسير جلالين ج۲ ص۳۸۱ سورة ص۔

کرنے سے مستثنیٰ کیا گیا تھا، کیا واقعۃً کوئی ایسی جماعت تھی جسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مستثنیٰ کیا گیا ہو؟

الجواب:- حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا جس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور مخلوق نہیں تھا، جبکہ جن پاک کی جماعت اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کسی تفسیر قرآن یا حدیث میں یہ بات نہیں ملتی کہ یہاں عالین سے مراد جن پاک ہوں جبکہ اس آیت کی جو تفسیر ہے وہ یوں ہے کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! تو نے میری اس مخلوق کو سجدہ کیوں نہ کیا جو میرا حکم تھا، تو نے اب تکبر کیا یا تو پہلے سے متکبر تھا۔

کما قال العلامۃ محمود الآلوسی: استکبرت من غیر استحقاق ام کنت من العالین ولکنت مستحقا للعلو فائقا فیہ. وقیل: الذی احدثت بک الاستکبار ام کنت من قبل منسلکا فی المتکبرین۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۲۲۴ سورۃ ص)

لفظ اعداء اللہ کی تفسیر

سوال:- کیا سورۃ حم السجدہ کی مندرجہ ذیل آیات ﴿وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمْ یُوْزَعُوْنَ، حَتّٰی اِذَا مَا جَآءُوْہَا شَہِدَ عَلَیْہِمْ سَمْعُہُمْ وَاَبْصَارُہُمْ وَجُلُوْدُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (آیت ۱۹، ۲۰) سے یہود ونصاریٰ، مشرکین، دہریہ وغیرہ ہی مراد ہیں یا جو لوگ کلمہ پڑھ کر حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں اور خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

الجواب:- کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں قطعی طور پر فیصلہ کرنا کہ اس سے یہی مراد ہے کوئی اور نہیں، یہ تب ہو سکتا ہے جب الفاظ کی دلالت کا اس پر قطعی یقینی ہو، دوسرا احتمال نہ ہو یا اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح موجود ہو، ان دونوں صورتوں کے علاوہ قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم آیت کا سیاق وسباق، موقع ومحل کی مناسبت اور قرآن کی دوسری نظائر ایسی چیزیں ہیں کہ ان سے عقل سلیم والا شخص کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں ظن غالب

لہ وقال ابن الجوزی: استکبرت بنفسک حین ابیت السجود ام کنت من العالین ای من قوم یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونک من قوم یتکبرون. (زاد المسیر ج ۷ ص ۱۵۰ سورۃ ص)

ومثلہ قال الصابونی فی صفوۃ التفاسیر ج ۳ ص ۶۲ سورۃ ص۔

یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔

اب زیر غور آیت کریمہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کو مد نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفار و مشرکین ہی ہیں، مومنین عاصین مراد نہیں ہیں۔

(۱) **سیاق و سباق:** سورۃ کی ابتداء ہی سے کفار و مشرکین عرب کے ساتھ تین باتوں پر گفتگو چل رہی ہے۔ قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا، اثبات توحید، اثبات رسالت اور مختلف دلائل و براہین سے ان مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور اس کے بعد ویوم یحشر اعداء اللہ کے ساتھ ان ہی کفار کے عقوبات کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۲) **مقامی قرائن:** یہاں پر یہ ہیں کہ یہاں پر اعداء اللہ کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں جو کہ کفار کے ساتھ خاص ہیں، ایک یہ کہ وَلٰکِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ دوسری اعضاء کی شہادت، تیسری فَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ۔

(۳) یہ کہ لفظ اعداء اللہ کا اطلاق قرآن کریم میں کفار ہی پر ہوتا ہے، چند مقامات ملاحظہ ہوں: ۱۔ ذٰلِکَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰہِ النَّارُ (حم السجدۃ آیت ۲۸) ۲۔ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ (البقرہ ۹۸) ۳۔ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ (الممتحنہ ۱) ۴۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ (الفرقان ۳۱) ۵۔ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (الانعام ۱۱۲)

اس کے برعکس قرآن کریم میں جب اللہ تعالیٰ مومنین سے مخاطب ہوتے ہیں تو اولیاء یا ولی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، مثلاً ۱۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ ۲۵۷) ۲۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران ۶۸) ۳۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (المائدہ ۵۵) ۴۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس ۶۲)

ان تمام شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفار ہیں نہ کہ مومنین فاسقین۔

اب مفسرین کے اقوال ملاحظہ کریں۔

علامہ شہاب الدین آلوسی فرماتے ہیں ویوم یحشر اعداء اللہ ای الکفار من الاولین والآخرین۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴ ص [illegible] سورۃ حم السجدۃ آیت ۱۹) [1]

۱۔ علامہ ابو حیان اندلسی فرماتے ہیں: اعداء اللہ ہم الکفار من الاولین والآخرین۔ (البحر المحیط ج ۷ ص [illegible] حم السجدۃ ۱۹)

ومثلہ فی احکام القرآن ج ۵ ص [illegible] سورۃ حم السجدۃ آیت ۱۹۔

منافقین کی لکڑی سے تشبیہ

سوال: سورۂ منافقون کی آیت ۴ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ کا معنی اور مطلب کیا ہے؟

الجواب: اس سے پہلے منافقین کی بحث چل رہی ہے، اس آیت میں اللہ کریم نے منافقین کے بے عقل اور بے ایمان ہونے کی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہو لیکن بے جان ہوتی ہے، یہی حالت منافقین کی ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر جسیم و ضخیم نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خالی ہوتے ہیں۔

لما قال الامام فخر الدین الرازی: والخشب لا تعقل ولا تفهم فکذٰلک اهل النفاق کانهم فی ترک التفهم والاستبصار بمنزلة الخشب۔ (تفسیر کبیر ج ۳۰ ص ۱۵ سورۃ المنافقون آیت ۴) لـه

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا عموم پر محمول کرنا

سوال: اگر کوئی شخص سورۃ الم نشرح کی آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے بارے میں یہ کہے کہ اس سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو زندگی کے تشکیلی دور میں محنت کا سہرا لے کر بلند مرتبہ حاصل کرے وہ بھی اس بلندی اور رفعت میں داخل ہے، کیا اس آیت سے یہ مفہوم مراد لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں کاف واحد مخاطب کی ضمیر ہے اس لئے اس آیت میں خطاب خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو عام کرنا اور ہر شخص کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ یہاں رفعت ذکر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اذان، کلمہ تشہد وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کرنا ہے جو کسی اور کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لما قال محمد بن احمد القرطبی تحت هٰذه الآیة: روی الضحاک عن ابن عباس قال: یقول له لا ذُکِرتُ الا ذُکِرتَ معی فی الاذان والاقامة والتشهد ویوم الجمعة علی المنابر۔ (احکام القرآن للقرطبی ج ۲۰ ص ۱۰۶ سورۃ الانشراح آیت ۴) لـه

لـه وقال القاضی البیضاوی رحمه اللہ: ای مشبهین باخشاب منصوبة مسندة الی الحائط فی کونهم اشباحا خالیة عن العلم والنظر۔ (تفسیر بیضاوی ج ۵ ص ۱۳۳ سورۃ المنافقون آیت ۴)

ومثله فی تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۳۸ سورۃ المنافقون آیت ۴۔

لـه وقال المحلی رحمه اللہ: بان تذکر مع ذکری فی الاذان والاقامة والتشهد والخطبة وغیرها۔ (تفسیر جلالین ج ۲ ص ۵۰۲ سورۃ الانشراح آیت ۴)

ومثله فی تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۶۹ سورۃ الانشراح آیت ۴۔

قرآن کریم کو چومنا

سوال:- اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم اٹھاتے اور رکھتے وقت اسے چومتے ہیں، کیا قرآن کریم کو چومنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ قرآن کریم کو چومتے تھے اور اس میں قرآن کریم کی تعظیم و تکریم مضمر ہے لہٰذا ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: روی عن عمرؓ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۵ ص۲۴۶ کتاب الحظر والاباحۃ – باب الاستبراء وغیرہ)

ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! بعض اساتذہ ناظرہ قرآن مجید یا حفظ القرآن کی تکمیل کرنے والے طالب علم کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ قرآن مجید ختم کرتے وقت سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن نہیں جبکہ اکثر مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن ہے، البتہ اگر ختم قرآن فرض نماز میں ہو تو ایک بار سے زیادہ نہ پڑھے۔

قال العلامة ابراہیم الحلبیؒ: قراءۃ قل ہو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنہا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیثؒ ہذا شیء استحسنہ اہل القرآن وائمۃ الامصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ۔

(کبیری ص۴۹۶ مسائل القراءۃ خارج الصلوۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ: قراءۃ قل ہو اللہ احد ثلاث مرات عقیب الختم لم یستحسنہا بعض المشائخ واستحسنہا اکثر المشائخ لجبر نقصان دخل فی قراءۃ البعض الا ان یکون ختم القرآن فی الصلوۃ المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ واحدۃ کذا فی الغرائب۔ (الفتاوی الہندیۃ [illegible] الباب الرابع فی الصلوۃ والتسبیح وقراءۃ القرآن والذکر والدعاء ورفع الصوت عند قراءۃ القرآن)

قرأت سبعہ میں قرآن کریم پڑھنا

سوال: جناب مفتی صاحب! میں نے ایک مسجد میں ایک مولانا صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھی جنہوں نے عام قرأت کے علاوہ قرأت سبعہ میں تلاوت قرآن پاک کر کے نماز پڑھائی، کیا اس صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ نیز قرأت سبعہ تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جو قرأت ہم تک پہنچی ہیں ان میں بعض متواتر ہیں بعض مشہور اور بعض احاد اور شاذ کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جہاں تک قرأت سبعہ کا تعلق ہے تو یہ قرأت سبعہ ثابت ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت جمہور کے نزدیک حد تواتر تک نہیں پہنچی ہے جبکہ بعض تواتر کے قائل ہیں، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو قرأت سبعہ میں ہو جاتی ہے۔

قال العلامة السيوطيؒ: قال في اول كتاب النشر كل قرأة وافقت العربية ولو بوجه ووافقت احد المصاحف العثمانية ولو احتمالاً وصح سندها فهي القراءة الصحيحة التي لا يجوز ردها ولا يحل انكارها بل هي من الاحرف السبعة التي نزل بها القرآن ووجب على الناس قبولها سواء كانت عن الائمة السبعة ام عن العشرة ام عن غيرهم من الائمة المقبولين۔
(الاتقان في علوم القرآن ج۱ ص۷۵ النوع الثاني۔ معرفة المتواتر والمشهور)[1]

قرأت عشرہ کا ثبوت

سوال: جناب مفتی صاحب! قرأت سبعہ کا تو تواتر سے ثبوت ہے اس کے علاوہ جو شخص عشرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو تو غلطی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قرأت عشرہ اگرچہ تواتر سے ثابت نہیں مگر اس کا ثبوت حد شہرت کو پہنچا ہوا ہے اس میں قرآن پڑھنے والے کو غلطی کہنا درست نہیں اس لیے کہ اس کے ناقل کبار تابعینؒ و صحابہ کرامؓ تک ہیں۔

---

[1] قال صاحب مناهل العرفان: وجاء اقتصاره على هؤلاء السبعة مصادفة واتفاقاً من غير قصد ولا عمد ذلك انه اخذ على نفسه الا يروى الا عمن اشتهر بالضبط والامانة وطول العمر في ملازمة القراءة واتفاق الاراء على الاخذ عنه والتلقي منه .... بل كل قرأة توافرت فيها الاركان الثلاثة فضابط المشهور وجب قبولها۔ (مناهل العرفان ج۱ ص۴۵۱ اعداد القرأت)

قال صاحب مناهل العرفان: الاول المتواتر ... والثاني المشهور ... وهذان القسمان هما اللذان يقرأ بهما مع وجوب اعتقادهما ولا يجوز انكار شيء منهما۔ (مناهل العرفان ج ۱ ص ۴۳۰ بحث حادی عشر في القراءات والقراء والشبه التي اثيرت في هذا المقام) [1]

مقام محمود سے کیا مراد ہے

سوال: اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سورۃ الاسراء آیت ۷۹) سے کیا مراد ہے؟ کیا مقام محمود جنت میں کوئی جگہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائے گی یا کوئی اور خاص مقام ہے؟

الجواب: جمہور علماء امت صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس مقام کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ ہے جو بلند مرتبہ کسی بھی دوسرے نبی یا رسول کو حاصل نہ ہوگا، چنانچہ بعض روایات بھی اسی قول کی تائید کرتی ہیں۔

قال العلامة ابن الجوزیؒ: قوله مقاماً محموداً وهو الذي يحمده لاجله جميع اهل الموقف وفيه قولان احدهما انه الشفاعة للناس يوم القيامة، قاله ابن مسعود وحذيفة بن اليمان وابن عمر وسلمان الفارسي وجابر بن عبد الله والحسن وهي رواية ابن ابي نجيح عن مجاهد والثاني يجلسه على العرش يوم القيامة وروى ابو وائل عن عبد الله انه قرأ هذه الآية وقال

---

[1] قال العلامة جلال الدين السيوطيؒ: اعلم ان القاضي جلال الدين البلقيني قال القراءة تنقسم الى متواتر وآحاد وشاذ فالمتواتر القراءات السبعة المشهورة والآحاد قراءات الثلاثة التي هي تمام العشر ويلحق بها قراءة الصحابة والشاذ قراءة التابعين ... قال الداني وائمة القراء لا تعمل في شيء من حروف القرآن على الافشى في اللغة والاقيس في العربية بل على الاثبت في الاثر والاصح في النقل واذا ثبتت الرواية لم يردها قياس عربية ولا فشو لغة لان القراءة سنة متبعة يلزم قبولها والمصير اليها۔

(الاتقان في علوم القرآن ج ۱ ص ۷۷ النوع الثاني ... معرفة المتواتر والمشهور والآحاد ... الخ)

بمعبره على العرق وكذلك روى الضحاك عن ابن عباس وليث عن مجاهد ۔

(تفسیر زاد المسیر ج۵ ص۷۶ قوله تعالیٰ: عسیٰ ان یبعثک ربک الخ)

دورانِ تلاوت حضور انور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر قرآن کریم کی تلاوت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آجائے تو کیا اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا ضروری ہے یا تلاوت سے فارغ ہو کر پڑھا جائے؟

الجواب:۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سنتے ہی شرعاً درود وسلام پڑھنا واجب ہے مگر دورانِ تلاوتِ قرآن بہتر یہ ہے کہ تلاوت کو جاری رکھا جائے اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھا جائے تاہم اگر دورانِ تلاوت ہی درود پڑھ لیا جائے تب بھی جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولو قرأ القرآن فمر على اسم النبي صلى الله عليه وسلم فقراءة القرآن على تأليفه ونظمه أفضل من الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك الوقت فان فرغ ففعل فهو أفضل والا فلا شيء عليه ۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۵۱ مطلب في المواضع التي تكره فيها الصلوة على النبي ﷺ)

۱؎ قال العلامة الآلوسیؒ: مقاماً محموداً والمراد به مقام الشفاعة العظمى في فصل القضاء حيث لا أحد الا وهو تحت لوائه صلى الله عليه وسلم فقد أخرج البخاري وغيره عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان الشمس لتدنو حتى يبلغ العرق نصف الأذن فبينما هم كذلك استغاثوا بآدم فيقول لست بصاحب ذلك ثم موسى فيقول كذلك ثم محمد فيشفع فيقضي الله تعالى بين الخلق فيمشي حتى يأخذ بحلقة باب الجنة فيومئذ يبعثه الله مقاماً محموداً يحمده أهل الجمع كلهم ۔ (تفسير روح المعاني ج۱۵ ص۱۴۱ عسىٰ ان يبعثك ربك)

۲؎ قال العلامة قاضیخانؒ: رجل يقرأ القرآن فسمع اسم النبي صلى الله عليه وسلم قال بعضهم انه لا يجب عليه الصلوة والتسليم لان قراءة القرآن على النظم والتأليف أفضل من الصلوة عليه صلى الله عليه وسلم فاذا فرغ من القراءة ان صلى على النبي صلى الله عليه وسلم كان حسناً وان لم يصل فلا شيء عليه ...الخ (فتاوى قاضيخان ج۴ ص۳۷۷ كتاب الحظر والاباحة)

ومثله في الهندية ج۵ ص۳۱۶ كتاب الكراهية الباب الرابع في الصلوة والتسبيح ...الخ

اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا

سوال: میں ایک دن مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ اذان شروع ہو گئی تو ایک صاحب نے اس کو سختی سے منع کیا، تو کیا اذان کے دوران قرآن کریم کی تلاوت کرنا ممنوع ہے؟

الجواب: اذان کے وقت اگرچہ تلاوتِ قرآن ممنوع نہیں، تاہم بہتر یہ ہے کہ اذان شروع ہوتے ہی تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کو سن کر اس کا جواب دیا جائے۔

قال القاضی خانؒ: ولو سمع القاری الاذان فالافضل له ان یمسک عن القراءة ویسمع الاذان۔ الخ۔ (فتاوی قاضیخان ج۳ ص۴۲۳ کتاب الحظر والاباحة)[1]

قرآن کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود شریف پڑھنا؟

سوال: دو آدمیوں کی ایک جگہ اس مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی کہ تلاوتِ قرآن افضل ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا افضل ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ قرآن کریم کی تلاوت افضل ہے۔ براہ کرم آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب: مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ اوقاتِ مکروہہ یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا شرعاً مکروہ ہے ان اوقات میں تلاوتِ قرآن کے علاوہ دیگر تسبیحات و اذکار اور درود شریف پڑھنا افضل ہے، اس کے علاوہ دیگر اوقات میں تلاوتِ قرآن پاک کرنا افضل ہے۔

لما قال الشیخ عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ: القراءة افضل الاذکار لانه کلام اللہ تعالیٰ کما فی الحصن الحصین لکن فی الاوقات التی یکره الصلوة فیها کما بعد صلوة الفجر الی طلوع الشمس فالتسبیح والدعاء والصلوة علی النبی

---

[1] وفی الهندیة: ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولا یشتغل بقراءة القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابة ولو کان فی القراءة ینبغی ان یقطع و یشتغل بالاستماع والاجابة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان، ومما یتصل بذلک اجابة المؤذن)

وبمثله فی البدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۵ فصل واما بیان ما یجب علی السامعین ۔ الخ۔

صلی اللہ علیہ وسلم فیہا افضل من قراءۃ القرآن وکان السلف یستحبون فی ذلک الوقت ولا یقرآن۔ (رفیع المفتی والسائل ص۱۲ مایتعلق بقراءۃ القرآن) ؎۱

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زید اور بکر کے درمیان قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے بارے میں بحث ہوئی، زید نے کہا کہ قرآن کریم کا وہ نسخہ جو بوسیدہ ہو چکا ہو تو اس کو جلانا جائز ہے اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کا عمل پیش کیا، جبکہ بکر نے کہا کہ مطلقاً قرآن کریم کو جلانا جائز نہیں، اگرچہ بوسیدہ ہو چکا ہو، ازراہ کرم قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح صورتحال سے ہمیں مطلع فرمائیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب قرآن کریم کا کوئی نسخہ بوسیدہ ہو جائے اور تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو جلایا نہ جائے بلکہ کسی محفوظ مقام میں دفن کر دیا جائے اس لیے صورت مسئولہ میں بکر کا قول درست ہے۔ جہاں تک اس بارے میں حضرت عثمانؓ کے عمل کا تعلق ہے تو محدثین نے اس کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اولاً ان اوراق کو پانی سے دھویا پھر آگ سے جلایا، گویا کہ آپؓ نے مصحف کو نہیں بلکہ ان صاف اوراق کو جلایا تھا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقًا وتعذر القراءۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ اشار محمد وبہ ناخذ۔ (ردالمحتار ج۶ ص۴۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابراہیم حلبیؒ: وسئل بقالی عن قراءۃ القرآن فی الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا ہو افضل ام الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذکر والتسبیح فقال الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذکر والتسبیح افضل ۔ الخ (حلبی کبیری ص۴۹۹ تتمات فیما یکرہ من القراءۃ فی الصلوٰۃ وما لا یکرہ وفی القراءۃ خارج الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۵ ص۳۱۶ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح ... الخ

؎۲ وفی الہندیۃ: المصحف اذا صار خلقًا وتعذرت القراءۃ منہ لا یحرق بالنار اشار الشیبانی الی ہذا فی السیر الکبیر وبہ ناخذ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۳۲۳ کتاب الکراہیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف۔ الخ)

ننگے بیٹھنے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک فوجی خطیب ہوں، فوجی قانون یہ ہے کہ صبح سویرے فوجی جوان ننگے بدن نیکر پہن کر پریڈ کے لیے اسمبلی میں آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رانیں ننگی ہوتی ہیں، اس حالت میں مجھے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- باتفاق علماء امت مرد کی ران عورت (ستر) ہے، اس کو بلا عذر شرعی ننگا رکھنا ناجائز وحرام ہے، جس جگہ لوگ ناجائز اور حرام امور میں مشغول ہوں تو وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اس کا درس دینا بے ادبی ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں فوجیوں کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت سے اجتناب کیا جائے اور فوجیوں کو ستر عورت کی تلقین کی جائے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: سلامك مكروه على من ستسمع ..... ومن بعد ما أبدي يسن و يشرع ولاعب شطرنج وشبه بخلقهم مكشوف عورة .... ومن هو في حال التغوط أشنع۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۱۸ باب ما يفسد الصلوٰة وما يكره فيها۔ مطلب المواضع التي يكره فيها السلام) بلفظه

بوسیدہ قرآن مجید دفنانا جائز ہے

سوال:- جو مصاحف قرآنیہ بوسیدہ ہو جائیں اور تلاوت کرنے کے قابل نہ رہیں تو ان قرآنی نسخوں کا کیا کیا جائے؟ از روئے شرع اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو قرآنی نسخہ اتنا بوسیدہ ہو کر اس پر تلاوت کرنا ناممکن ہو جائے تو اس کو مسلمان میت کی طرح قابل احترام اور محفوظ مقام پر دفن کیا جائے تاکہ پاؤں تلے آنے سے بچ سکے، تاہم اگر کسی بوری وغیرہ میں ڈال کر اور ساتھ بھاری پتھر رکھ کر دریا برد کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: المصحف اذا صار بحال لا يقرأ فيه يدفن كالمسلم، قال
له وفي الهندية: ولا يسلم على الذي يتغنى والذي يبول والذي يطير الحمام ولا يسلم في الحمام ولا على العاري اذا كان متزرا ولا يجب عليهم الرد ..... الخ
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۲۶ كتاب الكراهية الباب السابع في السلام وتشميت العاطس)
ومثله في البحر الرائق ج۸ ص۲۰۷ كتاب الكراهية۔

ابن عابدینؒ: (تحت قوله یدفن) أي يجعل في خرقة طاهرة ويدفن في محل غير ممتهن لا يوطأ ۔ ردالمحتار ج ۱ ص [illegible] کتاب الطہارۃ ۔ قبیل باب المیاہ وفیہ ابحاث نفیسۃ

جس کمرے میں قرآن مجید ہو اس کی چھت پر چڑھنا

سوال:- تقریباً ہر مسلم گھرانے میں قرآن کریم کے نسخے موجود ہوتے ہیں اور لوگ بوقت ضرورت مکان کی چھت پر چڑھتے بھی ہیں، تو کیا جس مکان میں قرآن مجید موجود ہو اس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام کی واضح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مکان میں قرآن کریم کا نسخہ موجود ہو اس کی چھت پر اگر پیشاب کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، جب قرآن مجید کی موجودگی میں مکان کی چھت پر پیشاب کرنا قبیح امر نہیں تو مکان کی چھت پر صرف چڑھنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: فلو بال على سطح بيت فيه مصحف وقلت لا يكره ۔ ردالمحتار ج ۱ ص [illegible]

قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق

سوال:- جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں آرہا ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی مدت ایک آیت میں ایک ہزار سال بتائی ہے اور ایک دوسری آیت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قیامت کا دن ایک ہی ہے تو پھر اس مختلف مدت کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ از راہ کرم میرے اس اشکال کو دور فرمائیں؟

الجواب:- اگرچہ ان دونوں آیات میں ظاہری تعارض ہے مگر حقیقی نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ مختلف مدت لوگوں کے جرائم کے تفاوت کی وجہ سے بیان کی ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن کی سختی سے مختلف مدت میں یہی احساس نظر آئے گی۔

لما في الهندية: المصحف إذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلك ... الخ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۳ كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ)

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یہ دونوں آیتیں یوم قیامت کے بارے میں ہیں اور تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ مختلف لوگوں کو استعداد کے تفاوت سے مقدار میں تفاوت محسوس ہوا کرتا ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۲۵ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن) ؎۱

ابلیس بھی حکمِ سجدہ کا مکلف تھا

سوال: قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ... الخ میں حکم صرف فرشتوں کو تھا جبکہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون کیوں کر دیا؟

الجواب: ظاہر آیت میں تو اگرچہ صرف فرشتوں کا ذکر ہے مگر یہ صرف تغلیباً ہے ورنہ حکم ابلیس کو بھی ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب اور سوال و جواب قرینہ ہے بسا اوقات قیام قرینہ سے کسی شخص پر امر کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یاں حکم اس کو بھی ہوا تھا اور جب امر پر قرینہ قائم ہوتا ہے اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہوا کرتی اور یہاں قرینہ لفظ میں موجود ہے وہ یہ کہ جب اس پر عتاب کی حکایت بیان فرمائی گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مامور تھا اور پھر سورۂ اعراف میں یہ آیت مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ اس میں صاف ہی تصریح ہے پہلی دلیل عقلی دوسری دلیل نقلی۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۲۵ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن) ؎۲

مَعِیْشَۃً ضَنْکًا کی تفسیر

سوال: جناب مفتی صاحب! قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ذکر خداوندی سے اعراض کرے

؎۱ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: هو يوم القيامة جعله الله على الكافرين مقدار خمسين ألف سنة ثم يدخلون النار للاستقرار. (تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۲۸۲ سورۃ المعارج)

ومثلہ فی بوادر النوادر ج ۲ ص ۳۰۹ حصہ سوم نوادر نمبر ۸ بادرہ۔

؎۲ قال مولانا محمد ادریس کاندھلوی: ابلیس اگرچہ ملائکہ سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ان کو خطاب جو جمیع ملائکہ کو تھا بالامر داخل تھا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۹۲ سورۃ البقرۃ)

ومثلہ فی تفسیر ماجدی سورۃ البقرۃ ج ۱ ص ۸۲

تو اس کی زندگی معیشت تنگ ہوگی، حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کفار و فجار جو دینِ الٰہی کے دشمن ہیں ان کی زندگی بہت آسودہ ہوتی ہے ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے، تو پھر اس آیت میں زندگی و معیشت کی تنگی کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: اسلام دشمن اور خدا کے باغی اگرچہ ظاہری طور پر دنیا میں کافی آسودہ حال اور خوش و خرم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور ان کی ہر خوشی و مسرت ظاہری اور دکھاوے کی ہوتی ہے، اسی طرح آیت مذکورہ میں بھی باطنی تنگی مراد ہے نہ کہ ظاہری تنگی مراد ہے۔

قال الشیخ محمد ادریس کاندھلوی: دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں، بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولتمند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے، جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا، ظاہر میں بیشمار دولت ہوتی ہے مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہوتا ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہوتا ہے ...... الخ

(معارف القرآن جلد ۴ ص ۵۹۱)[1]

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً کی تفسیر

سوال: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ النور آیت ۳) اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ کے ساتھ نیک مسلمان کا نکاح صحیح نہیں جبکہ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ یصح نکاح الحبلیٰ من الزنا۔ اور اسی طرح بعض واقعات رونما بھی ہو چکے ہیں کہ کسی زانیہ سے ایک نیک متقی و پرہیزگار شخص نے نکاح کیا ہے کیا ایسا نکاح

---

[1] قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: یہی تنگی متعلق بقلب است ہرگز کسے را از اعمال خیرا بدیدہ در دولت تنگی و فراخی باشد مراسر انہ پریشانی دیگر بر قی باشد۔ اھ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۶۱ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن)

صحیح نہیں اگر صحیح ہے تو پھر آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :- اگرچہ اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسرین عظام نے مختلف تاویلات اور اقوال بیان کیے ہیں لیکن جمع بین الروایات کے تحت یہ قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مقصود اخبار ہے نہ کہ حکم شرعی یعنی زانیہ عورت عادتاً کسی صالح مرد سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتی اور نہ کوئی صالح مرد کسی زانیہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے، اس لیے کہ پاکدامنی اور عفت سے محبت ایک طبعی امر ہے، باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زانیہ کا نکاح حکم شرعی کے تحت جائز اور صحیح ہے۔

قال القاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ: وعند الائمة الثلاثة نكاح الزاني والزانية صحيح وفي تفسير هذه الاية قال بعضهم معناه الاخبار كما هو ظاهر صيغة والمعنى ان الزاني لاجل فسقه لا يرغب غالبا في نكاح الصالحات والزانية لا يرغب فيها الصلحاء فان المشاكلة علة الالفة والتضام والمخالفة سبب للنفرة والافتراق وكان حق المقابلة ان يقال والزانية لا تنكح الا من زان او مشرك لكن المراد بيان احوال الرجال في الرغبة فيهن لما ذكرنا انها نزلت في استيذان الرجال من المؤمنين ـ

(تفسیر المظہری ج ۶ ص ۴۴۲ سورۃ النور)

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز ہے

سوال :- آج کل ذکری فرقہ کے لوگ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ آیات قرآنی سے نفس ذکر کے اثبات کے لیے استدلال کرتے ہیں، کیا واقعی ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ یا اس سے نماز ہی مراد ہے؟

الجواب :- احادیث صحیحہ اور اجماع امت اس بات کی توضیح کرتی ہیں کہ ان آیات سے مراد نماز معہود ہے، اس سے صرف ذکر الٰہی مراد لے کر نماز کی نفی کرنا تحریف فی القرآن کے مترادف ہے جس سے کفر لازم ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابو البركات عبد الله بن محمد النسفي رحمه الله: ويقيمون الصلوة اي يؤدونها فعبر عن الاداء بالاقامة لان القيام بعض اركانها كما عبر عنه بالقنوت وهو القيام وبالركوع والسجود والتسبيح لوجوده

جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ وہ توانا اور تندرست ہے اور پھر اس عمل پر قرآن کریم کی آیت مبارکہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین" (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۴) سے استدلال کرتا ہے، تو کیا صحت اور تندرستی کے باوجود فدیہ دے کر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب:- حالت صحت میں فرض روزہ رکھنے کے علاوہ کوئی اور عمل چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس کے بدلہ میں قبول نہیں۔ جہاں تک آیت مذکورہ کا تعلق ہے تو یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا لیکن بعد میں "فمن شہد منکم الشہر" سے منسوخ ہوگیا، لہٰذا موصوف کا مذکورہ آیت مبارکہ سے فدیہ کے جواز کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

لما قال الحافظ ابن کثیر: (وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین) کان من شاء صام ومن شاء اطعم مسکینا فاجزا ذلک عنہ ثم ان اللہ عزوجل انزل الآیۃ الاخری (شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن) الی قولہ (فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ) فاثبت صیامہ علی المقیم الصحیح ورخص فیہ للمریض والمسافر وثبت الاطعام للکبیر الذی لا یستطیع الصیام۔ (تفسیر ابن کثیر ج۱، ص۲۱۴ سورۃ البقرۃ) [لہ]

آیات قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب! آج کل اخبارات اور رسائل وغیرہ میں بغیر

لہ حدثنا ابن حمید قال ثنا جریر عن منصور عن ابراہیم عن علقمۃ فی قولہ (وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین) قال کان من شاء صام ومن شاء افطر واطعم نصف صاع مسکینا فنسخہا (شہر رمضان)... الی قولہ (فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ)

عن مغیرۃ عن ابراہیم بنحوہ وزاد فیہ قال فنسختہا ہذہ الآیۃ وصارت الآیۃ الاولی للشیخ الذی لا یستطیع الصوم یتصدق مکان کل یوم علی مسکین نصف صاع۔

سألت ابن ادریس ... سألت الاعمش عن قولہ (وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین)

فحدثنا عن ابراہیم عن علقمۃ قال نسختہا (فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ)

(جامع البیان ج۲ ص۱۳۳ سورۃ البقرۃ)

(ومثلہ فی الدر المنثور ج۱ ص۳۲۲ سورۃ البقرۃ)

عربی متن کے قرآنی آیات کا اردو ترجمہ شائع کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے جبکہ اس طرح کرنے میں قرآن کریم کی توہین بھی ہے؟

الجواب: علماء امت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بغیر عربی متن کے قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا حرام و ناجائز ہے، اس قسم کے عمل سے اجتناب کیا جائے (اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ "جواہر الفقہ" شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لیے وہاں مراجعت کریں) البتہ ایک دو آیتوں کا صرف ترجمہ شائع کرنا اس میں داخل نہیں، ہاں اگر اس کے شائع کرنے سے قرآن مجید کی توہین مقصود ہو تو پھر تو یہ اور بھی ناجائز اور حرام ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔

قال الشيخ ابن الهمام رحمه الله: وفي الكافي ان اعتاد القراءة بالفارسية او اراد ان يكتب مصحفاً بها يمنع وان فعل في آية او آيتين لا فان كتب القرآن وتفسير كل حرف وترجمته جاز. اهـ

(فتح القدير ج۱ ص۲۴۸ باب صفة الصلوٰة) [1]

سب سورتوں کے نام توقیفی ہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! قرآن کریم کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کے نام جو مشہور ہیں اس کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا کہ علماء کرام نے اپنی طرف سے یہ نام رکھے ہیں؟

الجواب: قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی خود ان کے نام رکھے ہیں، علماء کرام کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

قال الامام ولی الدين محمد بن عبد الله الخطيب العمري رحمه الله: عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا بيوتكم مقابر ان الشيطان

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وتجوز كتابة آية او آيتين بالفارسية لا اكثر. (قال الشامي) ولعل الفارسية غير قيد الخ. (الدر المختار مع رد المحتار ج۱ ص۳۵۴، مطلب في حكم القراءة بالفارسية او التوراة والانجيل)

ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ مترجم اردو ج ۱ ص ۴۵۸ فضائل القرآن باب)

قصہ ہاروت وماروت کی تحقیق

سوال: سورۂ بقرہ میں ہاروت وماروت کے ناموں سے جو قصہ مشہور ہے بعض علماء اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں جبکہ بعض تفاسیر میں اس قصہ کا باسند تذکرہ ملتا ہے اس قصہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب: ہاروت وماروت ایک اسرائیلی واقعہ ہے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس کو صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر نقل کے اعتبار سے یہ اسرائیلی واقعہ ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ اسرائیلیات کی نہ تصدیق کریں اور نہ تکذیب بلکہ اس بارے میں توقف سے کام لیں۔

قال الشیخ مفتی محمد شفیعؒ: الجواب: قصہ ہاروت وماروت کا تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں بہت مفصل لکھا ہے مگر یہ سب اسرائیلی روایات سے لکھا گیا ہے، تحقیق کی سندیں اگرچہ قوی بھی ہیں مگر منتہائے سند سب کا اسرائیلی روایات ہی ہوتا ہے جن کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس قصہ کا ثبوت کسی روایت میں ہے نہیں اور اسرائیلی روایات میں سے ہے ان کا اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد المفتین ج ۲ ص ۲۳۳ کتاب التفسیر)[2]

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیعؒ: سوال: زید کہتا ہے کہ سورۃ بقرہ نام حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں رکھا علماء نے خود یہ نام رکھ لیا ہے، یہ قول صحیح ہے یا نہ؟

الجواب: زید کا قول غلط ہے، متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام سورتوں کے مروی ہیں، حدیث مسلم میں ہے: اقرؤا الزھراوین البقرۃ وسورۃ آل عمران۔ الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ)۔

ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ۔ الحدیث رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف) واللہ اعلم

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۳ کتاب السنۃ والبدعۃ)

[2] قال العلامۃ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ: وھذہ القصۃ من اخبار الآحاد بل من الروایات الضعیفۃ الشاذۃ ولا دلالۃ علیھا فی القرآن بشیٔ ... وبعد اسطر: قال القاضی ان ھذہ الاخبار لم یرو منھا شیٔ صحیح ولا سقیم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال وھذہ الاخبار من کعب الیھود وانہ تو اثہم۔ الخ

(التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۰۹ سورۃ البقرۃ)

ومثلہ فی معارف القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۹۱۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے جس مینڈھے کو ذبح کیا تھا اس کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ لوگوں سے اس بارے میں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔

الجواب:- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحے کے گوشت کے بارے میں صاحب تفسیر صاوی نے لکھا ہے کہ یہ گوشت درندوں پرندوں نے کھایا تھا، اس لیے کہ اس کا پکانا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ جنتی گوشت پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

قال العلامة الصاوي رحمه الله: وبقي قرناه معلقين على الكعبة الى ان احترق البيت في زمن ابن الزبير وما بقي من الكبش اكلته السباع والطيور لان النار لا تؤثر فيما هو من الجنة۔ (حاشية العلامة الصاوي على الجلالين ج ۳ ص ۳۲۳ سورة الصافات) ۔ منه

آیت کریمہ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا کی تحقیق و تشریح

سوال:- پاکستان میں اس وقت قرآن و سنت پر مبنی نظام نافذ نہیں ہے، معاشی نظام سود پر مبنی ہے، رزق حرام سے ملک پر کفریہ انگریزی قانون نافذ ہے۔ قرآن مجید کے پ ۵ رکوع ۱۱ والی آیت کی تشریح میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں کے

۱؎ قال العلامة سليمان بن عمر العجيلي الشافعي الشهير بالجمل رحمه الله: وبقي قرناه معلقين على الكعبة الى ان احترق البيت في زمن ...... ومن المعلوم المقرر ان كل ما هو من الجنة لا تؤثر فيه النار فلم يطبخ لحم الكبش بل اكلته السباع والطيور تأمل۔ (التفسير الجمل ج ۴ ص ۵۴۹ سورة الصافات)

ومثله في بدائع الزهور في وقائع الدهور ص ۸۰ قصة ذبح اسماعيل عليه السلام۔

ہجرت کرنی لازمی ہے۔ اور یہی مضمون شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر موضح القرآن میں بھی ہے آپ فرماتے ہیں: "فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا دین نہ کر سکیں وہاں سے ہجرت فرض ہے"۔ تو آیا پاکستان کے مسلمانوں پر اس آیت کی رو سے اس کفری نظام کی وجہ سے ہجرت فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:- ہجرت دار الحرب اور دار الکفر سے کی جاتی ہے جبکہ پاکستان دار السلام ہے جس میں مسلمانوں کو عملی دینی امور اور تبلیغ و جہاد کو عملی طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن ایمانی کمزوری کی وجہ سے پاکستانی قوم اپنے فرائض کی ادائیگی میں روایتی غفلت کا شکار ہے اور آیت کریمہ کی تفسیر و تشریح وہی ہے جو ان اکابرین نے کی ہے۔ اور اسی مقام پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کرسکتے نہ حکم جہاد کی تعمیل کرسکتے ہیں تو ہجرت ان لوگوں پر فرض ہے"۔ لہٰذا فرائض کی انجام دہی کی صورت میں مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے پاکستان سے ہجرت فرض نہیں ہے بلکہ یہی لازمی ہے کہ اس نظام کو درست کرکے اس کی بجائے شرعی نظام کا نفاذ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۲۳ پ ۵ سورۃ النساء رکوع ۱۱) ؎۱

قبل المسخ شیطان کا فرشتوں سے افضل ہونا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارگاہِ الٰہی سے نکالے جانے سے پہلے شیطان کا علم فرشتوں سے زیادہ تھا یا نہیں؟ نیز اس وقت شیطان افضل تھا یا فرشتے؟

الجواب: شیطان کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں مختلف عبارات مذکور ہیں جس سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ شیطان قبل المسخ من اشراف الملائکة، خازن الجنة، سلطان

؎۱ قال العلامة قاضی ثناء الله الپانی پتی: الم تکن ارض الله واسعة فتهاجروا فيها. يعني كنتم قادرين على الخروج من مكة الى ارض لا تمنعون فيها من اظهار الاسلام ومفارقة الكفار واعلاء كلمة الله كما فعل المهاجرون الى المدينة والحبشة ونصب فتهاجروا على جواب الاستفهام. (التفسير المظهری ج ۲ ص ۲۰۰ پ ۵ سورة النساء)

ومثله في تفسير روح المعانی ج ۲ ص ۱۲۶ پ ۵ سورة النساء.

کی تخلیق میں واضح ثبوت ہیں جس میں نظریۂ ارتقاء کا شبہ بھی نہیں ہے بلکہ اس آیت کریمہ میں غور و فکر کرنے سے اس نظریہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

قال العلامۃ جلال الدین سیوطیؒ: وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ اى خلقكم مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا اذ خلق اباكم آدم منها۔ (تفسیر جلالین سورۃ نوح پ۲۹ آیت ۱۷)

قال العلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ: "یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جما کے ساتھ پیدا کیا۔ اول ہمارے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں، غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص۷۴۶ پ۲۹ سورۃ نوح آیت ۱۷) ؎

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کی تفسیر اور مصداق

سوال: قرآن مجید کی بعض پشتو تفاسیر میں سورۃ والناس کی آیت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "چہ پیریان او سری دی پہ انسان کنبے بدعتیان، مشرکان، پیران، ومُلیان دی"۔ کیا اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر و ترجمہ اور مصداق صحیح ہے؟ کیا الناس کا ترجمہ سری صحیح ہے؟

الجواب:۔ آیت کریمہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کا ترجمہ بزبان پشتو یہ ہے "چہ د پیریانو او د انسانانو نہ" کہ مرد و زن دونوں اس میں داخل ہوں، اور مرد و زن دونوں انسان اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لیے ان دونوں کو آدمی منسوب ہوتے آدمی کا ترجمہ بھی کیا جاتا ہے، اس لیے آدمی میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہیں، اور سری کے ساتھ ترجمہ میں عورتیں تغلیباً داخل ہوں گی، اس لیے "سری" کے ساتھ ترجمہ کرنا بھی درست ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: "جنوں میں اور آدمیوں میں"۔

؎ قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ الپانی پتی رحمہ اللہ: وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ ... اى انشأكم فاستعير الانبات للانشاء لانه ادل على الحدوث، مِنَ الْأَرْضِ بان خلق اباكم آدم منها او بانه خلقكم من النطف والنطف من الغذاء والغذاء من نبات من الارض نَبَاتًا ...... تقدیرہ واللّٰه انبتكم فنبتم نباتا فاختصر اكتفاء بدلالة الانبات عليه۔

(التفسیر المظہری ج۱۰ ص۷۸ سورۃ نوح)

ومثلہ فی تفسیر البحر المحیط ج۸ ص۳۴۲ سورۃ نوح۔

اور انسانوں میں اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو وسوسے ڈالتے ہیں لوگوں کے دلوں میں خواہ وہ ہر طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

فوائد عثمانیہ میں لکھا ہے: "شیطان جنوں میں بھی ہے اور آدمیوں میں بھی۔ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ (سورۃ انعام ع ۱۴)" (تفسیر عثمانی ص ۸۰۸ سورۃ الناس) [له]

سوال: قرآن مجید کے پشتو کے ایک ترجمہ میں آیت کریمہ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الخ کی تحقیق

آیت کریمہ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "چہ دا خط د سلیمانؑ نہ دے او مطلب دا دے چہ امداد غواړئ صرف په نوم د الله چه بے حده مهربان او رحم کوونکی دے" تو کیا حضرت سلیمانؑ خود اس آیت سے ابتداء کر رہے ہیں یا ملکہ سبا کو حکم دے رہے ہیں کہ تم استعانت علی اسم اللہ یعنی بسم اللہ پڑھو؟

الجواب: اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ملکہ سبا کو نہیں ہے بلکہ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے استعانت باسم اللہ تعالیٰ علی الخیر ہے جیسا کہ عام طور پر بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر نیک کام کے شروع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ باعث خیر و برکت ہے۔

قال العلامة القرطبيؒ: لانه بدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم، وقد قال صلى الله عليه وسلم كل امر ذي بال لم يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو اجذم۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۱۹۱ سورۃ النمل) [۲]

---

[۱] قال العلامة محمود الوسی: مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ بيان للذي يوسوس … يعني له شيطانا من الجن والانس۔ (تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۸۵ سورۃ الناس)
وَمِثْلُهُ فی تفسیر عثمانی کابلی پشتو ج ۲ ص ۱۴۸۲ سورۃ الناس۔

[۲] قال العلامة الآلوسیؒ: وكتابة البسملة في اوائل الكتب مما جرت به سنة نبينا صلى الله عليه وسلم بعد نزول هذه الآية بلا خلاف … عن الشعبيؒ قال كان اهل الجاهلية يكتبون باسمك اللهم فكتب النبي صلى الله عليه وسلم اول ما كتب باسمك اللهم حتى نزلت بسم الله مجريها ومرساها فكتب بسم الله ثم نزلت ادعوا الله او ادعوا الرحمن فكتب بسم الله الرحمن ثم نزلت آية النمل الخ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱۹ ص ۱۹۵ سورۃ النمل)
وَمِثْلُهُ فی الدر المنثور ج ۶ ص ۳۵۳ سورۃ النمل۔

لعمرک (سورۃ الحجر) جملہ قسمیہ ہے

سوال:- قرآن مجید کے بعض پشتو تراجم میں سورۃ الحجر کی آیت ۷۲ میں لعمرک کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "اللہ دے ژوندے ساتی تا دا یے نبی (ص)" تو کیا یہ جملہ قسمیہ ہے یا دعائیہ؟

الجواب:- لعمرک جملہ قسمیہ ہے یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف وجوباً ہے اور وہ قسمی اور اس کی خبر جواب القسم ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لعمرک قسمی۔

قال محشی الجلالین: قوله لعمرك الخ لعمرك مبتدأ محذوف الخبر وجوباً والقسم وما في حيزه جواب القسم تقديره لعمرك قسمي او يميني والعمر والعمر بالفتح والضم هو البقاء الا انهم التزموا الفتح في القسم۔

(حاشیہ الجلالین ص۲۱۴ سورۃ الحجر ج ۵) ؎۱

تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا

سوال:- تفسیر جواہر القرآن (مؤلف شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ) کا مطالعہ کرنا یا مطالعہ کر کے پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:- تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا تفسیر شریف کے پڑھنے اور پڑھانے جیسا ہے۔ یہ تفسیر العالم العارف حضرت العلامہ مولانا حسین علی النقشبندی رحمہ اللہ کے تفسیری نکات و فوائد اور افادات کا مجموعہ ہے۔ حضرت الشیخ قدس سرہ العزیز کے قیمتی قرآنی تفسیری فوائد و نکات اور مسئلہ توحید میں استغراق کو علماء دین نے نظر استحسان دیکھا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتوی قدس سرہ العزیز اس تفسیر

؎۱ قال العلامة القاضي ثناء الله الفاني فتي: لعمرك يا محمد وحياتك قسمي وهو لغة في العمر يختص به القسم لايثار الاخف فيه لانه كثير الدور على الالسنة۔ قال البغوي: روي عن ابي الجوزاء عن ابن عباس قال ما خلق الله نفسا اكرم عليه من محمد صلى الله عليه وسلم وما اقسم بحياة احد الا بحياته۔ (التفسير المظهري ج۵ ص۳۰۳ سورة الحجر)

ومثله في تفسير القرطبي ج۵ ص۳۹ سورة الحجر۔

کی تقریظ میں رقمطراز ہیں: إني نظرت في هذا التفسير وكونت النظر والملف لعنة فوجدته بعضه إنه ومتدنا نفعا مفيدا للناس مباركا۔
(تقریظ مولانا نصیر الدین غورغشتویؒ علی تفسیر جواہر القرآن ج۱ ص[illegible])

سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء تفسیر اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ درس قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی انگوٹھی ایک بیوی کے پاس غسل کے وقت اتار کر رکھ لی تھی پھر شیطان نے حضرت سلیمانؑ کی شکل میں آکر انگوٹھی لی اور بادشاہ بن گیا، پھر سلیمانؑ ایک مچھیرے کے ہاں ملازم ہو گئے، پھر چالیس دن بعد شیطان نے تخت چھوڑ کر خاتم سلیمانی دریا میں پھینک دی اور سلیمانؑ اسے مچھلی کے پیٹ سے نکال کر پھر بادشاہ بن گئے اور شیطان کو دریا برد کر دیا، تو کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اس واقعہ کی بنیاد ایک اسرائیلی روایت پر قائم ہے جو کہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے، شیطان کسی بھی نبی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتا اور نہ اپنی شکل کسی نبی علیہ السلام کی شکل جیسی بنا سکتا ہے۔

قال الإمام محمد بن سيرين التابعيؒ: إن الشيطان يتمثل في الرؤيا بكل شيء إلا بالله تعالى وملائكته ورسله۔ (حاشية كتاب الكلام في تفسير الأحلام على هامش تعطير الأنام ج۲ ص[illegible])

قال العلامة محمد يوسف البنوريؒ: وفي شأن ذلك تنبعث تراجم القرآن وفوائده التفسيرية بعضها صحيحة من أهل الحق كتقريرات ترجمة القرآن لأستاذ العالم العارف مولانا الشيخ حسين علي الفنجابيؒ الذي هو من تلامذة تلميذ الفقيه المحدث مولانا المحدث رشيد أحمد الكنكوهي الديوبنديؒ۔ (يتيمة البيان لمشكلات القرآن ص۲۹)

وَمِثْلُهُ في مقدمة لامع الدراري لمحمد زكريا السهارنفوري ج۱ ص۵۰

قال العلامة شبير أحمد العثمانيؒ: اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر میں جو لکھا ہے وہ محض بے بنیاد ہے۔ یہ جو واقعے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری اور جنوں کے متعلق نقل کئے ہیں ایسی کچھ صحیح نہیں۔ وقد رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضي الله عنهم وكلها متلقاة من قصص أهل الكتاب۔ (تفسير ابن كثير ج۴ سورة ص)

وَمِثْلُهُ في التفسير المظهري ج۸ ص۱۹۱ پ۲۳ سورة ص۔

پشتو زبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر

سوال: پشتو زبان میں قرآن کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں جن میں مختلف باتیں لکھی گئی ہیں مثلاً پیروں اور مقبروں پر جانا جائز نہیں، مُردے نہیں سنتے، دعا بعد السنت جائز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، لہٰذا مطالعہ کے لیے پشتو زبان میں کون سی ایسی تفسیر ہے جس کا پڑھنا پڑھانا مفید ہو؟

الجواب: تفسیر معارف القرآن (از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اور تفسیر عثمانی (از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) کا پشتو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے، یہ دونوں معتبر تفاسیر ہیں، ان کا پڑھنا پڑھانا مفید ہے۔[1]

حضرت یوسفؑ کی برأت میں شیر خوار بچے کا گواہی دینا

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف زلیخا نے جو بے بنیاد الزام تراشی کی تھی تو آپؑ کی برأت میں جس نے گواہی دی تھی اور جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا" (سورۂ یوسف آیت ۲۶) تو یہ شاہد کون تھا؟ کوئی بالغ آدمی تھا یا چھوٹا بچہ؟

الجواب: وہ گواہ نابالغ اور شیر خوار بچہ تھا، تفسیر بیان القرآنؒ میں ہے: "اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو کہ شیر خوار بچہ تھا اور یوسفؑ کے معجزے سے بول پڑا تھا آپ کی برأت اور نزاہت پر شہادت دی۔" (تفسیر بیان القرآن ج ۵ سورۂ یوسف پ ۱۲)[2]

---

[1] اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تفاسیر بھی معتبر اور مطالعہ کے لیے مفید ہیں:
(۱) تفسیر حبیبی مولانا الحاج حبیب الرحمٰن خلف الرشید شیخ المفسرین مولانا محمود حسنؒ۔
(۲) موضح القرآن، بیضاوی، تحفۃ الرحمٰن، روح البیان، ابن کثیر، فتح البیان۔
(۳) تفسیر حسینی (پشتو) ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، پشتو ترجمہ ملا عبداللہ۔

[2] وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا أي ابن عمها روي أنه كان في المهد وعلى هامش جلالين قوله روي انه اي الشاهد كان في المهد صبيا. وفي الحديث لم يتكلم في المهد الا اربعة وذكر منها شاهد يوسف. رواه احمد عن ابن عباس. (حاشیہ جلالین ج ۱ ص ۱۹۲ سورۂ یوسف پ ۱۲)
ومثلہ فی تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۳۲۸ فائدہ ۴ سورۂ یوسف پ ۱۲۔

سورۃ الحج کا سجدۂ ثانیہ عند الحنفیہ

سوال :- سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں، پہلا سجدہ عند الحنفیہ کیا جاتا ہے، اور دوسرا سجدہ نہیں کیا جاتا، تو یہ دوسرا سجدہ کیوں نہیں کیا جاتا، اور نماز کے باہر اور اندر اس سجدہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- امداد الفتاوی ج۱ ص۳۳ میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں خروج کی رعایات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کر لینا بہتر ہوگا، البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لیے نماز کے اندر نہ کیا جائے، بہتر ایک خاص طریق سے ادا کیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا، وہ طریق یہ ہے کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا، بہرحال دوسرا سجدہ عند الحنفیہ ثابت نہیں بلکہ وہ سجدۂ صلوٰۃ ہے۔ (امداد الفتاوی)

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولنا ما روی عن ابی رضی اللہ عنہ انہ عدّ السجدات التی سمعہا من رسول اللہ ﷺ وعدّ فی الحج سجدۃ واحدۃ وقال عبد اللہ بن عباسؓ وعبد اللہ بن عمرؓ سجدۃ التلاوۃ فی الحج ھی الاولیٰ والثانیۃ سجدۃ الصلاۃ وھو تاویل الحدیث وھذا لان السجدۃ متی قرنت بالرکوع کانت عبارۃ عن سجدۃ الصلاۃ کما فی قولہ تعالیٰ: واسجدی وارکعی۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۹۳ فصل واما بیان مواضع السجدۃ) [1]

وقیل من راق (الآیۃ) کا پشتو ترجمہ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورۃ القیامۃ کی آیت ۲۷ وقیل من راق کا پشتو زبان میں کیا گیا مندرجہ ذیل ترجمہ صحیح ہے یا نہیں؟ "او وبه ویلے شی چه څوک دے غواړی"

---

[1] وقال العلامۃ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ منہا اولی الحج لا ثانیۃ فصلاتیۃ لاقترانہا بالرکوع۔ وقال ابن عابدینؒ: لان السجدۃ متی قرنت بالرکوع کانت عبارۃ عن السجدۃ الصلاتیۃ کما فی قولہ تعالیٰ: واسجدی وارکعی۔ بدائع۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۷۱۳ باب سجود التلاوۃ)

ومثلہ فی حاشیۃ الطحطاوی ج۱ ص۲۹۲ باب سجود التلاوۃ۔

هغه په اوراق چه دموږ ته ګنې غواړم د مریض خپلوان به تپوس وکړی چه څوک غواړي نو هغه په اوراق چه دموږ ته ګنې غواړم؟

الجواب:۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا" علامہ عثمانیؒ فائدہ میں لکھتے ہیں "ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی، جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے، کہتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کرکے اس کو مرنے سے بچالے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ "من راق" فرشتوں کا کلام ہے جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں، وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر "راق" "رقی" سے مشتق ہوگا جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، "رقیہ" سے نہ ہوگا جو فسوں کے معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی ص۷۶۸ سورۃ القیٰمۃ پ۲۹) سلہ

حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق

سوال:۔ بعض مفسرین حضرات سلیمانؑ کا یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپؑ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ آپ سے عصر کی نماز قضاء ہوگئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو قتل کرنا شروع کردیا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا اور آپ نے نماز پڑھ لی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان گھوڑوں کا اس میں کیا قصور تھا، اور کیا واقعی سورج روک لیا گیا تھا؟

الجواب:۔ گھوڑوں کے قتل کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لیے پرورش کیے گئے تیز و سبک رفتار

لہ قال العلامة ثناء الله الپانی پتی رحمه الله: وقيل من راق ای قال حاضره والمتقضی من روحه ما بمعنى الترقية لكن قال قتادة او قالت الملائكة الموت ايكم يرقى بروحه ملائكة الرحمة او ملائكة العذاب من الرقي كذا قال سليمان التيمي ومقاتل بن سليمان۔ (التفسير المظهري ج۱۰ ص۱۳۵ سورة القيامة)

ومثله في معالم التنزيل (تفسير البغوي ج۴ ص۴۲۲ سورة القيامة)

گھوڑے پیش کئے گئے تو ان گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے عصر کی نماز میں تاخیر ہو گئی تو آپ نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں دونوں کا کام عبادت ہے کیونکہ جہاد بھی تو ذکر اللہ میں داخل ہے۔ تو جہاد کے اسی جوش و جذبہ سے سرشار ہو کر ان گھوڑوں کے واپس لانے کا کہا اور غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ اور مفسرین کی دوسری رائے یہ ہے کہ مال کی محبت کی وجہ سے انہوں نے نماز میں غفلت محسوس کی تو شدت غیرت اور غلبہ غضب الٰہی میں تلوار سے ان کو قتل کر دیا تاکہ یہ نماز میں تاخیر کا کفارہ ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی اور اسی بنا پر آپ نے ان گھوڑوں کو قتل کر دیا۔ اور مشہور یہی ہے کہ سورج واپس ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز پڑھ لی تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں "اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے اصیل اور تیز رو سبک رفتار گھوڑے جہاد کیلئے پرورش کئے گئے پیش کئے گئے تو ان کے معائنہ میں عصر کی نماز میں دیر ہو گئی... لیکن پھر بھی سلیمانؑ یہ سمجھے کہ اگر ایک طرف یاد خدا سے بظاہر مشغول رہے گئی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی تو اللہ ہی کی یاد سے وابستہ ہے جب جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد بھی ذکر اللہ کے تحت میں داخل ہوگا۔ تو اسی جہاد کے جوش و فرط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ چنانچہ واپس لائے گئے اور غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ بعض مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ مال کی محبت نے پھر کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لیکر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں تاکہ اللہ کی جلیلہ کی اس غفلت کا تدارک ہو جائے شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی" (تفسیر عثمانی ف۲ ج۴ سورۃ ص)[1]

---

[1] قال ابن مسعود وابن عباس ... ردوها علیّ ... يعني ... قال أي الصافنات ... على فردوها عليه.... مسحا أي ضربا بالسيف مسحا..... عن أبي بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال قطع سوقها وأعناقها بالسيف وكان ذلك باذن الله تعالى توبة عما غفل عن ذكر ربه والتقرب إليه بالقربات... قال بعض المفسرين انه ذبحها وتصدق بلحومها وكان لحم الخيل حلالا في شريعته ... قال ابو حنيفة فانه قال يكره..... قال البغوي حكي عن علي كرم الله وجهه في قوله ردوها علي... ردوها أي الشمس على فردوها عليه حتى صلى العصر في وقتها وقال الزهري وابن كيسان كان يمسح سوقها وأعناقها بيده يكشف الغبار عنها حبا لها وشفقة عليها الخ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۶۹ سورۃ ص) ومثله في معالم التنزيل (تفسیر بغوی) ج ۴ ص ۳۵ سورۃ ص۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الآیۃ) کی تفسیر

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء تفسیر اس آیت کے بارے میں کہ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ اس میں مساجد سے کیا مراد ہے؟ عام مساجد یا عبادت مراد ہے؟

الجواب: اس آیت میں مساجد سے مراد حال اور محل دونوں ہے اس لیے بعض مفسرین نے محل یعنی مساجد اور بعض نے حال یعنی عبادت مراد لیا ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لیے دونوں ہی مراد ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے... سو خدا کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو۔" (تفسیر بیان القرآن جلد ۲ ص ۱۹ پ سورۃ الجن)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں سو مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو" اور فوائد عثمانیہ میں یہ لکھا ہے "یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجد کے نام سے خاص عبادت الٰہی کے لیے بنائے جاتے ہیں ان کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے، وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلم عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔" (تفسیر عثمانی ص ۱ پ سورۃ الجن آیت ۱۸) ل

عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک شغل اور دینی نوعیت کے مسئلہ کی وضاحت کیلئے گذارش ہے کہ میرے اکثر احباب مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن کا

ل قال العلامۃ القاضی ثناء اللہ الپانی پتی رحمہ اللہ: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ عطف علی ان لو استقاموا علی انہ موحی بہ قیل المراد بالمساجد المواضع التی بنیت للصلوٰۃ... فامر اللہ المؤمنین ان یخلصوا للہ الدعوات اذا دخلوا المساجد الخ۔

(التفسیر المظہری ج ۱۰ ص ۹۲ پ سورۃ الجن)

ومثلہ فی تفسیر مواہب الرحمن للسید امیر علی ج ۲۹ ص ۱۳۰۔

مطالعہ بڑے ذوق اور شوق سے کرتے ہیں اور "قرآن فہمی" کے لیے اسے حرف آخر سمجھتے ہیں؟
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ "تفہیم القرآن" کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟ کیا واقعی اس میں وہ باتیں ہیں
جن کی بنا پر علماء کرام نے مخالفت کی ہے؟ براہ مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک آزاد خیال شخص تھا اور اس نے "تفہیم القرآن" کو بھی اسی
آزاد خیالی پر مبنی خود ساختہ اصولوں کے تحت لکھا ہے۔ اس نے خود لکھا ہے کہ "اس کام میں میرے
پیش نظر علماء و محققین کی ضروریات نہیں ہیں ...... میں نے اس کتاب میں ترجمہ کا عام طریقہ چھوڑ کر
آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے ...... میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے
کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور
جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔"

(دیباچہ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵ تا ص ۱۰)

لہٰذا اس خود ساختہ ترجمانی کی بنا پر مودودی صاحب نے ترجمہ اور تفسیر میں کافی ٹھوکریں
کھائی ہیں جس کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کے مرتکب بھی
ہوئے ہیں۔ بطور نمونہ چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) الحمد للہ رب العالمین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو
تمام کائنات کا رب ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۲) مودودی صاحب نے آیت کریمہ کے ترجمہ میں
الحمد کے الف لام استغراقی اور جنسی کو نظر انداز کیا ہے جبکہ دیگر تمام مترجمین نے الف لام کا لحاظ رکھتے
ہوئے الحمد کا ترجمہ "سب تعریفیں" کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں
بعض الفاظ بے فائدہ ہیں، معاذ اللہ حالانکہ قرآن مجید کا کوئی لفظ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔

(۲) اسی آزاد خیالی کی بنا پر انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں توہین آمیز کلمات لکھے ہیں مثلاً:
(الف) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے
ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۲۷)
(ب) حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔" (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۱۲)
(ج) حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہوگئے
تھے۔ (بحوالہ مودودی مذہب ص ۲۶) تو مودودی صاحب کے ان اغلاط کی وجہ سے عوام الناس
کے لیے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں بلکہ باعث گمراہی ہے۔

کتاب
مایتعلق
بالحدیث

کتاب ما یتعلق بالاحادیث

(احادیث مبارکہ کے بیان میں)

کتابت اور تدوین حدیث

سوال:- کتابت اور تدوین حدیث کا کام کب سے شروع ہوا ہے؟

الجواب:- جزوی طور پر تو صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی کتابت حدیث کا خیال رکھا جاتا تھا لیکن باضابطہ طور پر تدوین حدیث کے لیے دو چیزیں رکاوٹ بنی تھیں۔ ایک تو قرآن حکیم کے ساتھ التباس کے خوف کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے انہیں تدوین حدیث کی ضرورت ہی محسوس ہوئی تھی لیکن جب تابعینؒ کا دور آیا اور مختلف فرقے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر نمودار ہونے لگے جو دین میں اپنی طرف سے کچھ داخل کرتا اور مرضی کے خلاف کو دین سے نکالنا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیث نبوی کی باضابطہ طور پر تدوین کی جائے تاکہ صحیح اور سقیم کا امتیاز ہو۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حالات اور ضروریات کے پیش نظر ایک فرمان جاری کیا جس میں اہل علم کو یہ پیغام تھا کہ وہ احادیث نبوی کو جمع کریں۔ پھر اس فرمان کی روشنی میں علماء کرام نے احادیث کو جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ چونکہ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے تھے اسلئے معلوم ہوا کہ کتابت وتدوین حدیث کا کام باقاعدگی سے پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتداء میں شروع ہوا ہے۔

لما قال ابن حجرؒ: اعلم علمنی اللہ وایاک ان آثار النبی لم تکن فی عصر صحابہ وکبار تبعھم مدونۃ فی الجوامع ولا مرتبۃ لامرین احدھما انھم کانوا فی ابتداء الامر قد نھوا عن ذلک کما ثبت فی صحیح مسلم خشیۃ ان یختلط بعض ذلک بالقرآن العظیم وثانیھما لسعۃ حفظھم وسیلان اذھانھم ولان اکثرھم کانوا لا یعرفون الکتابۃ ثم حدث فی اواخر عصر التابعین تدوین الآثار وتبویب الاخبار لما انتشر العلماء فی الامصار وکثر الابتداع من الخوارج والروافض ومنکری الاقدار (مقدمہ فتح الباری الفصل الاول)

اسی طرح ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے: وکان اول من امر بتدوین الحدیث وجمعہ بالکتابۃ عمر بن عبد العزیز خوفاً من اندراسہ، اخرج ابو نعیم فی تاریخ اصبہان عن عمر بن عبد العزیزؒ انہ کتب الی اہل الآفاق انظروا الی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ۔ (ارشاد الساری للقسطلانیؒ ج ۱ ص ۸ الفصل الثانی فی ذکر اول من دوّن الحدیث والسنن)

اقسام حدیث

سوال: حدیث کی کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب: رواۃ کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں: متواتر، مشہور، عزیز، غریب۔

متواتر: وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں اتنے راویوں نے نقل کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا از روئے عقل محال ہو۔

مشہور: وہ حدیث ہے جس کے راوی محدود ہوں جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے ہوں اور ہر دور میں کم از کم تین راوی ہوں۔

عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں۔

غریب: وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی بھی دور میں ایک راوی آیا ہو۔

فرمان علامہ ابن حجر عسقلانیؒ: الخبر اما ان یکون لہ طرق بلا عدد معین او مع حصر بما فوق الاثنین او بہما او بواحد فالاول المتواتر وھو المفید للعلم الیقینی بشروطہ والثانی المشہور والثالث العزیز والرابع الغریب۔ الخ (نخبۃ الفکر ص [illegible] فی ابحاث اقسام باعتبار عدد رواۃ)۔ [1]

---

[1] وقال العلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ: الخبر اما ان یرویہ جماعۃ یبلغون فی الکثرۃ مبلغاً تحیل العادۃ تواطؤہم علی الکذب فیہ اولا فالاول المتواتر والثانی خبر الآحاد۔ وخبر الآحاد ان کانت رواتہ فی کل طبقۃ ثلاثۃ فاکثر یسمی مشہوراً، وان کانت رواتہ فی بعض الطبقات اثنین ولم تنقص فی سائرہا عنہ فذلک یسمی عزیزاً، وان تفرد فی بعض الطبقات او کلہا راو واحد یسمی غریباً۔ الخ (مقدمۃ فتح الملہم ج ۱ ص [illegible] بیانات الحدیث باعتبار عدد رواۃ)

حدیث کی اقسام باعتبارِ صفات

سوال:۔ حدیث مقبول کی باعتبارِ صفات کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ حدیث مقبول کی باعتبارِ صفات چار قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہٖ، صحیح لغیرہٖ، حسن لذاتہٖ، حسن لغیرہٖ۔

(۱) صحیح لذاتہٖ:۔ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے تمام ناقلین تام الضبط ہوں، سند متصل ہو اور اس میں کسی قسم کی علت یا شذوذ نہ پایا جاتا ہو۔

(۲) صحیح لغیرہٖ:۔ وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ شرائط اعلیٰ درجے کی نہ ہوں، تاہم اس نقصان کا جبیرہ کثرتِ سند یا کسی اور صفت سے کر دیا گیا ہو۔

(۳) حسن لذاتہٖ:۔ وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ بالا شرائط کا کوئی جبیرہ نہ کیا گیا ہو۔

(۴) حسن لغیرہٖ:۔ وہ حدیث ہے جس میں قبولیت اور مردودیت برابر ہوں لیکن کسی قرینہ کی وجہ سے جانبِ قبولیت کو ترجیح دی گئی ہو۔

کما قال الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ: وخبر الآحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ هو الصحیح لذاته لانه اما ان یشتمل من صفات القبول علی اعلاها او لا الاول الصحیح لذاته. والثانی فان وجد ما یجبر ذلك النقص ككثرة الطرق فهو الصحیح ایضاً لكن لا لذاته وحیث لا جبیرة فهو الحسن لذاته. وان قامت قرینة ترجح جانب قبول ما یتوقف فیه فهو الحسن ایضاً لكن لا لذاته. اهـ (شرح نخبة الفكر ص ۲۶) له

له وقال العلامة شبیر احمد العثمانیؒ: والمقبول ینقسم الی اربعة اقسام: صحیح لذاته، صحیح لغیره، حسن لذاته، حسن لغیره. وذلك لان الحدیث ان اشتمل من صفات القبول علی اعلی مراتبها فهو الصحیح لذاته. وان لم یشتمل علی اعلی مراتبها فان وجد فیه ما یجبر ذلك القصور الواقع فیه فهو الصحیح لا لذاته بل لغیره. وان لم یوجد فیه ما یجبر ذلك القصور الواقع فیه فهو الحسن لذاته. وان كان فی الحدیث ما یقتضی التوقف فیه لكن وجد ما یرجح جانب قبوله فهو الحسن لا لذاته بل لغیره. اهـ (مقدمة فتح الملهم ا ص بحث ان خبر الواحد ینقسم الی قسمین المقبول والمردود)

وكذلك فی قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص ۷۹-۸۰ فی الباب الرابع فی معرفة انواع الحدیث.

فی بیان اقسام الصحیح وبیان الحدیث الحسن۔

شاذ کی تعریف

سوال :۔ شاذ کس قسم کی روایت کو کہا جاتا ہے ؟

الجواب :۔ شاذ کے بارے میں محدثین کی مختلف عبارات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاذ کی تعریف اہل فن کے مابین مختلف فیہ ہے ، چنانچہ علماء حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک شاذ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات کی مخالفت کرے ۔

اور حافظ ابو یعلیٰ خلیلی کے نزدیک شاذ اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور ایک ہی راوی سے نقل کیا ہو چاہے وہ ثقہ ہو یا نہ ہو لہٰذا اس تقدیر پر شذوذ صرف تفرد سے عبارت ہے ۔

اور حاکم کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جسے کوئی ثقہ راوی انفرادی طور پر نقل کرے ، اور اس کا کوئی متابع نہ ہو ۔

تاہم محققین کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی راجح روایت سے مخالف نقل کرے ۔

لما قال العلامة شبیر احمد عثمانیؒ : بعد ما فصل الاقوال المذکورة ـ والمعتمد فی حد الشاذ بحسب الاصطلاح انه ما یرویه الثقة مخالفاً لمن هو ارجح منه ۔ الخ

(مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص۳۵ فی بیان الشاذ والمحفوظ والمنکر والمعروف) له

امام ابو حنیفہؒ تابعی تھے

سوال :۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کسی صحابی سے ملاقات اور اس سے روایت ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ سیر اور تاریخ کی کتابوں میں یہ بات واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لاتے تو اس زمانے میں امام اعظم رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور کئی

له وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمه الله : وعرف من هذا التقریر ان الشاذ ما رواه المقبول مخالفاً لمن هو اولی منه وهذا هو المعتمد فی تعریف شاذ بحسب الاصطلاح الخ

(نزهة النظر شرح نخبة الفکر ص۳۲ فی بحث الشاذ والمنکر)

ومثله فی قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ج ۱ ص۱۳۰ فی ذکر انواع تختص بالضعیف ۔

صحابہ سے روایت بھی کی ہے۔

لہ قال الحافظ الذہبی رحمہ اللہ فی ذکر الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ ولد سنۃ ثمانین فی حیاۃ صغار الصحابۃ ورأی انس رضی اللہ عنہ لما قدم علیہم الکوفۃ۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۱ فی ذکر ابی حنیفۃ)

قال العلامۃ ابن حجرؒ وفی فتاوی شیخ الاسلام ابن حجر انہ ادرک جماعۃ من الصحابۃ کانوا بالکوفۃ بعد مولدہ بہا سنۃ ثمانین فہو من طبقۃ التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمۃ الامصار المعاصرین۔ (الخیرات الحسان ص ۲۲ الفصل السادس) لہ

شیعوں سے روایت کرنے کا حکم

سوال: صحاح ستہ میں شیعوں سے روایات کیوں لی گئی ہیں جبکہ ان پر دینی امور میں کوئی اعتبار نہیں؟

الجواب: جو شخص متواترات اور ضروریات دینیہ سے انکار نہ کرے اور اپنی طرف سے دین میں ایسی باتیں داخل کرے جن کو ضروریات دین کے برابر اہمیت حاصل ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ صاحب ضبط و تقویٰ بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ شیعوں میں کئی فرقے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی فرق ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اہل تشیع میں سے ہو لیکن اس کے اندر مذکورہ باتیں نہ پائی جائیں تو اس سے روایت لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ روایت اس کے مخصوص عقائد و نظریات وغیرہ کی تائید میں نہ ہو۔

چونکہ سلف صالحین کے زمانے میں شیعہ برادری کے مختلف فرقے تھے جن میں بعض اگرچہ غالی قسم کے بھی تھے لیکن بعض معتدل بھی تھے جو صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع سے گریز کرتے تھے بلکہ وہ صرف حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے جس کی وجہ سے وہ ثقاہت سے خارج

لہ وایضاً ذکر الذہبیؒ فی تذکرۃ الحفاظ: رأی انساً غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ فی ذکر ابوحنیفۃ الامام اعظمؒ)

قال الشیخ محمد عاشق الٰہی البرنیؒ: ذکر الاحادیث الثلاثۃ ابوالمؤید الخوارزمی فی جامع المسانید ج ۱ ص ۲۴ تا ۲۸ والموفق المکی فی المناقب ص ۲۸ تا ۳۱ والسیوطی فی تبییض الصحیفۃ ص ۲۷ والصالحی فی عقود الجمان وہی ہذہ: طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم، الدال علی الخیر کفاعلہ، ان اللہ یحب اغاثۃ اللہفان۔ (التعلیق علی الخیرات الحسان ص ۲۷، ۲۸ الفصل السادس)

نہیں تھے، اسی بناء پر محدثین نے ان کی روایات کو نقل کیا ہے۔

لما قال العلامة ابن حجر العسقلانیؒ: فالمعتمد ان الذی ترد روایته من انکر امراً متواتراً من الشرع معلوماً من الدین بالضرورة وکذا من اعتقد عکسه، فاما من لم یکن بهذه الصفة وانضم الی ذلک ضبطه لما یرویه مع ورعه وتقواه فلا مانع من قبوله۔ (نخبة الفکر ص) ؎

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننے کا ثبوت

سوال:- عن عمرو بن شرید عن ابیه قال استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هل تروی من شعر امیة بن ابی الصلت شیئاً فانشدته مائة قافیة فجعلت کلما مررت علی بیت قال هیه الخ

اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب:- مذکورہ بالا روایت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننا ثابت ہے کو ذیل کی کتابوں نے روایت کیا ہے: رواہ الامام مسلم بن حجاج فی صحیحه، ونقله هکذا:-

عن عمرو بن الشرید عن ابیه قال ردفت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوماً فقال هل معک من شعر امیة بن ابی الصلت شیئاً؟ قلت نعم قال هیه فانشدته بیتاً فقال هیه ثم انشدته بیتاً فقال هیه حتی انشدته مائة بیت۔ وفی روایة استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الخ

؎ قال العلامة شبیر احمد العثمانی رحمه الله: التشیع فی عرف المتقدمین هو اعتقاد تفضیل علی رضی الله عنه علی عثمان رضی الله عنه وان علیاً کان مصیباً فی حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلهما وربما اعتقد بعضهم ان علیاً افضل الخلق بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا کان معتقد ذلک ورعاً دیناً صادقاً مجتهداً فلا ترد روایته بهذا لا سیما ان کان غیر داعیة۔ الخ (مقدمة فتح الملهم ص روایة اهل البدع والاهواء)

وقال العلامة النووی رحمه الله: فی المبتدعین ومنهم من قال تقبل اذا لم یکن داعیة الی بدعته ولا تقبل اذا کان داعیة وهذا مذهب الاکثرین من العلماء وهو الاعدل الصحیح۔ الخ (نووی شرح صحیح مسلم ج۱ ص فی باب وجوب الروایة عن الثقات وترک الکذابین والتحذیر من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم)

وزاد ان کان یسلم۔ الخ (الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۲۹ کتاب الشعر)

علیکم بسنتی کا ثبوت

سوال :- حدیث "تم اپنے اوپر میرے طریقے کو لازم رکھنا اور خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی اور اس پر خوب مضبوطی سے ڈٹے رہنا اور دین میں نئی باتیں گھڑنے سے بچے رہنا اس لیے کہ دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" اس روایت کا ماخذ بتا کر ممنون فرمائیں؟

الجواب :- یہ روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے جنہیں امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب نقل کرتے ہیں :-

عن العرباض بن ساریۃ فی روایۃ طویلۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۰ فی باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ الفصل الثانی بلفظہ)

تلاوت قرآن مجید کی فضیلت

سوال :- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بعض اپنے ننگے جسموں کو دوسروں کے ذریعے چھپائے ہوئے تھے اور ایک قاری ان میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ استنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کیا کر رہے تھے؟ اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب :- اس روایت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سنن ابی داؤد میں نقل کیا

۱؎ وذکر محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ ایضاً عن العرباض بن ساریۃ انہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایاکم ومحدثات الامور فانہا ضلالۃ فمن ادرک ذلک منکم فعلیہ بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔ الخ

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۲ فی باب الاخذ بالسنۃ واجتناب عن البدعۃ)

ومثلہ فی سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۵ فی باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین۔

جیسے حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرین وان بعضهم لیستتر ببعض من العری وقاری یقرأ علینا اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام علینا فلما قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکت القاری فسلم ثم قال ما کنتم تصنعون قلنا یا رسول اللہ انه کان قاری لنا یقرأ علینا فکنا نستمع الی کتاب اللہ تعالیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی جعل من امتی من امرت ان اصبر نفسی معهم قال فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسطنا لیعدل بنفسه فینا ثم قال بیده هکذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له قال فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرف منهم احدا غیری فقال رسول اللہ ابشروا یا معشر صعالیک المهاجرین بالنور التام یوم القیامة تدخلون الجنة قبل اغنیاء الناس بنصف یوم وذلک خمس مائة سنة ۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۶۱ کتاب العلم، فی باب القصص)

تسبیح فاطمی کا حدیث سے ثبوت

سوال:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو جس تسبیح کی تلقین فرمائی تھی کیا وہ کتب احادیث سے ثابت ہے؟

الجواب:- تسبیح فاطمہ کو اکثر کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے درج ذیل الفاظ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے :-

قال محمد بن اسماعیل البخاریؒ حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن الحکم عن ابن ابی لیلی عن علیؓ ان فاطمة اشتکت ما تلقی فی یدها من الرحی فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسأله خادما فلم تجده فذکرت ذلک لعائشة فلما جاء اخبرته قال فجاءنا وقد اخذنا مضاجعنا فذهبت اقوم فقال مکانک فجلس بیننا حتی وجدت برد قدمیه علی صدری فقال الا ادلکما علی ما هو خیر لکما من خادم اذا اویتما الی فراشکما او اخذتما مضاجعکما فکبرا ثلثا وثلثین وسبحا ثلثا وثلثین واحمدا ثلثا وثلثین فهذا خیر لکما من خادم وعن شعبة عن خالد عن ابن سیرین

فذلك التسبيح اربع وثلثون۔ (الجامع الصحيح للبخاری ج ۲ ص ۹۳۵ باب التسبيح والتكبير عند المنام) [1]

سورۂ حشر کی فضیلت کے بارے میں روایت

سوال:۔ ایک حدیث میں آیا ہے اگر کوئی شخص فجر اور مغرب کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات کو تین بار پڑھے تو اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث کونسی کتاب میں مذکور ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب:۔ یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کے راوی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث درج ذیل ہے:۔

لما روی محمد بن عیسی الترمذیؒ۔ عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم فقرأ ثلاث آیات من آخر سورۃ حشر وکل اللہ بہ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتی یمسی وان مات فی ذلک الیوم مات شہیدا۔ ومن قالہا حین یمسی کان بتلک المنزلۃ۔ الخ (جامع سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۲۰ ابواب فضائل القرآن) [2]

فضائل سورۂ الملک

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہؓ نے لاعلمی کی وجہ سے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا تو اس قبر سے سورۂ ملک کی تلاوت کی آواز آرہی تھی پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ کیا یہ واقعہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ واقعہ حدیث سے ثابت ہے اور محدثین نے اسے نقل کیا ہے،

---

[1] قال الترمذیؒ: حدثنا ابو الخطاب زیاد بن یحیی البصری قال حدثنا ازہر السمان عن ابن عون عن ابن سیرین عن عبیدۃ عن علی قال شکت الی فاطمۃ مجل یدیہا من الطحین فقلت لو اتیت اباک فسألتہ خادما فقال الا ادلکما علی ما ہو خیر لکما من خادم اذا اخذتما مضاجعکما تقولان ثلاثا وثلثین وثلاثا وثلثین واربعا وثلثین من تحمید وتسبیح وتکبیر۔ الخ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۸۴ باب ما جاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام)

وھکذا روی ابو داؤد عن حفص بن عمر و مسدد ج ۲ ص ۳۴۶ باب فی التسبیح عند النوم۔

[2] وھکذا رواہ الشیخ ولی الدین العراقی فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۹ باب فضائل القرآن الفصل الثانی۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں :۔

حدثنا محمد عبد الملک بن ابی الشوارب قال حدثنا یحیی بن عمرو بن مالک النکری عن ابیہ عن ابی الجوزاء عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباءہ علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمہا فاتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ انی ضربت خبائی علی قبر وانا لا احسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمہا فقال النبی ﷺ ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔ (سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۵ ابواب فضائل القرآن) [۱]

لاجمعۃ ولا تشریق کی تحقیق

سوال :۔ "لاجمعۃ ولاتشریق الا فی مصر جامع" حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ اگر حدیث ہو تو محققین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے ؟

الجواب :۔ اس حدیث کو محدثین نے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے جن میں سے بعض طریقے اگرچہ ضعیف ہیں لیکن تمام طریقے ضعیف نہیں بعض صحیح بھی ہیں لہٰذا تمام طرق کو ضعیف قرار دینا درست نہیں، جیسے مصنف ابن ابی شیبہؒ کی سند: حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمن انہ قال علی رضی اللہ عنہ لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں تصریح کی ہے کہ : واسنادہ صحیح۔ (درایۃ ج ۱ ص ۲۱۴ باب الجمعۃ) [۲]

اختلاف امتی رحمۃ کا ثبوت

سوال :۔ اختلاف امتی رحمۃ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے ؟

الجواب :۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے بعض اس کو منقطع اور بلا اصل و بلا سند ٹھہراتے ہیں تاہم بعض محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے چنانچہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں : زعم کثیر من الائمۃ انہ لا اصل لہ

---

[۱] وھکذا رواہ الترمذی والدین العراقی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۶ باب فضائل القرآن الفصل الثانی)

[۲] قال حافظ بدر الدین عینیؒ : واسنادہ صحیح۔ (عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۸۸ باب الجمعۃ فی القری والمدن) وکذلک فی فیض الباری ج ۲ ص ۳۳۱ باب الجمعۃ فی القری۔

لكن ذكره الخطابي في غريب الحديث مستطرداً وأشعر بأن له أصلاً عنده. وقال السيوطي: خرجه المقدسي في الحجة والبيهقي في الرسالة الأشعرية بغير سند

وقال الزركشي: أخرجه نصر المقدسي في كتاب الحجة مرفوعاً والبيهقي في المدخل عن القاسم بن محمد۔ (موضوعات الکبیر ص... حدیث ...) [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق

سوال: کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی روایت ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دوں؟ اگر یہ روایت آپ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا جبکہ خودکشی شریعت میں حرام ہے۔

الجواب: یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانیؒ نے امام زہریؒ سے یوں نقل کیا ہے:

وفتر الوحي فترة حتى حزن رسول الله صلى الله عليه وسلم زاد في التعبير من طريق معمر عن الزهري فيما بلغنا حزناً غدا منه مراراً كي يتردى من رؤس شواهق الجبال فكلما أوفى بذروة جبل لكي يلقي نفسه تبدى له جبريل فقال يا محمد إنك رسول الله حقاً فيسكن لذلك جأشه وتقر نفسه فيرجع وإنما أرادته عليه السلام إلقاء نفسه من رؤس شواهق الجبال تحزناً على ما فاته من الأمر الذي بشر به ورقة۔ (ارشاد الساری ج۸ ص... سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق۔ صحیح ابن حبان ج۱ ص۱۲۰، البدایۃ والنہایۃ ج۳ ص... باب کیف بدء الوحی)

اور اس سے خودکشی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق و محبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاد کو چلے اور کفار کے

---

[1] وقال علاء الدين علي الهندي: رواه نصر المقدسي في الحجة والبيهقي في رسالة الأشعرية بغير سند وذكره الحليمي والقاضي حسين وإمام الحرمين وغيرهم ولعله خرج به في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل إلينا. قال المناوي في الفيض ج۱ ص۲۰۹ الواقف له على سند صحيح وقال الحافظ العراقي سنده ضعيف. (كنز العمال ج۱۰ ص۱۳۶ كتاب العلم)

ومثله في رد المحتار على الدر المختار ج۱ ص... مطلب في حديث اختلاف أمتي رحمة۔

سامان سفابزار کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خودکشی نہیں کہا جاتا جو باعث عتاب ہو بلکہ یہ باعث اجر ہوتی ہے۔ یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خودکشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور قاضی عیاض نے اس وقت پر محمول کیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (سورۃ کہف آیت ۶) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

کما قال القسطلانی: وحمله القاضی عیاض علی انه لما اخرجه من تکذیب من بلغه کقوله تعالی فلعلک باخع۔ الخ ولم یرد بعد شرع عن ذلك فیه قرعه - به -.

(ارشاد الساری جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۴ سورۃ اقرأ باسم ربك الذی خلق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز اور طلوع آفتاب کا ثبوت

سوال :- ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عصر کی نماز فوت ہو گئی یعنی سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز کے بارے میں پوچھا کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے سورج دوبارہ طلوع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس روایت کو امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں اسماء بنت عمیسؓ سے یوں روایت کیا ہے :-

عن اسماء بنت عمیس ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صلی الظهر بالصهباء ثم ارسل علیاً فی حاجة فرجع وقد صلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم العصر فوضع النبی رأسه فی حجر علی رضی اللّٰه عنه فنام فلم یحرکه حتی غابت الشمس فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اللهم ان عبدك علیاً احتبس بنفسه علی نبیه فرد علیه الشمس قالت فطلعت علیه الشمس حتی رفعت علی الجبال وعلی الارض وقام علی فتوضأ وصلی العصر ثم غابت وذلك بالصهباء۔

(المعجم الکبیر للطبرانیؒ ج ۲۴ ص ۱۴۵)

لیکن اس روایت کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ علامہ

ابن الجوزی، امام ابن تیمیہ اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو موضوعات اور بلا اصل روایات میں شمار کیا ہے۔ اور امام طحاوی، قاضی عیاض وغیرہ نے صحت پر قول کیا ہے اور طبرانی کی مذکورہ روایت کو بھی صحیح روایات میں شمار کیا گیا ہے۔

لما قال محمود الآلوسی، وفقد العنبری صحته خلاف نقل ذکرہ ابن الجوزی فی موضوعات وقال انه موضوع بلا شك وقال الامام احمد لا اصل له وقال ابن تیمیۃ تصنیفاً فی الرد علی الروافض وذکر الحدیث بطوله ورجاله وانه موضوع وصححه الطحاوی والقاضی عیاض والطبرانی۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۹۴ مطلب فی تفسیر قوله تعالیٰ فمنهم مسبحان)

ابوالشیخ کے حالات زندگی

سوال۔ حدیث من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ابلغته کی سند میں ابوالشیخ آیا ہے اس کا نام اس کے والد کا نام اساتذہ اور حالات زندگی کو تحریر کیا جائے؟

الجواب:۔ ابوالشیخ کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام محمد بن جعفر ہے اور مشہور ابوالشیخ کے نام سے ہیں ان کے اساتذہ بہت ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں: ابو زاہد محمود بن الفرج، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبداللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر ابن ابی عاصم، اسحق بن اسماعیل الرملی، ابو خلیفہ الجمحی، احمد بن الحسن الصوفی، ابو یعلیٰ الموصلی، ابو عروبہ الحرانی۔

حافظ ابن مردویہؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابوالشیخ ثقہ مامون تھے اور انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ابوبکر خطیبؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں، کان حافظاً ثبتاً متقناً۔

بعض علماء سے یوں منقول ہے کہ ہم جب بھی ابوالشیخ کے ہاں جاتے تو وہ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔

ابونعیمؒ کا کہنا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے تھے، انہوں نے احکام و تفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ اپنے شیوخ سے علم پھیلاتے تھے اور ساٹھ سال تک تصنیف کرتے رہے، وہ با اعتماد تھے۔

لما قال ابن عبیؒ، ابوالشیخ حافظ اصبہان ومسند زمانہ الامام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر الانصاری صاحب المصنفات السائرۃ ویعرف بابی الشیخ سمع من جدہ

الامام الزاهد محمود بن ... سمع ابراهيم بن سعدان، محمد بن عبد الله بن الحسن، محمد بن سنان الرقي، ... بن عفيف، وابا بكر بن ابي عاصم واسحق بن اسماعيل الرملي، وابا خليفة الجمحي، واحمد بن الحسن الصوفي، وابا يعلى الموصلي، وابا عروبة الحراني، قال ابن مردويه ثقة مأمون صنف التفسير والكتب الكثيرة في الاحكام وغير ذلك وقال ابو بكر الخطيب كان حافظا ثبتا متقنا ـ وروى بعض العلماء قال ما دخلت على ابي الشيخ الا وهو يصلي ـ قال ابو نعيم هو احد الاعلام صنف الاحكام والتفسير وكان يفيد عن الشيوخ وصنف فيهم ستين سنة وكان ثقة ووقع لنا الكثير من كتب ابي الشيخ ـ الخ

(تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴۵)

من قال لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ کی تحقیق

سوال: مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہو تو یہ شخص جنتی ہے۔ اگر صرف اس عقیدے کی بناء پر جنت میں جانا ہو سکتا ہے تو پھر دیگر اعمال کا کیا فائدہ؟

الجواب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل سے معبود برحق جانے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا رسول مانے اور زبان سے بھی اس عقیدہ کا اظہار کرے تو ایسا شخص جنت میں جانے کا اہل ہو جاتا ہے صرف زبانی کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے۔ اور دوسرے اعمال کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دوسرے اعمال فرض نہیں ہوئے تھے جبکہ ایمان کا دارومدار صرف توحید و رسالت اور قیامت پر تھا۔ اسی وجہ سے دوسرے اعمال کا بے فائدہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور دخول جنت سے مراد دخول اولیٰ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو یا بصورت کوتاہی کے توبہ کی ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاف کیا ہو۔ یا دخول جنت سے مراد دخول آخری ہے جو اعمال میں کوتاہی کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا۔ یا دخل الجنۃ کا معنی استحق دخول الجنۃ ہے۔

لما قال العلامة ملا علي القاري الحنفي رحمه الله: دخل الجنة دخولاً اولياً ان لم يصدر عنه ذنب بعد الايمان او اذنب وتاب او عفا الله عنه والا دخولاً اخروياً فان الله لا يضيع اجر من احسن عملاً ومعناه استحق

دخول الجنۃ ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۰۲ کتاب الایمان)

وقال النووی: فمحمله علی انہ غفر لہ او اخرج من النار بالشفاعۃ ثم ادخل الجنۃ فیکون معنی قولہ دخل الجنۃ ای دخلہا بعد مجازاتہ بالعذاب وہذا لابد من تاویلہ لما جاء فی ظواہر کثیرۃ من عذاب بعض العصاۃ ۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۱)

حدیث لولاک لما... کی تحقیق

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے بارے میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا قول کیا ہے اور ان کے علاوہ بعض علماء نے اس کو بلا سند روایات میں شمار کیا ہے اور بعض حضرات نے دیلمیؒ کے حوالے سے مرفوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں؟

الجواب: اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنی ومضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامریہ ہے جو کہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار منقول ہے وہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنی کے بارے میں نہیں ہے۔ چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ علامہ صغانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے ثابت ہے۔

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک قال الصغانی انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح فقد روی الدیلمیؒ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار وفی روایۃ ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا۔ (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)[1]

---

[1] قال العلامۃ شہاب الدین القسطلانیؒ: وقال اللہ تبارک وتعالیٰ لآدم یا آدم ارفع رأسک فرفع رأسہ فرأی نور محمدؐ فی سرادق العرش فقال یا رب ما ہذا النور قال ہذا نور نبیؐ من ذریتک اسمہ فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ما خلقتک ولا خلقت سماءً ولا ارضاً۔ (مواہب اللدنیۃ ج ۱ ص ۸۳)

وروی فی حدیث طویل عن سلمان رضی اللہ عنہ ولقد خلقت الدنیا واہلہا لأعرفہم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔

(مواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۸۳)

ومثلہ فی سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۷۴ ۔

مہاجرین وانصار میں عقد مواخات اور انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش کا سبب

سوال: صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان عقد مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارہ قائم کیا تو بعض انصار صحابہؓ کی دو دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو ایک بیوی کی طلاق کے بعد پیشکش کی۔ کیا یہ روایت حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ جا کر مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا اور اس پہ انصار نے اپنے خلوص وجذبۂ ایمان سے بھرپور طریقے پر عمل کیا جو حدیث کی کتابوں میں تفصیلی طور پہ مذکور ہے۔ اسی جذبۂ ایثار اور اخلاص ہی کی وجہ سے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنی نصف جائیداد اور ایک بیوی کی پیشکش کی جو کہ ان کے انتہائی ایثار کا اظہار تھا لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ظاہری طور پر خلاف مروت سمجھتے ہوئے حضرت سعد بن ربیعؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔

لما روی محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: لما قدموا المدینة آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن الربیع فقال لعبد الرحمٰن انی اکثر الانصار مالاً فاقسم مالی نصفین ولی امرأتان فانظر اعجبهما الیک فسمها لی اطلقها فاذا انقضت عدتها فتزوجها قال بارک اللہ لک فی اهلک ومالک۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۵۳۳ باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المهاجرین والانصار) ؎

اشعة اللمعات کی ایک عبارت کی تشریح

سوال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "اشعة اللمعات ج۲ ص۔۔" میں کتاب فضائل القرآن "باب آداب التلاوة" کے تحت ایک حدیث کی تشریح کی ہے جس کا

؎ وروی الامام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ عن انس رضی اللہ عنہ آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن الربیع فقال هلم اقاسمک مالی نصفین ولی امرأتان فاطلق احداهما فاذا انقضت عدتها فتزوجها الخ (جامع الترمذی ج۲ ص۱۹ باب مواساة الاخ، ابواب البر والصلة)

مطلب سمجھ میں نہیں آرہا ازراہ کرم فارسی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت فرمائیں۔
"مقصود وی صلی اللہ علیہ وسلم رفع حرج ومشقت وتکلیف در استقصائے رعایت تجوید بمرتبہ غایت است وتنبیہ بر تحری حسبۃ واخلاص در عمل لوجہ اللہ وتفکر در معانی وشدت اہتمام آن اگرچہ در تحسین الفاظ وتجوید کلمات نہ باقصی الغایۃ کوشد زیرا کہ استقصاء واہتمام بشان باسالیب وتقصیر در اول چندان نفع نکند واعتنا بشان با مسامحہ در اول ضرر نیارد"؟

الجواب:- یہاں پر تلاوت قرآن کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلام پاک کے معانی ومطالب میں غور وفکر نہ کرے بلکہ صرف الفاظ کی تحسین اور کلمات کی تجوید میں کوشش کرے تو اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلام الٰہی کی تلاوت اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے اور اس کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرے اگرچہ انتہائی طور پر قوانین تجوید اور تحسین الفاظ حاصل نہ ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں بنیادی چیز اخلاص وللہیت اور تفکر وتدبر ہے جب یہ حاصل ہوں تو تلاوت کا ثواب مکمل طور پر حاصل ہوگا، اور جب اخلاص اور تفکر نہ ہو تو اگرچہ تحسین وتجوید سے پڑھا جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔

بشروا ولا تنفروا کی تحقیق

سوال:- اصول تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی کوئی روایت منقول ہے کہ نفرت نہ دلانا محبت پیدا کرنا پہلے توحید ورسالت کی دعوت دینا جب اس کو مان لیں تو پھر نماز پنجگانہ بتانا۔

الجواب:- مذکورہ پورے الفاظ کسی ایک روایت میں نہیں ملے تاہم متعدد روایات سے یہ باتیں ثابت ہیں۔ ایک روایت میں یوں ہے:۔

بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسیٰ ومعاذ رضی اللہ عنہما الی الیمن فقال یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا الخ (الجامع الصحیح للبخاری ج ۲ ص ۶۲۲ کتاب المغازی، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ کتاب الجہاد)

اور دوسری روایت میں یوں ہے:۔

انک ستاتی قوما من اہل الکتاب فاذا جئتہم فادعہم الی ان یشہدوا ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فان ہم اطاعوا لک بذلک فاخبرہم ان اللہ قد فرض علیہم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ الخ (الجامع الصحیح للبخاری ج ۲ ص ۶۲۳ کتاب المغازی، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶ کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی سزا

سوال: تیسیر الباری ترجمہ بخاری میں پارہ اول حدیث ۱۰۸ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے فرمایا جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نادانستہ ایسا ہو جائے تو بالاجماع وہ گنہگار نہ ہوگا۔ جوینی نے کہا اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قصداً جھوٹ باندھے وہ کافر ہو گیا۔ علماء نے کہا کافر تو نہیں ہوا مگر سخت گنہگار ہوا۔ اس حدیث کے صحیح مطلب و مفہوم سے روشناس فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب: اس حدیث کا مفہوم تو ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا جہنم ہے۔ باقی اگر کوئی غلطی سے یا بھول کر اس فعل کا ارتکاب کرے تو بالاجماع علماء یہ شخص گنہگار نہیں ہوگا اسی وجہ سے حکم کے ساتھ بالعمد کی قید لگائی گئی ہے اور جو روایات مطلق ہیں وہ اس مقید پر محمول ہیں الکذب عمداً کے مرتکب کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جمہور کے ہاں جب تک حلال نہ سمجھے کافر نہ ہوگا اگرچہ گناہ عظیم ہونے میں شک نہیں مگر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

کما قال النووی: ان الاجماع والنصوص المشهورة فی الکتاب والسنة متوافقة متظاهرة علی انه لا اثم علی الناسی والغالط فلو اطلق النبی صلی الله علیه وسلم لتوهم انه یأثم الناسی ایضاً فقیده واما الروایات المطلقة فمحمولة علی المقیدة بالعمد ..... ثم قال ولکن لا یکفر بهذا الکذب الا ان یستحله هذا هو المشهور من مذاهب العلماء۔ الخ

(نووی شرح صحیح مسلم ج۱ ص۷ باب النهی عن الحدیث)

مرتد عن الاستاد کی حدیث کی تحقیق

سوال: مندرجہ ذیل حدیث "عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال المرتد علی نوعین مرتد عن الدین ومرتد عن الاستاد فاما المرتد عن الدین فهو یصلح بالتوبة واما المرتد عن الاستاد فهو لا یصلح اصلاً فهو کالبیضة المذرة۔" ایک تفسیر کی کتاب میں نظر سے گزری مگر اشتباہ اس میں یہ ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد بندوں کے راضی کرنے سے معاف

ہو جاتے ہیں اور توبہ کے ذریعے تو کافر و فاسق کی اصلاح ہوتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "وتوبۃ الکافر مقبولۃ" لہٰذا اس حدیث کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے، صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب: اساتذہ کرام اور والدین کا احترام قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ نافرمان شاگرد کی توبہ قبول نہ ہو۔ لقولہ تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (سورۃ زمر آیت ۵۳) اور اسی طرح غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (سورۃ المؤمن آیت ۳) لہٰذا توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

باقی چونکہ اس روایت کی سند مذکور نہیں اور نہ ہی کسی تخریج پر حوالہ دیا گیا ہے لہٰذا صحت و ضعف کے اعتبار سے تفصیل نہیں لکھی جا سکتی تاہم بظاہر وضع کے آثار اس میں نمایاں ہیں جن میں کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور اجماع امت سے تعارض شامل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس حدیث کو امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے: حدثنا هداب بن خالد و شيبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البنانی و سليمان التيمی عن انس بن مالك رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفی رواية هداب مررت على موسى ليلة أسری بی عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلی فی قبره

(الجامع الصحیح لمسلم ج۲ ص۲۶۸ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)

نسبت الی الغیر پر وعید اور اس کی توجیہ

سوال:- اس حدیث کی وضاحت فرما کر تشریح فرمائیں "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے

عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت ليلة أسری بی على موسى عليه السلام عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلی فی قبره۔ (نسائی ج ۱ ص۲۴۲ کتاب قیام اللیل و تطوع النهار۔ ذکر صلوۃ نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ... الخ)

والد کے سوا کسی دوسرے شخص کو والد کہا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے؟

الجواب:- یہ حدیث امام مسلم بن حجاج نے صحیح مسلم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کی ہے :-

عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرامٌ ۔

اکثر محدثین نے اس روایت کی مختلف توجیہات کی ہیں :-

(۱) یہ کہ جو شخص اس کام کو حلال سمجھ کر کرے گا تو اس پر جنت حرام ہے ۔

(۲) یہ کہ حرام بمعنے ممنوع ہے تو ایسے شخص پر جنت میں دخول اول ممنوع ہوگا جو فائزین اور سلامتی والوں کے لیے ہے اور سزا پانے کے بعد داخل ہوگا ۔

لما قال النوویؒ: الاول انہ حرام علی من فعلہ مستحلاً لہ ۔ والثانی ان جزائہ انہا محرمۃٌ علیہ اولاً عند دخول الفائزین الخ ۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج۱ ص۵۷ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وھو یعلم) [1]

نماز میں اشارہ ممنوعہ کی حقیقت

سوال:- ابوداؤد شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسکنوا فی صلوٰۃ" تفھیم عنہ فیعد لہا یعنی الصلوٰۃ (ج ۱ ص ۱۴۳)۔ کیا یہ حدیث اشارہ بالسبابہ کی روایت سے معارض ہے یا نہیں ؟

الجواب:- چونکہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ بالسبابہ کے لیے مستقل عنوان باب الاشارۃ فی التشہد کے تحت روایات کو جمع کیا ہے ، اور مذکورہ روایت کو باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ میں نقل کی ہے ، لہٰذا اس اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہوگا جو سلام کے جواب

---

[1] قال المرادی: استحل ذلک مع علمہ بانہ حرام ... علی الروایۃ المشہورۃ فالمراد کفر النعمۃ وظاہر اللفظ غیر مراد وانما ورد علی سبیل التغلیظ والزجر لفاعل ذلک والمراد باطلاق الکفران فاعلہ فعل فعلاً شبیہاً بفعل اہل الکفر۔ الخ (فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ج۱ ص۲۴۳ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وھو یعلم)

یا کسی دوسری ضرورت کے لیے کیا جائے۔

لما قال الشیخ خلیل احمد السہارنپوری رحمہ اللہ: الاشارۃ المذکورۃ فی ہذا الحدیث محمولۃ علی الاشارۃ فی الصلوٰۃ للحاجۃ کرد سلام وغیرہ۔

(بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۲ ص ۳۳ باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ)

فقیہ اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت

سوال:۔ فقیہٌ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد۔ یہ حدیث ہے یا کوئی عربی مقولہ ہے اور اگر حدیث ہے تو حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟

الجواب:۔ یہ عبارت ایک حدیث کے الفاظ ہیں اور اکثر کتب احادیث میں بروایت عبداللہ ابن عباسؓ ذکر کئے گئے ہیں۔

روی محمد بن عیسٰی الترمذیؒ بسندہٖ ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہٌ واحدٌ اشد علی الشیطٰن من الف عابد۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۳ باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ)[1]

حضرت علیؓ اور قوت حافظہ والی روایت

سوال:۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند کلمات اور اسماء حسنٰی بتلائے جن کے ورد سے حضرت علیؓ کی حافظہ کی کمزوری ختم ہوگئی، پھر بعد میں کسی صحابی کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے وہ کلمات بتائے۔ اس روایت کا حوالہ کیا ہے؟

الجواب:۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت ان کلمات کے ساتھ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ضعف حافظہ کو دور کرنے کے لیے فرمائے تھے) نقل کی ہے:۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مختصراً شکی علی رضی اللہ عنہ تفلت القرآن من صدرہ

---

[1] وکذا ذکر ولی الدین محمد بن عبد اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فقیہٌ واحد اشد علی الشیطٰن من الف عابد۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۴ کتاب العلم، الفصل الثانی)

ومثلہ فی سنن ابن ماجۃ ج ۱ ص ۲۰ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم۔

ثواب ملتا ہے۔ اس بارے میں ابن ماجہ کی ایک روایت ہے جو آٹھ صحابہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ و اقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبع مائۃ درھم ومن غزا بنفسہ فی سبیل اللہ وانفق فی وجہ ذلک فلہ بکل درھم سبع مائۃ الف درھم۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۹ باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ)

اور دوسری روایت کو امام ابوداؤدؒ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوۃ والصیام والذکر یضاعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ عزوجل بسبع مائۃ ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۴۵ باب تضعیف الذکر فی سبیل اللہ)

یہاں پہلی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر خرچ کرے اس کو ایک روپیہ کے عوض سات لاکھ روپیہ کا ثواب ملے گا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نماز، روزہ، ذکر اذکار کا ثواب انفاق فی سبیل اللہ کی نسبت سات (۷۰۰) سو گنا زیادہ ہے۔ اب پہلی حدیث کے سات لاکھ کو دوسری حدیث کے سات سو روپے سے ضرب دی جائے تو انچاس کروڑ بنتا ہے۔

۷۰۰۰۰۰ × ۷۰۰ = ۴۹۰۰۰۰۰۰۰

تاہم یہ ثواب صرف تبلیغ میں نکلنے سے خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے ہر مسافر کا یہ حکم ہے، البتہ تبلیغ بھی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے۔

ولد الزنا لا یدخل الجنۃ کی تحقیق

سوال:۔ درج ذیل حدیث ولد الزنا لا یدخل الجنۃ کی محدثین کے ہاں صحت اور ضعف کے اعتبار سے کیا حیثیت ہے؟ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟

الجواب:۔ اس حدیث کے متعلق اکثر حفاظ حدیث کی رائے یہ ہے کہ اس کا شمار موضوع روایات میں ہوتا ہے اور حدیث کے ذخائر میں اس کی صحت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

لما قال عبدالرحمن الشیبانی الشافعیؒ: ولد الزنا لا یدخل الجنۃ یدور علی الالسنۃ ولم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل قال القاضی مجدالدین شیرازی فی سفر السعادۃ ھو باطل۔ (تمییز الطیب من الخبیث ص ۲۰۰) ولما قال ایضاً ذکر فی المغنی عن احادیث الموضوع ولد الزنا لا یدخل الجنۃ لا اصل لہ۔ (تمییز الطیب من الخبیث ص ۱۹۹، وتکملۃ فی موضوعات کبیری للملا علی القاریؒ ص ۳۴۵ حدیث فی ولد الزنا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ سے غناء کی روایت

سوال: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کانت عندی امرأة تسمعنی فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی علی تلک الحال ثم دخل عمر ففرّت فضحک رسول اللہ فقال عمر رضی اللہ عنہ ما یضحکک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحدثته فقال واللہ لا اخرج حتی اسمع ما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسمعته۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اس روایت کو بعض محدثین نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور اس کی سند میں ابوالفتح البغدادی ہے جو محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہے، اور بعض نے اسے واضع الحدیث ساقط الروایۃ تک کہا ہے۔

لما قال ابن الجوزی رحمہ اللہ: قال الخطیب ابوالفتح البغدادی واضع الحدیث ساقط الروایۃ وھذا حدیث باطل۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج ۲ ص ۳۷ باب فی اباحۃ الغناء)

گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کا دودھ پیو کیونکہ اس میں دوا ہے اور اس کے گھی میں شفاء ہے اور بچو اس کے گوشت سے اس لیے کہ اس میں بیماری ہے؟

الجواب: گائے کے دودھ میں شفاء ہونے کے بارے میں تو روایات موجود ہیں جن کو حافظ عبداللہ نیشاپوری نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

ان اللہ تعالی لم ینزل داءً الا انزل له شفاءً الا الھرم فعلیکم بالبان البقر فانھا ترم من کل شجر۔ (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۹۶ کتاب الطب)

لیکن گائے کے گوشت سے ممانعت کی روایت نہیں ملی بلکہ اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے اس کی حلت ثابت ہے اور اگر منع کی روایت ثابت ہو جائے تو بھی طب پر محمول ہوگی۔

لما روی الامام مسلم بن حجاج فی صحیحہ: عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق به علی بریرة

فقال هو لہا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص۳۴۵ باب اباحۃ الہدیۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم و لبنی ھاشم و بنی المطلب... الخ)[1]

منجیات و مہلکات کی تشریح

سوال :- ثلث منجیات و ثلث مہلکات فاما المنجیات فتقوی اللہ فی السر والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغناء والفقر و اما المہلکات فھوی متبع و شح مطاع واعجاب المرء بنفسہ وھو اشدھن۔ (اس حدیث کا حوالہ اور تشریح ارسال کریں)

الجواب :- یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے جلد ۲ ص۴۳۴ پر شعب الایمان للبیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

تشریح :- اس روایت میں مقصود یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت سے بچنے اور نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں۔ (۱) خوف خدا یعنی ہر حالت میں خوف خدا اس کے دل میں ہو۔ (۲) قول بالحق یعنی ہر حالت میں حق بات پر ڈٹا رہے خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، دوست ہو یا دشمن کسی کو بھی ملحوظ خاطر رکھے بغیر حق بات کرے۔ (۳) قصد: اعتدال اور میانہ روی خرچ کرنے میں چاہے فراخی رزق ہو یا فقر و فاقہ ہر حالت میں افراط و تفریط یعنی اسراف اور بخل دونوں سے بچے اور ان کے درمیانی حالت کو اختیار کرے۔

مہلکات :- اسی طرح دنیوی و اخروی ہلاکتوں سے بچنے کے لیے بھی تین چیزیں ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیے۔ (۱) ھوی متبع یعنی نفس کی خواہشات کی پیروی، اسلئے کہ خواہشات نفسانیہ کی مخالفت اکبر المنجیات میں سے ہے جیسے کہ اتباع خواہشات نفسانیہ اکبر المہلکات میں سے ہے۔ (۲) شح یعنی بخل کہ انسان کی طبیعت میں بخل مل جائے

---

[1] وعن جابر رضی اللہ عنہ قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃ بقرۃ یوم النحر۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص۴۲۴ باب جواز الاشتراک فی الھدی واجزاء البدنۃ والبقرۃ کل منہما عن سبعۃ الخ)

ابو داؤد فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص۲۴۵ باب فی ھدی البقر۔

ہو اس کے مطابق چلتا رہے اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ بخل ہے جو حرص کے ساتھ مقرون ہو۔
(۳) اعجاب المرء بنفسہ:- یعنی خود بینی پیدا ہو جائے تو اپنے اعمال، احوال، جمال یعنی ہر کمال پر گھمنڈ کرے اور یہ سب سے زیادہ مہلک خصلت ہے، اس کا وبال بھی سب سے زیادہ اور نقصان بھی سب سے زیادہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۶۱۶ باب الغضب والکبر الفصل الثالث)

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْن کی تحقیق

سوال:- حدیث اطلبوا العلم ولو بالصین کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:- مندرجہ بالا حدیث کو امام احمد بن حسین بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے اور امام بیہقیؒ کی تحقیق کے مطابق اس روایت کا متن تو مشہور ہے لیکن تمام اسناد ضعیف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:-

هذا الحديث متنه مشهور واسناده ضعيف وقد روي من اوجه كلها ضعيفة۔ (شعب الايمان للبيهقي ج ۲ ص ۲۵۳)

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ ص ۹ میں امام بیہقیؒ سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے۔ (جلد ۱ ص ۹)

تاہم ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: هذا حديث لا يصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال ابن حبان: هذا الحديث باطل لا اصل له۔ (الموضوعات لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب العلم باب طلب العلم ولو بالصین)

امت محمدیہ کے تہتر ۷۳ فرقوں کا ثبوت

سوال:- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ کیا یہ صحیح حدیث اور مشہور ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ ایک صحیح حدیث کا مفہوم ہے جسے محدثین نے مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود و نصاریٰ اے ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت

تہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

لما روی الترمذیؒ: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال تفرقت الیہود علی احدی و سبعین او اثنتین وسبعین فرقۃ والنصاری مثل ذلک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ ھذا حدیث حسن صحیح۔ (جامع السنن للترمذی ج ۲ ص۹۲)

وقال عبد القاھر بن محمد البغدادیؒ: قد رواہ عن النبیﷺ جماعۃ من الصحابۃ کانس بن مالکؓ وابی ھریرۃؓ وابی درداءؓ وجابرؓ وابی سعید الخدریؓ وابی بن کعبؓ وعبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وابی امامۃؓ وواثلۃ بن اسقعؓ وغیرھم۔ (الفرق بین الفرق ص۵ الباب الاول فی بیان الحدیث المأثور) ۔ الخ

تفرق کی تحقیق

سوال:۔ مندرجہ ذیل حدیث تفترق امتی ثلاث وسبعین فرقۃ ...الخ میں افتراق سے کیا مراد ہے؟

الجواب:۔ اس حدیث میں تفرق اور تقسیم سے مراد وہ تفرق ہے جو اصول دین میں واقع ہوا ہو اور فروعی اختلاف اس سے مراد نہیں اس لیے کہ جن فرقوں کا فروع میں اختلاف ہو وہ سب اصول اور بنیادی عقائد میں متحد ہوتے ہیں ایک دوسرے کو کفر و گمراہی کی نسبت نہیں کرتے، اور جو لوگ اصول دین میں متفرق ہوں وہ ایک دوسرے کو کافر و گمراہ کہتے ہیں۔

لما قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ: والمراد من ھذا التفرق، التفرق المذموم الواقع فی اصول الدین واما اختلاف الامۃ فی فروعہ فلیس بمذموم بل من رحمۃ اللہ سبحانہ فانک تری ان الفرق المختلفۃ فی فروع الدین متفقون فی الاصول ولا یضللون بعضھم بعضاً، واما المتفرقون فی الاصول فیکفر بعضھم بعضاً ویضللون ...الخ (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۱۸ ص۱۱ اول کتاب السنۃ۔ باب شرح السنۃ)

ـــہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقت الیہود علی احدی وسبعین فرقۃ تفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقۃ۔

(ابن ماجۃ ص۲۸۷ ابواب الفتن۔ باب افتراق الامم)

لا تعلموھن الکتابۃ کی تحقیق

سوال:۔ لا تنزلوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ۔ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں اور حافظ ابو عبداللہ حاکم نے اپنی "مستدرک" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ لا تنزلوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ یعنی النساء وعلموھن المغزل وسورۃ النور۔ ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔

(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۹۶ تفسیر سورۃ النور، النھی عن تعلیم الکتابۃ للنساء)

تاہم بعض علماء نے اس کی عدم صحت پر قول کیا ہے۔

لما قال ابن الجوزیؒ: ھذا الحدیث لا یصح عن رسول اللہ۔ وقد ذکرہ ابو عبداللہ النیسابوریؒ فی صحیحہ والعجب کیف خفی علیہ امرہ۔

قال ابو حاتم ابن حبانؒ: کان محمد بن ابراھیم الشامی راوی الحدیث یضع الحدیث علی الشامیین لا یحل الروایۃ عنہ الا عند الاعتبار روی احادیث لا اصول لہا من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الاحتجاج بہ۔

(کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۲ ص ۲۶۹ باب تعلیم النساء سورۃ النور ومنعھن من سکنی الغرف وتعلیم الکتابۃ)[1]

[1] قال الشیخ سعید بن بسیونی زغلول تحت حدیث ابی ھریرۃ لا تعلموا النساء الکتابۃ ولا تسکنوھن الغرف ومن حدیث عائشۃ من طریق محمد بن ابراھیم الشامی عن شعیب بن اسحاق الدمشقی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃؓ لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ وعلموھن المغزل وسورۃ النور۔

قال ابن الجوزی رحمہ اللہ: ھذا حدیث لا یصح وقد ذکرہ الحاکم فی صحیحہ واعلہ ابن الجوزیؒ بمحمد بن ابراھیم الشامی۔ قال ابو حاتم بن حبان کان محمد بن ابراھیم الشامی یضع الحدیث علی الشامیین لا یحل الروایۃ عنہ الا عند الاعتبار روی احادیث لا اصول لہا من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الاحتجاج بہ۔

(حاشیۃ مسند الفردوس للدیلمی ج ۵ ص ۹۶ رقم حدیث ۷۰۰۰)

امام مہدیؑ کے بارے میں روایات کی تحقیق

سوال:۔ کیا مہدی علیہ السلام کے آنے کے بارے میں جو باتیں زبان زدِ عام ہیں یہ صحیح روایات سے ثابت ہیں یا کوئی عام واقعہ ہے جس نے شہرت پائی ہے؟

الجواب:۔ امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں واقعات درست اور صحیح روایات سے ثابت ہیں اور احادیث کی اکثر کتابوں میں مستقل باب کے تحت روایات کو جمع کیا گیا ہے جن میں امام مہدی علیہ السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد، ابن عظم، مسند ابو یعلی، مسند ابن ابی شیبہ، طبقات، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

اور مجموعی لحاظ سے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں روایات تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تواتر کو یوں نقل کیا ہے:۔

قال ابو الحسن الآبری فی مناقب الشافعی تواترت الاخبار بان المهدی من هذه الامة وان عيسى عليه السلام يصلي خلفه۔

(فتح الباری ج۶ ص۴۹۳ باب نزول عيسى ابن مريم عليهما السلام)[1]

اللہ طاق ہے کی روایت کی تحقیق

سوال:۔ حدیث "اللہ تعالیٰ کی ذات طاق ہے اور طاق چیز کو پسند کرتی ہے لہٰذا اے اہل قرآن! تم طاق نماز یعنی وتر پڑھا کرو"۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کتب حدیث کی کون سی کتاب میں مسطور ہے؟ ذرا وضاحت سے روشناس فرمائیں؟

الجواب:۔ یہ روایت حدیث کی اکثر کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یوں منقول ہے:۔

قال الامام محمد بن عيسى الترمذي بسنده عن عليؓ قال الوتر ليس كصلوتكم المكتوبة

---

[1] وقال في التوضيح: انها متواترة بلا شك ولا شبهة بل يصدق وصف التواتر على ما هو دونها على جميع الاصطلاحات المحررة في الاصول۔ (الاذاعة ص۱۱۳)

[2] وتفصيله في عقد الدرر في اخبار المنتظر للعلامة يوسف بن يحيى المقدسي الشافعي ص۔

ولکن سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ وتر یحب الوتر فاوتروا یا اھل القرآن۔ (جامع الترمذی ج۱ ص۱۰۳ باب ما جاء ان الوتر لیس بحتم) ۔ ۱

شهرا عید لا ینقصان کی تحقیق

سوال: درج ذیل حدیث : شهرا عید لا ینقصان رمضان وذوالحجۃ کا مطلب اور مفہوم کیا ہے ؟ ذرا وضاحت کے ساتھ اس کی تحقیق سے نوازیں ؟

الجواب :۔ شہرا عید لا ینقصان کے بارے میں ائمہ حدیث سے مختلف توجیہات منقول ہیں لیکن مشہور اور قریب الی الفہم جو توجیہات ہیں وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان اور ذوالحجۃ ایک سال میں دونوں ۲۹ دن کے نہیں آتے، اگر ایک ۲۹ دن کا آئے تو دوسرا ضرور ۳۰ دن کا آئے گا۔

(۲) امام اسحٰق بن راھویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر عدد ایام کے اعتبار سے رمضان اور ذوالحجہ کے مہینے اگرچہ ۲۹ دن کے آئیں لیکن باعتبار اجر و ثواب ۳۰ دن کے برابر ہوں گے۔

(سنن ترمذی ج۱ ص۸۸ باب ما جاء شہرا عید لا ینقصان) ۔ ۲

انا نبی و آدم بین الماء و الطین کی تحقیق

سوال :۔ ایک واعظ سے میلاد شریف کے دوران میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین و آخرین ہونے کے بارے میں یہ الفاظ سنے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا نبی وآدم بین الماء والطین۔ کیا یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

۱ وقال ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی فی سننہ بسندہ عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن اوتروا فان اللہ وتر یحب الوتر۔

(سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۰۸ باب تفریع ابواب الوتر، باب استحباب الوتر)

ومثلہ فی سنن ابن ماجہ ج۱ ص۸۲ باب ما جاء فی الوتر۔

۲ نقل ھذا التوجیہین ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فی متن سنن ترمذی ج۱ ص۱۴۸ (باب ما جاء شھرا عید لا ینقصان)

اوّلین وآخرین نبی ہیں؟

الجواب: نصوصِ صریحہ اور اجماعِ امت سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوّلین اور آخرین کے پیغمبر ہیں لیکن جہاں تک مذکورہ الفاظ کا تعلق ہے تو یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ روایت ثابت نہیں البتہ معنی کے اعتبار سے روایت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عن ابی هریرة قال قالوا یا رسول الله متی وجبت لک النبوة قال وآدم بین الروح والجسد۔ رواه الترمذی۔ (شرح طیبی ج ۱۱ ص۳۵۳ باب فضائل سید المرسلین) [1]

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ کی تحقیق

سوال: جناب مفتی صاحب ہمارے سکول کی دیوار پر ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ کیا یہ حدیث کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور اس حدیث کو صحیح اور مستند کتابوں نے ذکر کیا ہے مگر مذکورہ بالا حدیث میں مسلمة کا لفظ زائد ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضةٌ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلؤ والذهب۔ (ابن ماجة ص۲۰ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم) [2]

اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا کی تحقیق

سوال: جناب مفتی صاحب ہم نے ایک عالم دین سے وعظ میں سنا ہے

---

[1] قال العلامة ملا علی القاریؒ: ای وجبت لی النبوة والحال ان آدم بین الروح والجسد یعنی انه مطروح علی الارض صورة بلا روح والمعنی انه قبل تعلق روحه بجسده۔ (مرقات ج ۱۱ ص۵۸ باب فضائل سید المرسلین۔ الفصل الثانی)

[2] عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم طلب العلم فریضةٌ علی کل مسلم وواضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلؤ والذهب۔ (مشکوٰة ص۳۴ کتاب العلم۔ الفصل الثانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا" میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری روایات مروی ہیں مگر مندرجہ بالا روایت کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں علماء حدیث نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: حدیث "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا" الحدیث رواہ الترمذی فی جامعہ وقال انہ منکر وکذا قال البخاری وقال انہ لیس لہ وجہ صحیح وقال ابن معین کذب لا اصل لہ وکذا قال ابو حاتم ویحیی بن سعید۔ (موضوعات الکبری ص۸۱ حدیث نمبر ۶۱) بلہ

ابو حنیفۃ سراج اُمتی کی تحقیق

سوال:۔ محترم مفتی صاحب! میں ایک دن الدر المختار کا مقدمہ مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی نظر سے گذری کہ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابو حنیفۃ سراج اُمتی" (رواہ ابو نعیم) کیا یہ روایت صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں اگرچہ ان میں سے بعض میں آپؒ کی منقبت اور فضیلت کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر اکثر روایات موضوع اور غیر ثابت شدہ ہیں ان ہی میں سے ایک یہ روایت بھی ہے، مذہب حنفی کے مشہور و معروف محدث اور فقیہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: حدیث "ابو حنیفۃ سراج اُمتی" موضوع باتفاق المحدثین۔ (موضوعات الکبری ص۸۱ حرف الھمزۃ رقم الحدیث ۱۳۲) کلہ

لہ قال العلامۃ ابن الجوزیؒ: قال یحیی بن معین ھذا حدیث کذب لیس لہ اصل، وقال الجوزیؒ: ھذا الحدیث موضوع یعزی الی ابی الصلت (الموضوعات ج۱ ص۳۵۳ باب فضائل علی علیہ السلام)

کلہ قال العلامۃ ابن الجوزیؒ: حدیث "یکون فی امتی رجل اسمہ النعمان وکنیتہ ابو حنیفۃ ھو سراج امتی" قال الخطیب: ھذا الحدیث موضوع تفرد بروایتہ البکائی، قال وحدثت عن ابی عبد اللہ الحاکم انہ قال: وضع ابو عبد اللہ الجویباری من المناکیر علی الثقات ما لا یحصی ولعلہ ھو الذی وضع ھذا الحدیث موضوعا۔ (ابن الجوزیؒ ج۲ ص۴۸ باب فضل ابی حنیفۃؒ)

ما تقول فی ھذا الرجل کا مطلب

سوال: قبر میں سوال و جواب کے بارے میں جو روایت مروی ہے اس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں: ما تقول فی ھذا الرجل؟ ھذا اسم اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو مُردوں کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے جبکہ آپ تو مدینہ منورہ میں اپنے روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے؟

الجواب: محدثین عظام نے ان الفاظ کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک پیش کی جاتی ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ درمیان سے حجابات ہٹا دیے جاتے ہیں، جبکہ علامہ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ بدون کشف حجاب اور بدون شبیہ کے سوال کیا جائے گا اور یہ بصورتِ امتحان زیادہ قوی ہے۔

قال ابن حجرؒ ولا یلزم من الاشارة ما قیل من رفع الحجب بین المیت و بینه صلی الله علیه وسلم حتی یراه ... اقوی فی الامتحان ... (مرقاة شرح المشکوٰة)

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق

سوال: مندرجہ ذیل حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کو واعظین حضرات بہت شد و مد سے بیان کرتے ہیں اور اس سے علماء کی فضیلت ثابت کرتے ہیں۔ کیا یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا درجہ کیا ہے؟

الجواب: محدثین کرامؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جبکہ بعض علماء نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ تاہم صرف فضیلت العلم کے طور پر بیان کرنا ممنوع نہیں۔[1]

قال العلامة طاهر بن علی الهندی رحمه الله: وعلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل قال شیخنا والزرکشیؒ لا اصل له ولا یعرف فی معتبر وروی بسند ضعیف۔ (تذکرة الموضوعات ص ۲۰)

---

[1] قول العلامة ملا علی القاری رحمه الله: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ قال الدمیریؒ والعسقلانیؒ لا اصل له۔ وکذا قال الزرکشیؒ وسکت عنه السیوطی۔ (موضوعات کبیر ص ۱۵۹ رقم حدیث ۶۱۲)

رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ کی تحقیق

سوال: بخاری شریف کی کتاب العلم میں ایک حدیث ہے کہ رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ (الحدیث) اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ ہم نے بہت کوشش کی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟

الجواب: علماء حدیث نے ان الفاظ کی مختلف تاویلات اور مقاصد بیان کئے ہیں، بہت سی عورتیں دنیا میں اعمال کے اعتبار سے خوب اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اپنی دوسری بداعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں اعمال سے ننگی (خالی) ہوں گی وغیرہ، مگر مناسب مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ساری عورتیں اگرچہ بظاہر ملبوس پہنے ہوتی ہیں جو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کا سارا بدن نظر آتا رہتا ہے تو ایسی عورتوں کو ننگا ہونے کی آخرت میں سزا ہوگی۔

قال الشیخ محمد زکریا الکاندھلویؒ: اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا مثلاً اتنا باریک کہ بدن اس میں نظر آتا ہے تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی۔ (تقریر بخاری ج۱ باب العلم والعظۃ باللیل)

انا من نور اللہ والمؤمنون منی کی تحقیق

سوال: جناب مفتی صاحب! کچھ لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور مانتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں (انا من نور اللہ والمؤمنون منی)۔ کیا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات اقدس کے اعتبار سے بشر ہیں اور آپ میں بشریت کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں لہٰذا آپ کو باعتبار ذات نور کہنا صحیح نہیں، جہاں تک مذکورہ روایت کا تعلق ہے تو محدثین عظام نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

قال العلامة طاہر الفتنی الہندیؒ: وفی الذیل "کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین وکنت نبیاً ولا آدم ولا ماء ولا طین" قال ابن تیمیۃ موضوع وھو [illegible] قال وکذلک حدیث "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" [illegible] القیامۃ، قال ابن حجر لا اعرفہ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۸۶ فضل الرسول وخصائص)[1]

---

[1] قال العلامة ملا علی قاریؒ: حدیث "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" قال العسقلانیؒ انه کذب مختلق، وقال الزرکشیؒ: لا یعرف، وقال ابن تیمیۃ: موضوع۔
(الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاریؒ ص [illegible])

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا ثبوت

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک صاحب نے دوسرے سے کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو کیا تم مان لوگے؟ تو دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا، دونوں کا اس بات پر اختلاف ہے۔ آنجناب سے استدعا ہے کہ ان کے اس اختلاف کو دور فرمائیں؟

الجواب :- ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں بالفاظ صریح ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے لہٰذا اس سے انکار نہ کیا جائے اور بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

اخرج الامام ابوداؤد: عن حذیفة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباطة قوم فبال قائماً ثم دعا بماء فمسح علی خفیه۔

(ابوداؤد ج۱ ص باب البول قائماً) [1]

سبحان من زین الرجال باللحی الخ کی تحقیق

سوال :- سبحان من زین الرجال باللحی وزین النساء بالذوائب والی حدیث سنتے چلے آرہے ہیں، براہ مہربانی اس حدیث کا حوالہ درکار ہے؟

الجواب :- یہ حدیث کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے مثلاً:-

قال الامام السرخسی: روی عن النبی انه قال ان الله تعالی ملٰئکة تسبیحهم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون والذوائب۔ (المبسوط ج۲ ص کتاب الدیات) [2]

---

[1] اخرج الامام الزیلعی: عن حذیفة رضی الله عنه قال كنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فانتهی الی سباطة قوم فبال قائماً فتنحیت فقال ادنه فدنوت حتی قمت عند عقبه فتوضأ ومسح علی خفیه۔

(نصب الرایة بحواله مسلم ج۱ ص کتاب الطهارت)

[2] قال العلامة عبدالرؤف المناوی: سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب۔

(کنوز الحقائق علی هامش الجامع الصغیر ج۱ ص)

(ومثله فی مسند الفردوس للدیلمی ج۲ ص۔

من صلی علی عند قبری ... کی تحقیق

سوال :۔ بعض لوگ سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر کے قائل نہیں اور وہ اس حدیث من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا بلغتہ کو ضعیف کہتے ہیں۔ کیا واقعی یہ روایت ضعیف اور نا قابل حجت ہے ؟

الجواب :۔ اس حدیث کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات نے تضعیف کا قول کیا ہے مگر اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہٰذا یہ روایت سماع النبی فی القبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قابل حجت ہے۔

کما ذکر العلامۃ ابو الطیب محمد شمس الدین العظیم آبادیؒ تحت ذلک الحدیث۔ قال ابن القیمؒ وقد صح اسناد هذا الحدیث وسألت شیخنا ابن تیمیۃ عن سماع یزید بن عبد اللہ من ابی هریرۃ فقال کانہ ادرکہ وفی سماعہ منہ نظر انتهی کلامہ۔ وقال النوویؒ فی الاذکار وریاض الصالحین : اسنادہ صحیح۔ وقال ابن حجرؒ : رواتہ ثقات۔ هـ (عون المعبود ج ۲ ص ۲۲ کتاب المناسک) ۔ لـه

حدیث قال لا یبیع بعضکم ... کی وضاحت

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! میں نے ایک کتاب میں ایک حدیث پڑھی ہے جو کچھ اس طرح ہے : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یبیع بعضکم علی بیع بعض ۔ اس کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :۔ یہ روایت امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی کتاب البیوع میں نقل کی ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :۔

(۱) عاقدین کے درمیان بیع تمام ہو چکی ہو اور ایک دوسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ میں تمہیں اس چیز کی زیادہ قیمت دیتا ہوں تم اس آدمی سے بیع فسخ کر کے یہ چیز مجھے دے دو۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان بات چیت چل رہی ہے اور بائع مشتری پر چیز فروخت کرنے پر آمادہ بھی ہے کہ تیسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ مجھ سے زیادہ رقم لے کر عقد بیع میرے ساتھ کر دو ـــــ اس حدیث کی رو سے یہ دونوں صورتیں ناجائز و حرام ہیں۔

سوال:۔ حدیث "قال جاء رسول اللہ ﷺ بیتنا وانا صبی" اور فقہی روایت میں تطبیق

عن عبد اللہ بن عمر بن ربیعة قال جاء رسول اللہ ﷺ بیتنا وانا صبی صغیر فذھبت لالعب فقالت امی یا عبد اللہ تعال اعطیک فقال رسول اللہ ﷺ ما اردت ان تعطیہ قالت اردت ان اعطیہ تمرا قال اما انک لو لم تعطہ لکتبت علیک کذبة (در منثور ج ۴ ص ۲۹۰)

اور علامہ ابن عابدینؒ نے اس سے اپنے بچے کے ساتھ کذب کو مستثنیٰ کیا ہے: قال ابن عابدینؒ: قال رسول اللہ ﷺ کل کذب مکتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأتہ او ولدہ والرجل یصلح بین اثنین والحرب۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۷۴ قبیل احیاء الموات)

تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:۔ اس تعارض بین الروایات کے حل میں تطبیق یہ ہے کہ حدیث اول میں کذب سے مراد کذب صریح ہے اور حدیث ثانی میں کذب صوری مراد ہے جسے تعریض کہا جاتا ہے۔ کذب صریح اور حقیقی مراد نہیں ہے۔

قال العلامة الشامیؒ: قولہ قال ای صاحب المجتبیٰ وعبارتہ قال کل کذب مکتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأتہ او ولدہ والرجل یصلح بین اثنین والحرب فان الحرب خدعة قال الطحاوی وغیرہ ھو محمول علی المعاریض لان عین الکذب حرام ...... فالاستثناء فی الحدیث انما ھو فی الثلاثة من صورة الکذب وحیث ابیح التعریض لحاجة لا یباح لغیرھا لانہ یوھم الکذب وان لم یکن اللفظ کذبا لکن یاثم فی الاحیاء نعم المعاریض تباح بغرض صحیح کتطییب قلب الغیر بالمزاح ... جاز الکذب ...... قال الشارح ابن الشحنة نقل فی البزازیة انہ اراد بہ المعاریض لا الکذب الخالص۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۷۵ قبیل احیاء الموات) لے

لے قال العلامة السید احمد الطحطاویؒ: والمراد التعریض عبارة المجتبیٰ قال الطحاوی وغیرہ ھو کالحدیث محمول علی المعاریض لان الکذب حرام اھ وظاھرہ ان التعریض لا یباح الا فی ھذہ الصور۔
(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۱ قبیل احیاء الموات)
وَمِثْلُہٗ فی حاشیة کشف الاستار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۷۵ فصل فی البیع قبیل باب احیاء الموات۔

احادیث وحی غیر متلو ہیں

سوال:- احادیث کو وحی الٰہی قرار دیا جاتا ہے اور جیسے علماء دین وحی غیر متلو کہتے ہیں حالانکہ احادیث تو رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے تو اسے وحی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس کی دلیل کیا ہے؟

الجواب:- احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہیں جسے علماء کرام وحی غیر متلو کہتے ہیں تو جب الفاظ اور معنی دونوں منجانب اللہ منزل ہوں تو اسے وحی متلو کہتے ہیں جیسے قرآن مجید ہے اور جب معنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو اسے وحی غیر متلو اور احادیث کہتے ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ:-

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿سورۃ النجم آیت ۳۔۴﴾

(۲) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ﴿سورۃ الزمر آیت ۵۱﴾ [1]

کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث فالجنۃ علیہ حرام میں اس کی حرمت کی تحقیق

سوال:- حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔ تو کیا حدیث میں لفظ حرام سے حرمت ابدی مراد ہے یا نہیں؟

الجواب:- اس حدیث میں جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس گناہ کو حلال بھی سمجھے تو اس پر جنت ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی اور جو حلال نہ سمجھے تو اس پر جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جنت کا دخول اولی فائزین اور اہل السلام کے ساتھ حرام ہے جہنم میں سزا کاٹنے کے بعد اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

قال العلامۃ محی الدین النوویؒ: قولہ فالجنۃ علیہ حرام ...... احدھما انہ

---

[1] قال العلامۃ ملا جیون المتوفی: اعلموا ما ان یتصل بالوحی وغیرہ والوحی اما متلو و هو الکتاب وغیرہ وهو السنۃ. (نور الانوار ص۶ تقسیم اصول الشرع)
ومثلہ فی کشف الاسرار علی المنار ج۱ ص۲ تقسیم اصول الشرع۔

محمول علی من فعله مستحلاً له والثانی ان جزاءہ انها محرمة علیه اولاً عند دخول الفائزین واهل السلامة ثم انه قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذلك وقیل لا یجازی بل یعفو الله سبحانه وتعالیٰ عنه۔

(نووی شرح مسلم ج۱ ص۷۲ باب حال ایمان من رغب عن ابیه وهو یعلم)[1]

حدیث: بعثنی بالحق لایقبل اللہ صدقۃ میں قبول کی تحقیق

سوال: شرح ذیل حدیث مبارک

"والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجل وله قرابات محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرہ" میں عدم قبول سے کیا مراد ہے؟

الجواب: علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

عن ابی هریرة مرفوعاً الی النبی انه قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته یصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیدہ لا ینظر الله الیه یوم القیامة۔ اور پھر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے عدم قبول سے مراد عدم ثواب لیا ہے اگرچہ فرض کے ذمہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والمراد بعدم القبول عدم الاثابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج۔ الخ

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج۲ ص۹۴ قبیل باب صدقة الفطر)[2]

---

[1] قال العلامة شبیر احمد العثمانی رحمه الله: قوله فالجنة علیه حرام الخ۔ اما محمول علی من فعله مستحلاً او علی ان جزاءہ انها محرمة علیه اولاً عند دخول الفائزین واهل السلامة ویمکن العفو عنه بفضل الله سبحانه وتعالیٰ۔

(فتح الملهم شرح صحیح مسلم ج۱ ص۲۳۶ باب حال ایمان من رغب الخ)

ومثله فی ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی ج۱۰ ص۱۵ باب من ادعی الی غیر ابیه کتاب الفرائض۔

[2] قال الطحطاوی: قوله لا تقبل صدقة الرجل ای لا یثاب علیها وان سقط الفرض ومثل الرجل المرأة کما فی الکفایة الخ۔ (طحطاوی علی المراقی ص۴۳۹ باب المصرف)

ومثله فی البنایة فی شرح الهدایة ج۳ ص۴۱۱ قبیل باب صدقة الفطر۔

حدیث بئر بضاعۃ کی تحقیق اور احناف کا جواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء حدیث اس حدیث کے بارے میں جو مشکوٰۃ ج۱ ص۵۱ الفصل الثانی باب احکام المیاہ میں ذکر ہے کہ عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول اللہ انتوضأ من بئر بضاعۃ وھی بئر یلقی فیہ الحیض ولحوم الکلاب والنتن رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی۔ کیا یہ حدیث احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں اسی عبارت کے ساتھ مذکور ہے اور پھر احناف کے ہاں اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث بئر بضاعۃ مسند احمد میں ج۳ ص۳۱ پر بسند ابی سعید الخدریؓ اور سنن ترمذی کی ج۱ ص۲۱ باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شئ، اور ابوداؤد کی ج۱ ص۹ باب ماجاء فی بئر بضاعۃ اور سنن النسائی کی ج۱ ص۲۰ کتاب المیاہ باب ذکر بئر بضاعۃ میں ادنیٰ لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے، اور احناف نے اس حدیث کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں کہ اس کنوئیں کا پانی باغات کو دیا جاتا تھا اس لیے اس کا حکم جاری پانی کا تھا یا پھر کنواں بڑا تھا اور یہ ناپاکی کنوئیں میں اثر پذیر نہیں تھی جس کی وجہ سے اس کے رنگ، طعم اور بو میں فرق آتا ہو۔

قال العلامۃ ابوجعفر الطحاویؒ: فقالوا ما ذکرتموہ من بئر بضاعۃ فلا حجۃ لکم فیہ لان بئر بضاعۃ قد اختلف فیھا ما کانت فقال قوم کانت طریقا للماء الی البساتین فکان الماء لا یستقر فیھا فکان حکم مائھا کحکم ماء الانہار.... فلا ینجس ماؤہ الا ان یغلب علی طعمہ او لونہ او ریحہ او یعلم ان فی الماء الذی یؤخذ منھا نجاسۃ فان علم۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج۱ ص۱۲ کتاب الطہارۃ باب الماء یقع فیہ النجاسۃ) ؎

؎ قال الشیخ محمود حسن الدیوبندیؒ: قال اصحاب الطلق فی القول الفصل فی الآثار ان یکون العہد ما لم یکن عندنا معروفۃ فالالف واللام فی قولہ الماء للعہد الخارجی والمعہود ھو الماء فی بئر بضاعۃ یعنی الماء الذی فی بئر بضاعۃ لا ینجسہ شئ لا ان مطلق الماء لا ینجس وعدم تنجس مائہ لانہ کان جاریا فی البساتین وحکم الجاری.... واجاب الطحاوی بان السوال عن حکم الماء کان بعد اخراج النجاسات من بئر بضاعۃ الخ۔ (التقریر للترمذی فی کتاب الترمذی باب ماجاء ان الماء لا ینجسہ شئ کتاب الطہارۃ)
ومثلہ فی اعلاء السنن ج۱ ص۲۲۲ حدیث بئر بضاعۃ کتاب احکام المیاہ۔

حدیث لا تشدوا الرحال الخ کی تشریح

سوال:۔ لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد مسجدی ھذا و مسجد الاقصیٰ و مسجد الحرام ۔ یہ ایک حدیث ہے اس کے مطابق ان تینوں مساجد کے علاوہ ثواب کی نیت سے دوسری جگہوں کے لیے سفر کرنا اور سامان باندھنا جائز نہیں ہے، کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے یا اس حدیث کا کچھ اور مطلب ہے؟

الجواب:۔ حدیث کے الفاظ سے تو بظاہر یہی مطلب نکلتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ جگہوں کے علاوہ اعمال میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور اس حدیث میں علت نیت تقرب اور ثواب سفر الی ھٰذہ المساجد ہیں۔ دوسرے اماکن اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں زیارت قبور، تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین وغیرہ کے لیے سفر کرنے میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ زیارت قبور اور تعلیم و تعلم وغیرہ کی نیت سے کئے جاتے ہیں نہ کہ خاص ثواب کی نیت سے۔ اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ ان الگ چیزوں سے ملتا ہے۔

قال الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ: ومنها ان المراد حکم المساجد فقط وانه لا تشد الرحال الی مسجد من المساجد للصلوٰة فیه غیر هذه الثلاثة[1] واما قصد غیر المساجد لزیارة صالح او قریب او صاحب او طلب علم او تجارة او نزهة فلا یدخل فی النهی ویؤیده ما روی احمد ... الخ

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۳ ص۶۵ کتاب التهجد باب فضل الصلوٰة فی مسجد مکة والمدینة)

---

[1] قال العلامة العینیؒ: وقال شیخنا زین الدین من احسن محامل هذا الحدیث ان المراد منه حکم المساجد فقط وانه لا یشد الرحل الی مسجد من المساجد غیر هذه الثلاثة فاما قصد غیر المساجد من الرحلة فی طلب العلم وفی التجارة والتنزه وزیارة الصالحین والمشاهد وزیارة الاخوان ونحو ذلك فلیس داخلا فی النهی وقد ورد ذلك مصرحا به فی بعض طرق الحدیث الخ (عمدة القاری شرح صحیح بخاری ج۷ ص۲۵۴ باب فضل الصلوٰة فی مسجد مکة والمدینة کتاب التهجد)

ومثله فی فیض الباری علی صحیح بخاری ج۲ ص۴۳۳ کتاب التهجد باب فضل الصلوٰة فی مسجد مکة والمدینة۔

حدیث المولود حتی یبلغ الحنث ما یعمل من حسنة الخ اور فقہی روایت میں تطبیق

سوال:- واخرج ابن مردویہ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ المولود حتی یبلغ الحنث ما یعمل من حسنة کتبت لوالدہ او لوالدیہ وان عمل من سیئة لم یکتب علیہ ولا علی والدیہ فاذا بلغ الحنث وجری علیہ القلم الخ (درمنثور، تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۷۹۲)

اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد قالوا حسنات الصبی لہ لا لابویہ بل لہما ثواب التعلیم۔ (رد المحتار حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص ۲۱۴)

وفی خلاصۃ الفتاوی: الصبی اذا عمل من الحسنات قبل ان یجری علیہ القلم کان ثواباً لہ لا لابویہ ولو علم ابواہ تلک الطاعۃ کان لہما ثواب التعلیم۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۱) تو اب مذکورہ بالا حدیث اور ان فقہی روایات میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:- یہاں رفع تعارض میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حدیث میں ثواب سے مراد ثواب التسبب ہے اور فقہاء کی عبارات میں ثواب سے مراد ثواب العمل ہے، جیسا کہ مرقاۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ: (الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح) ... واما الثلاثۃ المذکورۃ فانہا اعمال تحدث بعد وفاتہ فلا تنقطع عنہ لانہ سبب تلک الاعمال (ففی معناہ) الخ قال وفی معناہ کتب العلوم الشرعیۃ فیکون لہ ثواب السبب۔ (مرقاۃ المفاتیح علی مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۷۵ کتاب العلم، الفصل الاول)۔ ۱؎

۱؎ وقال العلامۃ رافعی رحمہ اللہ: ھذا قول عامۃ المشائخ وقال بعضہم ینتفع الصبی بعملہ ویکون لوالدہ اجر ذلک من غیر ان ینقص من اجر الولد شیء۔ عن سندی۔ (التقریرات الرافعی ج ۱ ص ۱۱۹ کتاب الجنائز)

ومثلہ فی شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۷۱ کتاب العلم، الفصل الاول۔

یتبع المیت ثلاثة أهله الخ (الحدیث) کی تشریح

سوال :- ریاض الصالحین جلد اول ص ۱۸۲، رقم حدیث ۱۰۶

میں جو حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یتبع المیت ثلاثة اهله وماله وعمله فیرجع اثنان ویبقی واحد یرجع اهله وماله ویبقی عمله۔ متفق علیه۔ اس حدیث میں عمل اور اہل تو واضح ہے لیکن مال سے کیا مراد ہے جو اس سے واپس آتا ہے؟

الجواب :- اس حدیث میں ماله سے مراد غلام، کنیز، خیمے، تدفین، کفن، چادریں، چارپائی وغیرہ اور وہ سامان جو تدفین کے وقت قبرستان میں کام آتے ہیں اور پھر واپس کئے جاتے ہیں۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: یتبعه اهله ای اولاده واقاربه واهل صحبته ومعرفته وماله کالعبید والاماء والدابة والخیمة ونحوها قال المظهر اراد بعض ماله وهو ممالیکه وقال الطیبیؒ اتباع الاهل علی الحقیقة واتباع المال علی الاتساع فان المال حینئذ له نوع تعلق بالمیت من التجهیز والتکفین ومؤنة الغسل والحمل والدفن فاذا دفن انقطع تعلقه بالکلیة وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ج ۹ ص ۳۲۵ کتاب الرقاق الفصل الاول) [1]

مقدمہ صحیح مسلم میں ضمائر خطاب کا مرجع

سوال :- جناب مفتی صاحب! صحیح مسلم کے مقدمہ میں "جو عبارات خطاب کے ضمائر سے ذکر کئے ہیں، مثلاً یرحمك الله ما سهل الاستصحاب لما سألت وغیرها۔

---

[1] قال العلامة ابن حجر العسقلانیؒ: قوله یتبعه اهله وماله وعمله هذا یقع فی الاغلب ورب میت لا یتبعه الا عمله فقط والمراد من یتبع جنازته من اهله ورفقته ودوابه علی ما جرت به عادة العرب واذا انقضی امر الحزن علیه رجعوا سواء اقاموا بعد الدفن ام لا ...... قال الکرمانیؒ التبعیة فی حدیث انسؓ بعضها حقیقة وبعضها مجاز فیستفاد منه استعمال اللفظ الواحد فی حقیقته ومجازه۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۳۶۵ کتاب الرقاق الفصل الاول)

ومثله فی حاشیة مشکوٰة المصابیح للعلامة تبریزیؒ ج ۲ ص ۴۴۰ کتاب الرقاق الفصل الاول)

تو ان ضمائر خطاب کا مرجع کون ہے؟ حل فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ مقدمہ مسلم شریف میں جتنے ضمائر خطاب کے آئے ہیں ان کا مرجع یا تو امام مسلمؒ کا کوئی شاگرد ہے یا کوئی دوست معاصر، جیسا کہ مسلم شریف کے سبب تالیف اور ضرورت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

قال الشیخ المفتی محمد فرید صاحب ظلہ العالی: ذکر فی بعض حواشی مسلم ان المخاطب لهذا انما بعض تلامذته واما من معاصريه المصاحب له۔

(فتح المنعم شرح مسلم ص۱۲) [1]

مہر نبوت میں لکھائی کی تحقیق

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کندھوں کے درمیان جو مہر نبوت تھی تو اس میں کوئی چیز لکھی ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر نبوت میں کیا لکھا ہوا تھا اور تھا بھی یا نہیں! علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے، علامہ ابن حبانؒ وغیرہ نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، جبکہ بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سر فانت المنصور لکھا ہوا تھا، مگر بعض دوسرے اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں اور مہر نبوت پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔

قال العلامۃ ملا علی قاریؒ: وقول العسقلانی و روایۃ کانت کبیضۃ حمامۃ او کرکبۃ عنز وکشامۃ خضراء او سوداء مکتوب فیہا محمد رسول اللہ او سر فانک المنصور لم یثبت منہا شیء وتصحیح ابن حبان۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج۱ ص۶۲ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ طاہر حسین: اس کا مخاطب ابو اسحٰق ابراہیم راوی صحیح مسلم ہے جو سبب تالیف کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں کا یہ مطالبہ ہوا کہ تمام احادیث صحیحہ میں سے ایک ایسا مختصر مجموعہ مرتب کروں۔
(عمدۃ المفہم فی حل مقدمہ مسلم ص۲۳)

[2] اخبرنا نصر بن الفتح بن سالم المربعی بسمرقند، حدثنا عامر بن محمد بن ابی حنیفۃ حدثنا اسحاق بن ابراہیم الثقفی قال حدثنی ابن جریج عن عطاء عن ابن عمر قال کان خاتم النبوۃ فی ظہر رسول اللہ مثل البندقۃ من لحم مکتوب علیہ محمد رسول اللہ۔
(الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان ج۸ ص۸۲ رقم الحدیث ۶۲۴۹ باب ذکر حقیقۃ الخاتم وصفتہ) فی خصائل ترمذی شرح شمائل ترمذی ص۲۵ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ۔

سوال۔ حدیث فانها تذهب حتی تسجد تحت العرش الخ کی تشریح بخاری شریف

کی ایک حدیث ہے، عن ابی ذر قال کنت مع النبیؐ فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا ابا ذر اتدری این تغرب الشمس قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانها تذهب حتی تسجد تحت العرش فذلک قولہ تعالیٰ: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ (سورۃ یٰسٓ) اب سوال یہ ہے کہ تمام ممالک کے اوقات جدا جدا ہیں۔ مثلاً یہاں پاکستان میں رات ہے تو کئی دوسرے ممالک میں دن ہوتا ہے اب اگر ہم یہاں سے رات کے بارہ بجے یہ خبر نشر کریں کہ سورج عرش کے نیچے سجدے میں ہے تو اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں صبح کے آٹھ بجے ہوں گے وہاں کے لوگ کہیں گے کہ یہاں تو سورج چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ اس وقت سورج عرش الٰہی کے نیچے سجدے میں ہے۔ تو براہ مہربانی حدیث کی تشریح فرمائیں؟

الجواب۔ رفع اشکال کے لیے علماء امت نے اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، مثلاً علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی روح اوپر جا کر سجدہ کرتی ہے جو کہ سورج کی حرکت کے ساتھ معارض نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ غروب بہ نسبت معظم معمورہ کے مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ عرش تمام کائنات کے اوپر ہے اور سورج اپنی رفتار کے وقت ضرور عرش کے نیچے سے گذرے گا اس لیے اس میں کوئی بات خلاف عقل نہیں ہے البتہ ماوراء العقل ضرور ہے، چونکہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے جس کا تعلق وحی سے ہے اس لیے ہم اس کے ادراک اور مشاہدہ کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ہمیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قال العلامة بدر الدین العینی رحمه الله: الارضون السبع فی ضرب المثال کقطب الرحی والعرش العظیم ذاته کالرحی فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش وذلك مستقرها....... السمٰوٰت والارضون وغیرهما من جمیع العالم تحت العرش فاذا سجدت الشمس فی ای موضع یصح ان یقال سجدت تحت العرش....... لا ینکر ان یکون لها استقرار تحت العرش من حیث لا ندرکه ولا نشاهده وانما اخبر.

عن غیب فلا تکذب بہ ولا تکفرہ ان علمک لا یحیط بہ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص ۱۱۹ باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان۔ کتاب بدء الخلق) ۱ے

حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ الخ کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں کھٹک رہا ہے کہ حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے حالانکہ آجکل بہت سارے امور میں مسلمان کفار کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حدیث کے یہ الفاظ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مگر اس میں کفار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا مراد نہیں بلکہ ان امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے جو ان کے مذہبی اور دینی شعار یا رسم و رواج ہوں جیسے زنار وغیرہ پہننا۔

قال العلامۃ الطیبی رحمہ اللہ: (قولہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ) ھذا عام فی الخلق والخلق والشعار ولما کان الشعار اظہر فی التشبیہ ذکر فی ھذا الباب۔ (شرح طیبی ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب اللباس، الفصل الثانی) ۲ے

۱ے قال العلامۃ قسطلانی رحمہ اللہ: والجواب ان الارضین السبع فی ضرب المثال کقطب رحیٰ والعرش العظیم ذاتہ بمثابۃ الرحیٰ فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش۔۔۔ الخ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۹ باب صفۃ الشمس والقمر۔ کتاب بدء الخلق)

ومثلہ فی فیض الباری علی دلۃ البخاری ج ۴ ص ۱۰۰ تحت الشمس سجودھا تحت العرش۔

۲ے قال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنار وغیرہ پہننا یا جوگیوں کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے اس میں تشبہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص ۲۸۶ کتاب ما یتعلق بالحدیث والسنۃ)

ومثلہ فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۸ ص ۲۵۵ کتاب اللباس الفصل الثانی۔

تطبیق بین الاحادیث

سوال:- داڑھی کو خضاب کرنے کے بارے میں درج ذیل چند احادیث بندہ کے علم میں ہیں جن کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ قبل ازیں حرمت کی وجہ یہ گردانتا تھا کہ چونکہ خضاب وسمہ حرام ہے کہ یہ جرم پکڑتا ہے جس کی وجہ سے وضو میں خلل پڑتا ہے۔ اب دورِ جدید کی کالی مہندی میں یہ علت نہیں پائی جاتی لہٰذا اس کا استعمال جائز ہوگا۔ لیکن احادیث میں ترجیح نہیں دے سکتا اور آپ سے رجوع کرنا ضروری سمجھتا ہوں لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ مدلل جواب سے مستفید فرما کر ممنون فرمائیں۔ احادیث درج ذیل ہیں:-

(۱) عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیرتم بہ الشیب الحناء والکتم۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

(۲) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی آخر الزمان قوم یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ۔ (رواہ النسائی وابوداؤد)

(۳) عن ابن عباسؓ قال مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن ھذا قال فمر آخر قد خضب بالحناء والکتم فقال صلی اللہ علیہ وسلم ھذا احسن من ھذا ثم مر آخر قد خضب بالصفرۃ فقال ھذا احسن من ھذا کلہ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۴) عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ولا تشبھوا بالیھود۔ (رواہ الترمذی)

الجواب:- احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت محمول ہے خالص سیاہ خضاب پر، اور احادیث الاجازۃ محمول ہے غیر خالص سیاہ خضاب پر۔

(ھذا ما یفھم من معتبرات الفقہ)

ثلاثٌ مُهلکات کی تحقیق و تشریح

سوال:- جناب مفتی صاحب! حدیث ذیل، حدیث کی صحت الفاظ اور تشریح فرما دیں اور تکمیل بھی فرما دیں، حدیث شریف یہ ہے: ثلاثٌ مهلکاتٌ. اول حصہ یاد نہیں دوسرا اور تیسرا حصہ غالباً یہ ہے: هوىً متبع واعجاب المرء بنفسه؟

الجواب:- مکمل حدیث یہ ہے: عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ثلثٌ منجیاتٌ وثلثٌ مهلکاتٌ. فاما المنجیات فتقوی الله فی السر والعلانیة والقول بالحق فی الرضاء والسخط والقصد فی الغنی والفقر. واما المهلکات فهوی متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهو اشدهن. (رواه البیهقی فی شعب الایمان، مشکوٰة ص۴۳۴ باب الغضب والکبر)

مختصر تشریح درج ذیل ہے: (منجیات: ۱- تقویٰ)

ارشادِ نبوی کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ہلاکت سے بچانے اور نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں، یہ تین صفات جس شخص میں پائی جائیں گی وہ ہلاکت سے محفوظ اور کامیابی سے ہمکنار رہے گا۔

پہلی صفت یہ ہے کہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں وہ اللہ سے ڈرتا ہو، ظاہر ہے کہ جس آدمی کے دل میں خوفِ خداوندی اس درجہ میں موجود ہو کہ وہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے یکساں طور پر ڈرتا ہو وہ یقیناً دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تباہیوں سے محفوظ اس بنا پر رہے گا کہ اس سے نہ تو حقوق اللہ تلف ہوئے ہوں گے اور نہ حقوق العباد۔ وہ دونوں حالتوں میں حدود اللہ کا پابند رہے گا۔ اور ہلاکت و تباہی میں وہی لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو حدود اللہ کو بری طرح پامال کرتے رہتے ہیں اور کامیابی سے بھی اسی بنا پر وہ ہمکنار رہے گا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی نے دنیا میں اچھی زندگی اور آخرت میں جنت کا وعدہ فرمایا ہے، وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى. (الآیہ) "جو لوگ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈریں اور خواہشاتِ نفس کی ناجائز پیروی کو چھوڑ دیں ان کے ٹھکانے کی جگہ جنت ہی ہے۔" دنیا میں اچھی زندگی کا وعدہ اس آیت کریمہ میں موجود ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً. (الآیہ) "جو شخص خوفِ خداوندی کی وجہ سے عمل صالح کا پابند ہو، مرد ہو یا عورت اسے ہم دنیا میں اچھی زندگی دیں گے۔"

۲- (قول بالحق)

دوسری صفت جس پر نجات کا مدار ہے ہر حالت میں قول بالحق یعنی حق بات کہنی ہے خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض دوست کے ساتھ ہو یا دشمن کے ساتھ۔ ارشاد نبوی کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل و انصاف کے اصولوں کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑا جائے۔ نہ حق بات کہنے سے گریز و انحراف کیا جائے بلکہ حق گوئی کو ہر وقت اپنا شعار بنایا جائے خواہ کسی قوم سے سابقہ کیوں نہ پڑے۔ یہ بھی ایک ایسی بہترین صفت اور انسانی کمال ہے کہ نہ صرف یہ کہ مومن اور مسلم کے لیے دنیا و آخرت میں ذریعہ نجات اور کامیابی کی ضمانت ہے بلکہ بلا امتیاز مذہب و قوم و نسل کے جس شخص یا قوم میں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہ بین الاقوامی عزت کے مستحق اور عام و خواص، دوست و دشمن سب کے دلوں میں ایسے لوگ محبوب بن جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کا تاکیدی حکم دیتا ہے اور ان سے کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ (الآیۃ) "اے ایمان والو! خدا کی خاطر حق کے گواہ بن کر عدل و انصاف پر ہمیشہ قائم رہو" اور وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ (الآیۃ) "کسی قوم کے ساتھ بغض و عناد تمہیں ظلم اور بے انصافی پر آمادہ نہ کر سکے" اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (الآیۃ) "تمہیں حکم ہے کہ سچے اور حق گو لوگوں کے ساتھ رہو"

(۳) اعتدال: تیسری وہ صفت جس پر انسانی نجات کا دارومدار ہے اعتدال ہے۔ ارشادِ نبوی کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان ہر حالت میں خواہ فراخی رزق کی حالت ہو یا فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت ہو اعتدال کو ملحوظ رکھے۔ نہ بے جا اسراف اور فضول خرچی کرے نہ بخل اور کنجوسی کو اپنا شعار بنائے کہ خرچ ہی نہ کرے۔ راہِ اعتدال کو اپنانے سے ایک طرف تو انسان کی اقتصادی حالت پر خراب اثر نہیں پڑے گا اور معاشی زندگی میں مشکلات سے دوچار نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ "صاحب اعتدال آدمی کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا" اور دوسری طرف وہ کسی مہلک بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے جو تخمہ کے نام سے موسوم ہے جس کا ذکر مہلکات کی تفصیلات میں آئے گا۔ یہی وہ صفت ہے جسے قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نشانی قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔ (الآیۃ) "اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ مقدارِ مطلوب سے کمی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان راہِ اعتدال پر رہتے ہیں۔"

یہ تو منجیات کی مختصر تشریح ہوئی۔ اب ذیل میں مہلکات کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

مُہلکات

(۱) **ہوائے نفس**: انسان کو دنیوی و اُخروی دونوں قسم کی ہلاکتوں میں ڈالنے والی صفتیں بھی کچھ کم نہیں ہیں ان سے اگر انسان اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھے تو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائے ــــــ پہلی صفت ہوائے نفس کی ناجائز پیروی اور خواہشات کی اتباع ہے جس کو حدیث میں ھویٰ متبعٌ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ ہوائے نفس ایسی مہلک اور خطرناک بیماری ہے کہ جب ایک دفعہ انسان اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے ہدایت الٰہی کے تمام دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔ اور گمراہی کے تمام دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں بالآخر انسان کو ہلاکت کے کسی نہ کسی گڑھے میں گرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا میں گمراہی کا شکار رہوگا اور آخرت میں جہنم کے سوا کوئی بھی جائے پناہ اسے نہیں ملے گی۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ قَلْبِهِ وَسَمْعِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (سورۃ) ـــ کیا تم جانتے ہو کہ ان لوگوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا اور معبود بنا لیا ہے جس کے پیچھے وہ چل پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر علم کے باوجود انہیں گمراہ بنا دیا ہے تو خدا کے سوا کون دوسرا ہے جو انہیں راہِ حق دکھا سکے؟ تم ان پر غور کیوں نہیں کرتے ہو؟

(۲) فَأَمَّا مَن طَغَىٰ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (سورۃ) ـــ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے باغی ہو کر سرکشی کی روش اختیار کریں اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیں تو وہ یہاں سے پلٹ کر جہنم ہی میں جانے والے ہیں۔

(۲) **شحِ مطاع**: دوسری مہلک اور تباہ کن صفت انسان کے لیے حرص اور بخل کی عادت ہے۔ یہ خصلت بھی ایسی بری خصلت ہے کہ جب یہ نفس انسانی میں راسخ ہو کر اسے اپنا محکوم اور تابع بنا دے تو پھر اس سے آزادی غیر معمولی جہاد کے بغیر ممکن نہیں اور سخت دشوار ہو جاتی ہے۔ اس کے تابع اور محکوم انسان تمام زندگی میں لازمی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بُری طرح پامال کرتا ہے جس کا انجام اس کے حق میں ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر قرآن کریم واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ: وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (سورۃ) ـــ وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو بخل اور حرص کی اطاعت سے محفوظ رہے۔

اور جو لوگ حرص اور بخل کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں انہیں قرآن کریم نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر یہاں امتحان کی چند روزہ زندگی میں اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو آخرت میں سخت ہلاکت و تباہی مقدر

میں مبتلا ہو کے رہ گئے۔ ارشادِ ربانی ہے: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ترجمہ: جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت مال پر بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ بخل ان کے لیے مفید ثابت ہوگا، یہ بخل ان کے لیے انتہائی مضر ہے، قیامت کے روز بخل کیا گیا مال ایک طوق بن کر ان کے گلے میں بصورت طوق پڑا رہے گا۔ بخل اور حرص کے مابین تلازم ہے، ایک ہوگا تو دوسرا بھی اس کے ساتھ رہے گا اور جو انجام ایک کا ہوگا دوسرے کا بھی وہی انجام ہوگا۔

(۳) <u>اعجاب نفس</u>: تیسری وہ صفت جو صرف انسان کے لیے مہلک ہے بلکہ مہلکات کی فہرست میں صدر کا مقام رکھتی ہے۔ اعجاب خود بینی اور کبر کی صفت ہے۔ خود بینی اور تکبر کو تمام مہلکات سے بڑھ کر مہلک اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان میں بندگیٔ رب کا بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور وہ اطاعت خداوندی کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ یہ صفت اسے خود خدائی اور الوہیت ربوبیت کے خواب دکھانے لگتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ فرعون نے اسی کی وجہ سے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ نمرود بھی اسی کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ کہہ گیا تھا، ابوجہل اسی کی بدولت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ غزوۂ حنین میں اعجاب ہی کی بدولت مسلمانوں کو پسپائی شکست مل گئی۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (التوبۃ) غرض یہ کہ اعجاب اور تکبر ہی وہ صفت ہے جو بہت جلد انسان سے اپنی حقیقت کو بھلا دیتی ہے اور آہستہ آہستہ خدائی کے دعوے کے لیے تیار کرتی رہتی ہے۔

میرے ناقص علم میں اس وقت حدیث کی جو مختصر تشریح تھی وہ پیش کر دی گئی ہے ورنہ تشریح کے لیے بہت وقت درکار ہے۔ بہرحال حدیث کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں سے ہے جو جوامع الکلم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

کتاب
السلوک

ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها

کتاب السلوک

(تصوف کے احکام و مسائل)

شریعت اور طریقت کی حقیقت

سوال: شریعت اور طریقت ایک ہی چیز ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟

الجواب: شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے، چاہے اعمال ظاہری ہوں یا اعمال باطنی، اسی وجہ سے متقدمین علماء کی اصطلاح میں لفظ فقہ اس مجموعے کے مترادف کہا گیا تھا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:

هو معرفة النفس ما لها وما عليها (توضیح و تلویح ص ۲۶ بحث تعریف فقہ)

البتہ متأخرین علماء نے اس میں ذرا سی تبدیلی کی ہے یعنی اعمال ظاہری کو شریعت اور اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت میں تقسیم کیا ہے لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لیے جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی: علماء را بظاہر شریعت و باطن را بباطن شریعت کہ عبارت از حقیقت است تسلی و خرسندی و از ند چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقت شریعت است و طریقت از حقیقت آنکہ شریعت امری دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر الحاد و زندقہ است۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۳ جلد ۱ ص ۴۳) لـہ

بیعت کی حقیقت

سوال: بعض لوگ بیعت کو صرف چند عبادات مخصوص مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیری مریدی کے نام سے جو بیعت مروج ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک خود ساختہ رسم ہے۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

الجواب: مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس ہر مسلمان پر لازم ہے اسی زمانے میں

لـہ قال الشاہ غلام علی: درمیان آنحضرت کمالات الٰہیہ و درمیان ما رنگ دیگر ظہور نمودہ لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علی ص ۹۳ مکتوب ہشتاد و ہفتم)

وظیفۃ فی الشریعۃ تنبیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲ کتاب العلم، الفصل الثالث۔

تب احسان اور تزکیۂ نفس تصرف سے ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ بات پر اکثر محققین متفق ہیں اور مرتبہ احسان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اور بیعت سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ثابت ہے۔

لما قال خطیب التبریزیؒ: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۱ کتاب الایمان الفصل الاول)

وقال شاہ ولی اللہ محدث الدھلویؒ: واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃ علی الھجرۃ والجھاد وتارۃ علی اقامۃ ارکان الاسلام۔ (الشفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۵ پہلی فصل) ؎۱

پابند شریعت شخص کی بیعت کا حکم

سوال: کیا کسی کامل مرشد سے بیعت کرنا سنت ہے یا واجب؟ اس بارے میں راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب: اگر کوئی پابند شریعت مرشد مل جائے تو باطنی صفائی کے لیے اس کی بیعت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے اس لیے کہ اپنی اصلاح کا فکر کرنا ضروری ہے۔

کما قال الشاہ ولی اللہ الدھلویؒ: فاعلم ان البیعۃ سنۃ ولیس بواجبۃ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۲ دوسری فصل) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ فقیر اللہ الحنفیؒ: وھی سنۃ لیست بواجبۃ لان الناس بایعوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقربوا بھا الی اللہ تعالیٰ ومالم یدل الدلیل علی تأثیم تارکھا ولم ینکر احد من الائمۃ من الصحابۃ والتابعین علی تارکھا فکان اجماع السکوتی علی انھا لیست بواجبۃ اھ (قطب الارشاد ص۳۳۴ بحث تکرار البیعۃ ماثورۃ)

؎۲ قال العلامۃ فقیر اللہ الجلال آبادیؒ: وھی سنۃ لیست بواجبۃ۔ لان الناس بایعوا النبی الخ۔ (قطب الارشاد ص۳۳۴ بحث تکرار البیعۃ ماثورۃ)
ومثلہ فی انوار القدسیۃ ص۵

مرشد کے لیے شرائط کا تذکرہ

سوال:۔ کسی کو بیعت کرنے والے مرشد میں کیا کیا شرائط ضروری ہیں یا ہر شخص کسی کو بیعت کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ مرشد چونکہ فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور وصول الی اللہ میں مدد دیتا ہے اس لیے علماء حق نے اس اہم منصب کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی ہیں۔
(۱) وہ شخص عالم ہو (۲) متقی ہو (۳) زاہد فی الدنیا اور آخرت میں رغبت والا ہو (۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہو (۵) مشائخ کا صحبت یافتہ ہو۔ جس شخص میں یہ شرائط پائی جائیں تو اس سے بیعت ہونا یا اس کا کسی کو بیعت کرنا جائز ہے[1] ان شرائط کی عدم موجودگی میں کسی کو بھی بیعت لینے کا حق حاصل نہیں۔

لما قال الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی:۔ فشرط من یأخذ البیعة امور احدها علم الکتاب والسنة، والشرط الثانی العدالة والتقوی، والشرط الثالث ان یکون زاہدا فی الدنیا راغبا فی الآخرة، والشرط الرابع ان یکون امرا بالمعروف ناہیا عن المنکر، والشرط الخامس ان یکون صحب المشائخ وتأدب بہم دہرا طویلا واخذ منہم النور الباطن والسکینة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص [illegible] الفصل الاول بحث بیعت)

عورت کے لیے بیعت کا حکم

سوال:۔ کیا پیری مریدی میں زنانہ کے لیے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی خصوصاً جبکہ عورت غیر محرم ہو؟

الجواب:۔ آجکل مشائخ سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ دراصل بیعت توبہ ہے لہٰذا جب کسی شیخ میں جملہ شرائط موجود ہوں اور پردہ کا بھی اہتمام ہو تو خواتین کا مرشد سے

---

[1] قال الشاہ غلام علی رحمہ اللہ:۔ پیر کسے است کہ متبع سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باشد ظاہراً وباطناً وتارک بدعت ودر طریقہ بزرگان سلف مانند حضرت غوث الثقلین وشیخ الاسلام گنج شکر مستقیم بود واز علم ضروری فقہ بہرہ داشتہ باشد الخ۔
(مکتوبات شاہ غلام علیؒ ص[illegible] مکتوب ہشتاد ودوم رسالہ اول)
ومثلہ فی مرصاد العباد للشیخ نجم الدین کبریؒ ص[illegible]

سے بیعت ہونا جائز اور مشروع ہے۔

کقولہٖ تعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ۔

(سورۃ الممتحنہ آیت ۱۲)

لیکن یہ بیعت تو ہوگی، مگر اس میں ہاتھوں کو مس نہیں کیا جائے گا، اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھوں کو مس نہیں کیا تھا۔

کما ذکرہ الامام البخاریؒ: ان عائشۃؓ زوج النبی اخبرتہ ان رسول اللہ کان یمتحن من هاجر الیه من المؤمنات بهذه الآیة بقول الله: یا ایها النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك الی قوله غفور رحیم۔ قال عروۃ قالت عائشۃؓ فمن اقر بهذا الشرط من المؤمنات قال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتك کلاما ولا والله ما مست یده ید امرأۃ قط فی المبایعة۔ (الجامع الصحیح للبخاری ج۲ ص۷۲۶ سورۃ ممتحنہ ...)

باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو کس طرح بیعت فرمایا کرتے تھے، تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں عورتوں کے ہاتھوں کو ڈال کر مس کیا ہے، جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں ابن مردویہؒ سے نقل کیا ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۸ ص۸۱ تحت آیت ۱۲ سورۃ الممتحنہ)

مگر اس کی تصحیح میں تامل کیا ہے۔

مشائخ صوفیاء کرام کے ہاں عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ مختلف چلا آرہا ہے۔ بعض مشائخ پانی میں ہاتھ ڈال کر عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے، جیسا کہ شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے خلیفہ خاص شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے "نظام القلوب ص ..." میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس بات پر تمام مشائخ صوفیاء متفق ہیں کہ اگر نامحرم عورت بیعت ہونا چاہتی ہو تو پردہ میں بیٹھ کر بیعت لی جائے گی۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ در نوشتہ بودند بعضی عورت طلب مشغولی می نمایند اگر محارم اند چہ مانع است واگر بیگانہ اند بعد از پس پردہ طریقہ را اخذ نمایند۔ (مکتوبات جلد ۲ ص۲۸ دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۶۱)

... قال الشیخ عبد اللہ الخانی الخالدی النقشبندی: وقال رضی اللہ عنہ مجیبا لمن سأله عن طریق تعلیم النساء ان کانت محرمة فلا بأس وان لا فتجلس وراء الحجاب وتأخذ الطریقة۔ (البهجة السنیة فی آداب الطریقة النقشبندیة ص۳۲ فصل فی بیان ما یتعلق بالاخذ والشروع فی سلوك الطریقة العلیة)

بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم

سوال:- کیا کسی بدعتی اور ناقص پیر سے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- پیر و شیخ چونکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اس کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے، بدعتی اور ناقص پیر کی بیعت کرنا اپنے آپ کو تباہی کے دھانے تک لے جانے کے مترادف ہے اس لیے ایسے کسی بھی پیر سے بیعت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ شرائط ارشاد میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شیخ کا عقیدہ و عمل بھی ٹھیک ہو اگر عمل و عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ و سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ شخص شیخ یا پیر نہیں ہو سکتا۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: وقوی ترین اسباب فتور در طلب استقامت انابت شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام نا کردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ مکتوب ۱۹۰) لے

بیعت توڑنے کا حکم

سوال:- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی اب اس میں کچھ خلاف سنت و شریعت امور پیدا ہو چکے ہیں تو کیا میں اس کی بیعت توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:- شیخ اور مرشد کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہیے اور غیر متبع سنت شخص سے بیعت نہیں کرنا چاہیے، جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا وہ شیخ ناقص ہے اور اس کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: وقوی ترین اسباب فتور در طلب استقامت انابت شیخ ناقص کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام نا کردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ مکتوب ۱۹۰) ے

لے ونحوہ قال الشاہ ولی اللہ محدث الدہلوی رحمہ اللہ: والشرط الثانی العدالة والتقوی فیجب ان یکون مجتنبا عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل شرط دوم مرشد)

ے ومثلہ فی [illegible] ص [illegible]

فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا

سوال:۔ کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو بیعت توڑنا کیسا ہے، اور اگر فائدہ ہوتا ہو پھر توڑنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اگر کوئی فیض حاصل نہ ہوتا ہو تو دوسرے کسی متبع سنت مرشد سے تجدید بیعت جائز ہے اور اگر فائدہ حاصل ہوتا ہو تو پھر بیعت توڑنا صحیح نہیں اس سے آدمی میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا شخص مشائخ کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ: فاعلم ان تکرار البیعۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور ولکن لم یتوارث عن الصوفیۃ الا من شخصین فان کان بظہور خلل فی من بایعہ فلا باس ولکن ذلک بعد موتہ او غیبتہ منقطعۃ واما بلا عذر فانہ یشبہ المتلاعب ویذھب البرکۃ ویصرف الشیوخ عن تعھدہ۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۳۵ حکمت تکرار بیعت، سلہ)

بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم

سوال:۔ میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مشرک اور بدعقائد عقائد رکھتا ہے اب اس کی بیعت توڑنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک مسلمان کے لیے عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور جو شیخ مشرکانہ و بدعقائد رکھتا ہو وہ شیخ ناقص ہے اور شیخ ناقص سے بیعت حرام ہے لہٰذا اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بیعت توڑنا ضروری ہے۔

لما قال مجدد الف ثانی رحمہ اللہ: و قوی ترین اسباب فتور در طلب اثابت شیخ ناقص است که سلوک و جذبه کار را تمام ناکرده بمسند شیخی نشسته طالب را صاحب ... تا آل

له قال شاه عبد العزیز: قال المحدث الدهلوی رحمه الله تعالیٰ: الا من الشخصین فان کان بظهور الخلل فی الشیخ تجدید خلاف ... (قصد السبیل ارشاد ص۲۴۳ تکرار البیعۃ ماثور)

است و تابعت او در حق ممکن۔ (مکتوبات مجدد دفتر اول حصہ دوم ص ۱۲۱ مکتوب ۹۲) لہ

مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا

سوال:۔ اگر کسی کا مرشد فوت ہو جائے تو کیا وہ کسی دوسرے متبع شریعت مرشد سے بیعت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مرشد کی وفات کے بعد کسی متبع شریعت مرشد سے بیعت ہونا صحیح ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہو سکے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: وتکرر ذلک بعد موتہ وغیبتہ المنقطعۃ۔

(انتصار ملی ترجمہ القول الجمیل ص ۳۳ فصل تکرار بیعت) لہ

ذکر صادق کا طریقہ اور اس کی حقیقت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! صوفیا کے ہاں ذکر صادق کی ایک اصطلاح مشہور ہے اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ذکر صادق اسلاف سے منقول ہے کہ دو زانو بیٹھ کر کلمہ لا الہ کو دل سے ادا کرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور لفظ الا اللہ کو تصور میں آسمان سے کھینچے اور دونوں ہاتھوں سے دل پر ضرب لگائے، ذکر کا یہ طریقہ ذکر صادق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کما قال مولف الکامل شیخ نظام الدینؒ: طریق ذکر صادق دو زانو نشستہ چنانچہ ہر دو سرین بر زمین باشد و کلمہ لا الہ از دل کشیدہ ہر دو دست را کشادہ بطرف آسمان برد و لفظ الا اللہ از آسمان گرفتہ ہر دو دست بستہ بر دل صوت ضرب کنند۔

لہ قال شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ: والشرط الثانی العدالۃ والتقوی۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۲ دوسری فصل شرط دوم مرشد)
ومثلہ فی المرصاد العباد ص ۱۵۹

لہ قال العلامۃ شاہ اشرف علی تھانویؒ: وتکرر ذلک بعد موتہ وغیبتہ المنقطعۃ۔
(کتاب الارشاد ص ۲۳۹ تکرار بیعۃ مع الشیوخ)
ومثلہ فی مکتوبات مجدد الف ثانی ج ۲ ص ۱۳۵ مکتوب ۱۲

فائدہ بسیار و تاثیر بے شمار است۔ (نظام القلوب ص۳۱)

صلوٰۃ معکوس کا حکم

سوال: صلوٰۃ معکوس پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: صلوٰۃ معکوس اصل میں ایک مجاہدہ ہوتا ہے اور مجاہدہ میں نقل ضروری نہیں۔ اگرچہ مشائخ چشت میں اس کا ذکر تو پایا جاتا ہے مگر دوسرے ادلہ سے یہ ثابت نہیں تاہم اس کو ناجائز نہیں کہا جاتا ہے۔

لما قال الشاہ ولی اللہؒ: ومنها تشبیه صلوٰۃ تسمی صلوٰۃ المعکوس لم نجد من السنة ولا اقوال الفقہاء ما تشہد بہ فلما نلک حتی نجدہا والعلم عند اللہ۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۴۳ صلوٰۃ المعکوس)

ذکر میں دل پر ضربیں لگانا

سوال: بعض صوفیاء کرام ذکر میں دل پر ضربیں لگاتے ہیں کیا ذکر کرتے وقت ایسا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعی اعتبار سے ذکر میں ضرب برائے تصفیہ باطن اور بطور علاج کیا جاتا ہے کوئی ضروری عمل نہیں مگر جائز ہے علماء محققین نے ضرب مع الذکر کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

کما قال شاہ ولی اللہؒ: فبذاسم الذات اما بضربة واحدة وصفته ان یقول اللہ بالشد والمد والجہر بقوة القلب والحلق جمیعاً ثم یترک حتی یعود الیہ نفسہ ثم یفعل ھکذا وھکذا۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۹۶ بحث فصل مشغولی بندیہ)

ذاکرین پر وجد طاری ہونے کا حکم

سوال: بعض ذاکرین پر دوران ذکر وجد طاری ہوجاتا ہے، کیا ذکر کرتے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: مشائخ کے ہاں وجد جذب کا آغاز ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں اس لئے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و غل نہ ہو تو جائز ہے لیکن کسی کا نہ

قال العلامة شکارپوریؒ: او بضربة بان یقول اللہ بالشد والمد بالجہر وبقوة القلب الخ
(قطب الارشاد ص۲۷۹ نظرق الی اللہ تعالیٰ بعدد الانفاس الخلق الخ)
ومثلہ فی نظام القلوب ص۳

کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے۔ تاہم عصر حاضر میں ذاکرین پر وجد کا آنا ایک رسم بن چکا ہے جو کمال کی دلیل بھی جاتی ہے اس لیے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: التحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلاً ذکرہ فی العوارف المعارف واحیاء العلوم وخلاصۃ ما اجاب بہ العلامۃ النحریر ابن کمال پاشا بقولہ ؎

ما فی التواجد ان حققت من حرج　　ولا التمایل ان اخلصت من باس
فقمت تسعی علی رجل وحق لمن　　دعاہ مولاہ ان یسعی علی الرأس

الرخصۃ فیما ذکر من الاوضاع

(رد المحتار ج۴ ص۲۵۹ کتاب الجہاد - باب المرتد)

ذکر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کرنے کا حکم

سوال: ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں نے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کیا ہے کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس دعویٰ سے ایمان پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

الجواب: اگر اس سے مراد مراقبہ یا خواب میں اللہ تعالیٰ سے معانقہ کرنا مراد ہو تو یہ جائز ہے اور اگر اس سے مراد حالت بیداری میں ہو تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے لہٰذا اس قسم کے دعویٰ سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: بعد بحث طویل - والحاصل ان الامۃ قد اتفقت علی انہ تعالیٰ لا یراہ احد فی الدنیا بعینہ۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۳۲ بحث انہ تعالیٰ لا یُری فی الدنیا)[۲]

[۱] قال العلامۃ داماد آفندی رحمہ اللہ: وفی التسہیل فی الوجد مراتب وبعضہ یسلب الاختیار فلا وجہ للانکار بلا تفصیل۔ (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج۲ ص۵۵۲ فصل فی المتفرقات)

ومثلہ فی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح ص۱۷۳ کتاب الکراہیۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: عن الامام رضی اللہ عنہ قال رأیت رب العزۃ فی المنام تسعاً وتسعین مرۃ۔

(رد المحتار ج۱ ص۵ مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل)

دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم

سوال :۔ بعض صوفیاء دلائل الخیرات کا ورد کرتے ہیں اور سالکین کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب :۔ دلائل الخیرات کا اکثر حصہ چونکہ درود شریف پر مشتمل ہے اس لیے اسے بطور وظیفہ پڑھنا جائز ہے بلکہ ثواب کا کام اور رحمتوں کے نزول کا ذریعہ ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا باعث اجر و ثواب ہے۔

کما ذکر مسلم بن حجاجؒ : عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۵ باب الصلوٰۃ علی النبی بعد التشہد)[1]

عملیات میں اجازتِ شیخ کا حکم

سوال :۔ کیا اوراد و وظائف اور عملیات کیلئے شیخ کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ تعویذات اور دیگر عملیات میں اجازتِ شیخ کو ضروری تصور کرتے ہیں؟

الجواب :۔ اوراد و وظائف کے صرف پڑھنے میں تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں البتہ اگر شیخ کی اجازت ہو تو ان میں برکات اور فیض جاری ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ السیوطیؒ : الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للاقراء والافادۃ فمن علم من نفسہ الاھلیۃ جاز لہ ذلک وان لم یجزہ احد۔ الخ (الاتقان فی علوم القرآن ج۱ ص۱۴۱ الفصل الثالث فی کیفیۃ الاخذ بافراد القراءۃ)[2]

---

[1] قال الخطیب ولی الدین التبریزیؒ : وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ واحدۃ صلی اللہ علیہ عشراً۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۸۶ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلھا)

ومثلہ فی القول البدیع ص۱۰۱

[2] قال العلامۃ جلال آبادی رحمہ اللہ : الاجازۃ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للاقراء والاقراء فمن علم من نفسہ الاھلیۃ جاز لہ ذلک وان لم یجزہ احد۔ الخ۔ (تعلیم الارشاد ص۲۲۳ الخاتمۃ فی ذکر الاجازۃ)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۵ ص۲۵۵ کتاب السلوک۔

مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا

سوال:۔ سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانیین سے منقول ہے اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہیئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: اما هذه التصرفات عند کبراء هم اصحاب مقام فی اللہ والبقاء به فلها شان عظیم وما عند ساترهم فی التأثیر فی الطالب بتوجه الشیخ الی نفسه الناطقة وليصادها بهمة التامة القوية ثم يستغرق فی نسبة بالجمعية وهذا الخ . (شفاء العليل ترجمہ القول الجميل ص ۱۵ فصل تصرفات نقشبندیہ)[1]

مہمان کے لیے اوراد و وظائف چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کا اوراد و وظائف کا معمول ہو تو مہمان آنے کی صورت میں وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کا کوئی مہمان آجائے تو وہ دو قسم کا ہوگا یا تو اکثر آتا رہتا ہوگا یا کبھی کبھار آتا ہوگا، اگر مہمان اکثر آتا رہتا ہو تو پھر یہ شخص اپنے نفلی معمولات کو قضاء نہ کرے اور اگر کبھی کبھار آتا ہو تو اپنے معمولات چھوڑ کر مہمان کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے۔

ناقلا عن فتاویٰ الحجة ابن بزاز الکردریؒ: نزل به ضیف وله ورد من النفل فان کان ینزل کثیراً فلورد افضل وان قل فالاشتغال بالضیف افضل۔

(فتاویٰ بزازیہ علی هامش الهندیة ج ۴ ص ۳۷ کتاب الصلوٰة نوع فیما یکرہ)[2]

---

[1] قال قمیرالله جلال آبادیؒ: و لتصرفات الموجبة للکمال عند کبراء المشائخ وسائرهم تصرفات اصحاب مقام فی اللہ والبقاء به ولها شان عظیم والتاثیر فی باطن الطالب ان یتوجه الشیخ الی نفسه الناطقة ویصادمها بالهمة التامة القویة الخ (قطب الارشاد ج ۲ ص ۳۲ والنقشبندیة تصرفات)

[2] قال عالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل نزل به ضیف وله ورد من صلوٰة التطوع فان کان هذا الرجل کثیر الضیافة لا یترک ورده۔ (فتاوی تاتارخانیة ج ۱ ص ۳۲۵ کتاب الصلوٰة الفصل الثانی)

مجالس ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا

سوال :۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مجالس ذکر میں مشائخ کی ارواح آتی ہیں، اس سے تو تجسد الارواح صحیح معلوم ہوتا ہے، کیا شریعت مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے؟

الجواب :۔ انبیاء و اولیاء اللہ کی ارواح دنیا میں آسکتی ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے۔ لیکن اس کو عنوانِ عقیدہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات مفضی الی الشرک ہو سکتی ہیں۔

کما قال العلامۃ الآلوسیؒ: فقد وقعت رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ لغیر واحد من الکاملین من ھذہ الامۃ۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰) [1]

چالیس دن کے چلہ کا حکم

سوال :۔ بعض صوفیاء کرام چالیس دن کے چلہ کا اہتمام کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب :۔ اگر تو اس چلہ سے مقصود عبادتِ الٰہی ہو اور یہ چلہ بدعات کی تحریم سے بھی خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، اور چالیس دن کا تعین اس لیے کرتے ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوصِ نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسٰى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۵۱)

علامہ ابو عبداللہ القرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: وبھذا استدل الصوفیۃ علی الوصال ان افضلہ اربعون یوماً۔ (تفسیر قرطبیؒ ج ۱ ص ۳۹۶ سورۃ البقرۃ)

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عن انس بن مالکؓ قال

---

[1] قال العلامۃ جلال الدین السیوطیؒ: ولا یمتنع رؤیۃ ذاتہ الشریفۃ بجسدہ وروحہ وذلک لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن لھم بالخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۶۳ تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی للہ اربعین یوماً فی جماعۃ یدرک التکبیرۃ الاولیٰ کتب لہ براءتان براءۃ من النار وبراءۃ من النفاق۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۳۳ ابواب الصلوٰۃ) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے۔

مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں، جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: قال المشائخ من اراد الدخول فی الاربعینیۃ یلزمہ مراعات امور: دوام الصوم ودوام القیام وتقلیل الکلام والطعام والمنام وخصوصیۃ مع الانام والمواظبۃ فی الوضوء حالات الیقظۃ وعند المنام وربط القلب مع الشیخ علی الدوام وترک الغفلۃ رأساً۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۲۲ [illegible])

اولیاء اللہ کی پہچان

سوال: جناب مفتی صاحب! شریعت مطہرہ کی روشنی میں اولیاء اللہ کی پہچان کیا ہے؟

الجواب: ہر وہ مسلمان جو شریعت کا پابند ہو، متقی پرہیزگار ہو، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوستوں میں سے ہے۔

لما قال العلامۃ التفتازانیؒ: الولی هو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات۔ (شرح العقائد ص۱۵۱ تحت قول النسفی وکرامات الاولیاء حق) اھ[1]

کافروں میں اولیاء کا حکم

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافروں میں بھی اولیاء ہوتے ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: اگر ان لوگوں کی اولیاء سے مراد صاحب توجہ و تصرف ہو تو یہ کافروں میں بھی ہوتے ہیں جنہیں اولیاء الشیطان کا نام دیا جا سکتا ہے اور اگر اولیاء سے ان کی مراد

---

[1] قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: هو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج۲ ص۱۵۲۸ فی تحقیق لفظ ولی المولیٰ، الولی) ومثلہ فی النبراس ص۲۹۷ کرامات الاولیاء حق۔

عرفی و اصطلاحی اولیاء الرحمٰن ہوں گو یہ صرف مومنوں میں ہوتے ہیں کافروں میں نہیں۔

کما قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ (سورۃ یونس آیت ۶۲، ۶۳) ؎۱

اولیاء اللہ کا جمع ہونا

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:- صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں لیکن یہ سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور تعلم سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا البتہ صوفیاء کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوتے ہیں اور بعض وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے بچانا چاہیئے۔

اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالعزیز سجلماسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت نے فرمایا کہ دیوان اسی غار حرا میں لگتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کے باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے پیچھے ہوتا ہے الخ (ابریز ص۵۱۹ چوتھا باب، دیوان صالحین)

حضرت نے فرمایا کہ گزشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔ (ابریز ص۵۲۱ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔

(ابریز ص۵۲۲ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا

سوال:- کیا کوئی شخص کسی فوت شدہ ولی اللہ کی نسبت معلوم

؎۱ قال العلامة التفتازانیؒ: الولی هو العارف باللّٰه تعالیٰ وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات۔ (شرح العقائد ص۱۵۰ تحت قول النسفیؒ وکرامات الاولیاء حق)

ومثله فی شرح المقاصد ج۵ ص۷۲ شمول قدرة اللّٰه تعالیٰ۔

کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کوئی سالک اور متقی و پرہیزگار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ اما الاطلاع علی نسبۃ اهل الله فطریقه ان یجلس بین یدیه ان کان حیا او قبره ان کان میتا ویفرغ نفسه عن کل نسبة ویفضی بروحه الی روحه فمن ای شخص نما نا الخ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۲۶ طریق اطلاع نسبت اولیاء اللہ)[1]

ولایت کے لیے بیعت ہونے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا ولایت، طریقت و بیعت کے بغیر مل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی متبع شریعت شیخ سے بیعت ہونا ایک مستحب امر ہے، حصول ولایت کے لیے جتنے ذرائع ہیں کسی سے بیعت ہونا ان میں ایک کامیاب ذریعہ ہے جو لوگ اس کو شرط قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے سے بیعت ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پہلے مرشد کی موجودگی میں دوسرے مرشد سے بیعت کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مرشد کی وفات کے بعد بیعت ثانیہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ طریقت و بیعت چونکہ اخذ فیض کے لیے کی جاتی ہے تو اگر پہلی جگہ بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

کما قال الشیخ المحدث الشاہ ولی اللہؒ اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعت ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔

لما قال شیخ الطائفۃ مجدد الف ثانیؒ: بیدانند مقصود حق است و پیر وسیلہ است بوصول

---

[1] قال العلامۃ الگنگوہیؒ: واما الاطلاع علی نسبۃ اهل الله فطریقه ان یجلس بین یدیه ان کان حیا وعند قبره ان کان میتا۔ (قطب الارشاد ص۲۵۶)

جناب قدس حق تعالیٰ اگر طالب رشد خود را پیش شیخ دیگر بیند و دل در صحبت او حق سبحانہ جمع یا بر و بر است کر در حیات پیرے اذن پیر طالب پیش آں شیخ برود و طلب رشد از و نماید اما باید کہ از پیر اول انکار نکند و بجز بہ نیکی یاد نماید۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ج ۲ ص ۱۰۵ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۱۳) ۱؎

پیر کامل بننے کی شرط

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ پیر و شیخ کامل وہ ہے کہ مرید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پہ بیعت کرائے ورنہ ناقص ہے۔ کیا اس کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ جو شخص بیعت کے لیے یہ شرط لگاتا ہے وہ غلطی پر ہے نہ تو یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نہ صوفیاء کرام نے شرائط مرشد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: شرط من یاخذ البیعة امور احدها علم الکتاب والسنة الخ

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۲ دوسری فصل حکمت بیعت) ۲؎

ایک پیر کے الفاظ کا حکم

سوال:۔ ایک پیر نے کسی شخص سے کہا کہ مقبولات مقبول و مردودات مردود، کیا اس طرح کہنے سے کوئی کلام مقبول یا مردود ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر ان الفاظ سے اس کی مراد یہ ہے کہ جو تم کو پسند ہے وہ مجھ کو بھی پسند ہے اور جو کام تجھے ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے تو پھر تو یہ صحیح ہے اور اگر اس کی

۱؎ قال شاہ ولی اللہؒ: فاعلم ان تکرار البیعة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور و کذلک عن الصوفیة اما من الشخصین وان کان بظهور خلل فی من بایعه فلا بأس وکذلک بعد موته وغیبته المنقطعة واما بلا عذر فانه یشبه التلاعب۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت)

ومثله فی مکاتیب شریفة شاہ غلام علیؒ ص ۷۲ مکتوب ثمانون دوم۔

۲؎ قال العلامة جلال آبادیؒ: اعلم ان للشیخة واخذ البیعة شروطاً منها علم الکتاب والسنة الخ۔ (قطب الارشاد ص ۴۲۶ بحث شروط المشیخة)

ومثله فی مرصاد العباد ص ۱۹۵

مراد یہ ہو کہ پیر کے کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہوتا ہے تو یہ غلط ہے کسی کام کے مقبول یا مردود ہونے کا حکم شریعت کے ادلہ اربعہ کر سکتے ہیں کوئی اور شخص نہیں۔

کما قال الشیخ ملا جیونؒ: اعلم ان اصول الشرع ثلاثة ...... الکتاب والسنة واجماع الامة ...... والاصل الرابع القیاس۔ (نور الانوار ص۶ تقسیم اصول الشرع) [1]

نماز روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعوی

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک شخص اپنے آپ کو پیر ظاہر کرتے ہوئے آیا ہے جبکہ وہ داڑھی بھی منڈاتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے نماز روزہ معاف کر دئیے ہیں کیا واقعی کسی کو کسی سے نماز روزہ معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب:۔ اگر تو اس شخص کے دماغ میں فرق ہو یا پاگل پن میں مبتلا ہو تو پھر اس کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر مذکورہ شخص صحیح العقل ہو کر ایسی بات کہتا ہے تو وہ زندیق ہے اور اس سے اعتقادی تعلق رکھنا حرام ہے بلکہ واجب القتل ہے۔

کما قال العلامة التفتازانیؒ: ولا یصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً الی حیث یسقط عنه الامر والنهی لعموم الخطابات الواردة فی التکالیف واجماع المجتهدین علی ذلک الخ۔ (شرح العقائد ص۱۱۹ ولا یصل العبد ...... الخ) [2]

مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا

سوال:۔ ایک شخص اپنے مرشد کے متعلق کہتا ہے کہ میرا مرشد میرے لئے کعبہ و پیغمبر ہے، اس شخص کے ان الفاظ کا

---

[1] وقال العلامة فخر الاسلام رحمه الله: واصول الفقه الکتاب والسنة والاجماع والقیاس۔
(توضیح والتلویح ص۲۳)
ومثله فی المولوی علی الحسامی ص۴

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: ونقله فی نور العین بان ما ذکره من لفظ لوصح فهو الوصف امسا العرفی الذی جری علیه اصطلاح الملاحدة والقلندریة فهو ان جمیع الاشیاء مباحة له فالحق ان یکفر قائل ان کان من تلک الفئة۔
(رد المحتار ج۳ ص۲۵۹ مطلب فی معنی درویش درویشان)
ومثله فی النبراس ص۲۲۶ (اختلفوا فی ان نبوة النبی افضل ام ولایته)

حکم کیا ہے؟

الجواب:- مندرجہ بالا الفاظ شریعت مقدسہ سے متصادم ہیں لہٰذا پیر طریقت اور اس کے الفاظ شریعت سے متصادم ہوں وہ مردود اور ناقابل قبول ہیں۔

لما قال مجدد الف ثانیؒ: کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فہو زندقۃ۔

(مکتوبات جلد ا صفحہ ۱۱ دفتر اول مکتوب ۴۳)

پیر کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لینا

سوال:- ایک شخص پیشہ پیر کے متعلق کہتا ہے کہ جب پیر کو تونے قبول کیا تو اس میں خدا بھی ہے اللہ رسول بھی اور پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے اور پیر خدا کا نائب ہے ان الفاظ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر یہ الفاظ کسی عالم یا دیندار شخص سے صادر ہوئے ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی اور اگر کسی فاسق وفاجر سے صادر ہوں تو یہ مخالف الشریعت الفاظ ہیں جو طریقت میں استعمال ہوتے ہیں مگر مردود ہیں کیونکہ جو طریقت شریعت سے مخالف ہو وہ زندیقیت ہے۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فہو زندقۃ

(مکتوبات جلد ا صفحہ ۱۱۳ دفتر اول مکتوب ۴۳)

پیر سے پردہ کرنا

سوال:- بعض خواتین پیر سے پردہ نہیں کرتیں کیا خواتین کا پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- پردہ کے متعلق جو نصوص آئی ہیں وہ عام ہیں پیر اور دوسرے محارم سب کو

لہ قال شاہ غلام علی دہلویؒ: آنچہ کمالات انبیاء ورسل اند بیرون ازانہا وگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علیؒ صفحہ ۹۳ مکتوب ہفتاد و دوم)

ومثلہ فی قطب الارشاد صفحہ ۱۲ مجموعہ منہ۔

لہ قال شاہ غلام علی دہلویؒ: آنچہ کمالات انبیاء ورسل اند بیرون ازانہا وگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علیؒ صفحہ ۹۳ مکتوب ہفتاد و دوم)

ومثلہ فی قطب الارشاد صفحہ ۱۲ مجموعہ منہ

شامل ہیں تو اس وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح پیر سے بھی خواتین کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ولا ینظر من اشتهی الی وجهها الا الحاکم۔ والشاهد وینظر الطبیب الی موضع مرضها۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۲ کتاب الکراھیة۔ فصل فی النظر) ۱؎

تصوف کے چار سلسلوں کا ثبوت

سوال: بعض لوگ سلاسل اربعہ کا انکار کرتے ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں، کیا واقعی ان سلاسل کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟

الجواب: سلاسل اربعہ (قادریہ، سہروردیہ، چشتیہ، نقشبندیہ) سے انکار بے معنی چیز ہے یہ تو حد تواتر تک پہنچا ہوا اور مشائخ کا معمول ہے اور ان کا اپنی کتابوں میں باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: وبعد از زمان ایں خانوادہا خانوادہ دیگر پیدا شدند چوں جامعہ قادریہ اکبریہ سہروردیہ کبرویہ اویسیہ وخانوادہ خواجگان نقشبندیہ کہ حیلہ طریقہ چشتیہ است ونقشبندیہ کہ آمیختہ خانوادہ خواجگان است۔ (ہمعات ص ۔۔۔) ۲؎

تصوف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے حالانکہ بہت سے علماء تصوف سے وابستہ نہیں تو کیا وہ سب فاسق ہیں؟

الجواب: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے تو اگر تصوف سے ان کی مراد نفس بیعت مروجہ ہو تو یہ قول غلط ہے کیونکہ بیعت کرنا واجب نہیں بلکہ سنت

۱؎ قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ: ولا ینظر من اشتهی الی وجهها الا الحاکم والشاهد وینظر الطبیب الی موضع مرضها۔ والاصل فیه انه لا یجوز ان ینظر الی وجه امرأة اجنبیة مع الشهوة۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۸ کتاب الکراھیة۔ فصل فی النظر)
ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۰ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی النظر۔

۲؎ قال العلامة الشکاربوریؒ: ان الطرق الی الله کثیرة کالشاذلیة والسهروردیة والقادریة الی غیر ذلک۔ (تطبیق الارشاد ص ۔۔۔ الفصل الثانی من المتکلمین والفقهاء والمحدثین الخ)
ومثله فی شفاء العلیل ترجمه قول الجمیل ص ۱۱ حقیقت بیعت۔

ہے اور اگر تصوف سے مراد تزکیہ باطن اور اجتناب عن المعاصی ہو تو پھر یہ قول صحیح ہے جیسا کہ اکابر نے بھی یہی فرمایا ہے۔

کما قال العلامۃ ملا علی قاری عن امام مالکؒ: من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن جمع بینہما فقد تحقق۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱ ص۳۱۶ کتاب العلم، الفصل الثالث) ہـ

سلاسل اربعہ حق پر ہیں

سوال:- سلاسل اربعہ حق پر ہیں یا نہیں اور یہ کون کون سے سلاسل ہیں؟

الجواب:- وصول الی اللہ کے متعدد طرق ہیں ان میں سے بعض طرق و سلاسل آسان اور جلد انسان کو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اسی آسانی کے لیے مشائخ سے یہ طرق و سلاسل منقول ہیں مگر ان میں چار طرق و سلاسل برصغیر پاک و ہند میں زیادہ مشہور ہیں جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) الطریقۃ العالیۃ النقشبندیۃ : منسوب بہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ۔

(۲) ″ ″ القادریۃ : ″ ″ شیخ عبد القادر جیلانیؒ۔

(۳) ″ ″ الچشتیۃ : ″ ″ خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

(۴) ″ ″ السہروردیۃ : ″ ″ خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ۔

کما قال العلامۃ التھانوی الکرانویؒ: قال الشیخ العارف باللہ ابو اسحٰق ابراہیم ان الطرق الی اللہ کثیرۃ کالشاذلیۃ والسہروردیۃ والقادریۃ الی غیر ذلک۔

(قطب الارشاد ص۳۴۳ الفصل الثانی من کلام المتکلمین والفقہاء والمحدثین)

ہ قال الامام عبد الوہاب الشعرانیؒ: اجمع اہل الطریق علی وجوب اتخاذ الانسان لہ شیخاً یرشدہ الی زوال تلک الصفات ۔۔۔۔ (انوار القدسیۃ ص۳)

ومثلہ فی تفسیر المظہری ج۲ ص۱۰۱

ہ قال الشاہ ولی اللہؒ: و بالجملہ خانوادہا بسیار بودند و بسیار از ایشاں بود و بعد ازاں یا معقول

ثم قال: و بعد ازاں ازیں خانوادہا خانوادہ ہائے دیگر پیدا شدند چوں جامیہ، قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ و کبرویہ خانوادہ خواجگان ہیں کہ احیائے چشتیہ است و طریقہ نقشبندیہ کہ احیائے خانوادہ خواجگان است۔ (ہمعات ص۱۳)

ومثلہ فی شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۲ حکمت تکرار بیعت۔

تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم

سوال: سلسلہ نقشبندیہ میں جو لطائف ستہ اور اذکار ہوتے ہیں ان کا وجود تو قرونِ ثلاثہ میں موجود نہ تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہیں کیا نقشبندیہ سلسلہ کے لطائف ستہ کا وجود ہے یا نہیں؟

الجواب: مرتبہ احسان حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہوتا ہے جس کا اشارہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث: ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ میں ملتا ہے اب یہ مرتبہ ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے، تو بعض مشائخ نے جو اذکار مرتبۂ احسان کے حصول کے لیے مقرر کیے ہیں وہ مختلف آلات ہیں جن سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آلات و معالجات میں ضروری نہیں کہ وہ منقول عن الشارع ہوں صرف یہ ضروری ہے کہ شریعت سے متصادم نہ ہوں اور لطائف ستہ صرف آلات ہیں شریعت سے متصادم نہیں مشائخ کی کتابوں میں ان کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے۔

کما قال العلامۃ الشکارپوریؒ: اعلم ان اللہ تعالٰی خلق فی الانسان ستۃ لطائف بل عشرۃ خمسۃ منہا من عالم الامر وھی القلب والروح والسر والخفی والاخفیٰ وخمسۃ من عالم الخلق الخ (رقعب الاشاد ص۲۲ بیان اللطائف الستۃ) [1]

ذکر سلطان الاذکار کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! سلطان الاذکار کون سا ذکر ہے۔

الجواب: لطیفہ قلبی کے ذکر کو جب سالک اپنے سارے جسم سے ذکر کرنے لگے تو نقشبندیہ سلسلے کے مشائخ نے اسے سلطان الاذکار کہا ہے۔

کما قال العلامۃ الجلال آبادیؒ: ثم یلاحظ سم الذات فی اللطیفۃ القلبیۃ وفی جمیع البدن واذا غلب الذکر واحاط البدن کلہ حتی صار کلی خسیر

---

[1] قال شاہ غلام علی دھلوی رحمہ اللہ، طریق مشغولی بذکر حق سبحانہ تعالٰی با توجہ بلطائف سبعہ تا دلالِ حرکت ذکر پیدا شود الخ۔

(مکاتیب شریفہ شاہ غلام علیؒ ص۱۲ مکتوب دوئم)

ومثلہ فی تفہیمات الالٰہیۃ ج۱ ص۲۲۹ ما معنی لطائف السبعۃ۔

من الجسد ذاکرا مثل القلب تسمی هذه الحالة سلطان الاذکار۔

(قطب الارشاد ص ۹۵ فی بیان اللطائف الستة) ملخص

غوث وقطب کے وجود کا حکم

سوال:- صوفیائے کرام کے کلام میں قطب، غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کرکے مشکور فرمائیں؟

الجواب:- اولیاء اللہ کا وجود قرآن وحدیث سے ثابت ہے، مندرجہ بالا مراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صراحتاً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال الشام کا ذکر ہے جو کہ ام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

عن النبیؐ قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجلٌ من اهل المدینة هاربًا الی مکّة فیأتیه ناسٌ من اهل مکّة فیخرجونه وهو کارهٌ فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه بعثٌ من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکّة والمدینة فاذا رأی الناس ذلک اتاه ابدال الشام الخ

ابوداؤد جلد ۲ ص۲۳۲ کتاب السنن اول کتاب المهدی میں صراحتاً ابدال کا ذکر موجود ہے۔

امام ولی الدینؒ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسند کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علیؓ وقیل العنهم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول اللہؐ یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلما مات

له قال العلامة محمد بن عبد الله الخانی قدس سره: فیتخیل الطالب الجسد رجلان یکن بمجموع الجسد مستغنیا بها فی نظر القلب بطریق المناجاة فی الجسم ان یعبد الله کأنک تراه ولا یزال علی ذلک حتی تصیر جمیع اجزائه تذکر بذلک ویحصل سلطان الذکر.

البهجة السنیة فی آداب الطریقة النقشبندیة ص۴۹

رجل ابدال اللہ مکانہ رجلا یسقی بہم الغیث وینتصر بہم الاعداء ویصرف عن اہل الشام بہم العذاب۔ رواہ احمد (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۸۲ باب ذکر الیمن والشام الفصل الثالث)

باقی مراتب کا ذکر حدیث میں صراحۃً موجود نہیں ہے البتہ اشارۃً معلوم ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ عزوجل فی الخلق ثلاث مائۃ قلوبہم علی قلب آدم و للہ فی الخلق اربعون قلوبہم علی قلب موسیٰ وللہ فی الخلق سبعۃ قلوبہم علی قلب ابراھیم وللہ فی الخلق خمسۃ قلوبہم علی قلب جبرائیل وللہ فی الخلق ثلاثۃ قلوبہم علی قلب میکائیل وللہ فی الخلق واحد قلبہ علی قلب اسرافیل الخ اخرجہ ابن عساکر الحاوی للفتاوی ج۲ ص۲۴۲۔ وایضاً ذکرہ ملا علی قاریؒ فی مرقاۃ ج۹ ص۲۵۶ جو کہ قطب، غوث، نقباء کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور علماء صالحینؒ نے ان کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبدیت اور قرب کے مدارج ہیں نہ کہ الوہیت وربوبیت کے مدارج۔[1]

متصرف کا حکم

سوال:۔ تصرف کیا ہے، کیا کوئی ولی یا پیر متصرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تصرف کے دو معنی ہیں، ایک تو عوامی معنیٰ ہے کہ اولیاء اللہ کی قوت اور ان کا کام ہے یہ معنیٰ غلط ہے۔ دوسرا معنیٰ شرعی اور اصطلاحی اور فن تصوف کا معنیٰ ہے، اس میں تصرف سے مراد قوت توجہ سے مختلف آثار پیدا کرنا ہے، تو اس سے تصرف اور متصرف دونوں صحیح ہیں۔

کما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: وحقیقۃ ھذہ التاثیر ناشئۃ کیفیات خاصۃ

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ۔ قلت فھم الاقطاب فالاقطاب یاخذون الفیض من قطب الاقطاب المسمی بالغوث الاعظم فھم بمنزلۃ الوزراء تحت حکم الوزیر الاعظم۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۹ ص۳۵۵ کتاب المناقب۔ الفصل الثالث)
ومثلہ فی رسائل ابن عابدینؒ ج۲ ص۲۶۴

محمودۃ والقائہا ان النفس آثار خاصۃ تتعدد بحسب اختلاف المقاصد ویلتحق ھذہ التاثیر فی عرف اھل التصوف تصرفاً وتوجیھاً وھمۃ وجمع الخواطر۔

(بوادر النوادر ص۲۰۷ رسالۃ التعرف فی تحقیق التصوف) [1]

اصحاب القبور کا تصرف

سوال:- جناب مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر اصحاب القبور کے تصرفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر تو ان کا یہ تصرف موجود اور صحیح ہے ورنہ تصرف اصطلاحی تسلط غیبی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

کما قال شاہ ولی اللہؒ: ودر آنجا بوجہ استمرار قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ گفتہ اند کہ ایشان در قبر خود مثل احیا تصرف میکنند۔

(ہمعات ص۶۱)

لما قال محمد بن سلیمان الرحماویؒ: معنی البیت ان کرامات الاولیاء رضی اللہ عنہم فی الدنیا لھا وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتھم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ او حال حضرت فیہ وتوسیعہ لا بمعنی تصرفہ فی العالم کما یعتقد جہلۃ العوام۔

(نخبۃ اللآلی شرح بدأ الامالی ص۲۳) [2]

بعد الوفات اولیاء اللہ کے تصرفات کا حکم

سوال:- کیا بعد الوفات اولیاء اللہ کا تصرف ثابت ہے یا نہیں؟

---

[1] قال شاہ ولی اللہؒ: (رجالاً) ولنا شیخ یہ تصرفات عجیبۃ من جمع الہمۃ علی مراد تیکون علی وفق الہمۃ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۱۳ فصل تصرفات نقشبندیہ)

ومثلہ فی قلب ان شاء ص۱۱۲ ف: للنقشبندیہ۔

[2] قال شاہ ولی اللہؒ: وذلک لان شیخ عبدالقادرؒ لہ شعبۃ من السریان فی العالم وذلک بانہ لما مات صار بہیئۃ الملاء الاعلی وتطیع فیہ الوجود ساری فی العالم کلہ۔

(التفہیمات الالہیۃ ج۱ ص۱۱ تفہیم ص۲۲)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۵ ص کتاب السلوک۔

الجواب: اولیاء اللہ کے تصرف بعد الوفات سے مراد اگر تسلط غیبی و قائبانہ ندا ہو تو یہ صریحاً شرک ہے اور اگر اس سے مراد کوئی کرامت ہو تو بعد الوفات بھی اولیاء اللہ کی کرامات کے اثرات سے انکار بے معنی ہے۔

کما قال محمد بن سلیمان الحلبی الرھاوی ؒ تحت قول الماتن: کرامات الولی بدار دنیا لها کون فهم اهل النوال. وحاصل معنی البیت ان کرامات الاولیاء حال کونهم فی الدنیا لها وجود وثبوت ووقوع ای حال حیاتهم وکذا بعد الموت بمعنی الکرامة فی قبره وحال حضرته فیه وتوسیعه لا بمعنی تصرفه فی العالم کما یعتقد جهلة العوام۔

(نخبة اللآلی فی شرح بدء الامالی ص۴۳)[1]

کرامات اولیاء بعد الموت کا حکم

سوال: بعض لوگ کرامات اولیاء بعد الموت کو شرک کہتے ہیں، کیا واقعی اولیاء اللہ کے لیے کرامات بعد الموت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: کرامات اولیاء بعد الموت اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں محقق اور ثابت شدہ ہیں اور ان کا فعلاً ثبوت بھی پایا گیا ہے۔

لما قال محمد بن سلیمان الرھاوی ؒ: وحاصل معنی البیت ان کرامات الاولیاء حال کونهم فی الدنیا لها وجود وثبوت ووقوع ای حال حیاتهم وکذا بعد الموت بمعنی الکرامة فی قبره۔ (نخبة اللآلی شرح بدء الامالی ص۴۳)[2]

---

[1] قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمه الله: (وکرامات) .... (الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولایته بالموت الخ

(الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج۱ ص۲۹۲)

ومثله فی روح المعانی ج۲۸ ص۱۰۸

[2] قال العلامة عبد الغنی النابلسی رحمه الله: (وکرامات الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولایته بالموت کالنبی لا ینعزل عن نبوته بالموت۔

(الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ج۱ ص۲۹۲)

ومثله فی روح المعانی ج۲۸ ص۱۰۸

اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد نے مصیبت کے وقت اپنے فلاں مرید کی غائبانہ مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر ہو جانا تو ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فضائل درود ص ۱۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہئے کیونکہ اس سے علم غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے جو مفضی الی الکفر ہے۔

كما قال العلامة ابن نجيم: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبي يعلم الغيب۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح) [1]

کشف القبور کے علم کا حکم

سوال: کشف القبور کیسا علم ہے؟ کیا قبروں کے اندرونی احوال کا کسی کو کشف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہو سکتا ہے تو یہ علم سیکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ کشف قبور علم غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہو جاتا ہے یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیر اختیاری کیفیت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس میں تعلیم و تعلم جاری نہیں ہو سکتا اور اس کو علم غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف محسوسات سے تعلق رکھتا ہے اور کشف ظنی کا فائدہ دیتا ہے علم جزمی کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبور کا کشف ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف باب عذاب القبر فصل اول میں نقل کیا گیا ہے اس کے تحت ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

وهذا الحديث مثل قوله عليه الصلوٰة والسلام لو علمتم ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا۔ وفيه ان الكشف بحسب الطاقة

---

[1] وقال العلامة قاضي خان: رجل تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبي يعلم الغيب۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۶۶ کتاب النکاح باب الشهادة) ومثله في مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۲۲ کتاب النکاح۔

آداب ایشاں کہ علم ظاہر را دو شنودہ نمایند و ہمچنیں رعایت آداب است از علم ظاہر باطنی زیادہ است، و از رعایت آداب استاذ جامہ رنگ۔ (بتغیر و معنا درست ۱۵۱)

خواب میں خلاف شریعت حکم دیکھنا

سوال:- اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خلاف شریعت کام کا حکم فرما رہے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- صورت مذکورہ میں اگر ارشاد مبارک شریعت کے صریح مخالف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر شریعت کے مخالف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

لما قال مجدد الف ثانیؒ: از این قبیل است کہ بعضی در منامات حضرت پیغمبر علیہ السلام را می بینند و بعضی احکام را اخذ می کنند کہ آں فی الحقیقۃ خلاف آں احکام متحقق است در این صورت القائے شیطانی متصور نیست کہ قرار علماء عدم تمثل شیطانی است بصورت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام بہر صورتیکہ باشد پس در این صورت نیست الا تصرف متخیلہ کہ غیر واقع را واقع نمودہ است۔

(مکتوبات امام ربانی جلد ا ص ۲۱۵ مکتوب ۲۶۱ ملخصہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کرنے کا حکم دینا

سوال:- ایک عورت غریب ہے لیکن ذاکرہ اور شاغلہ ہے، اس کا کہنا ہے کہ مجھے مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے، آپ نے مجھے مراقبہ میں قربانی کا حکم فرمایا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت پر اب قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- خواب اور مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ممکن ہے اور جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اگر وہ خلاف شریعت حکم ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور موافق شریعت ہو تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ کشف کے مترادف ہے۔ لہٰذا اگر یہ عورت اختیاری طور پر قربانی کرے تو اچھی بات ہے ورنہ اس پر قربانی واجب

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء حجیۃ العمل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او الحالات المنامیۃ۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

نہیں ہے۔

کما قال ملا علی قاریؒ: ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز العمل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ ومن حالات المنامیۃ۔
(مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۹ کتاب الفتن) ۱ھ

کشف پر عمل کرنے کا حکم

سوال: کشف کی کتنی قسمیں ہیں نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مخالف الشریعۃ (۲) موافق الشریعۃ۔ پس موافق الشریعۃ کشف پر تو صاحب کشف عمل کر سکتا ہے اور مخالف الشریعۃ کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحب کشف کے لیے کشف دلیل نہیں بن سکتا۔

کما قال ملا علی قاریؒ: ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز العمل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او من حالات المنامیۃ۔
(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۹ ص ۳۵۹ کتاب الفتن) ۲ھ

تصور شیخ کا حکم

سوال: سلسلہ تصوف میں پہلا سبق تصور شیخ کا ہوتا ہے جبکہ بظاہر یہ خلاف شریعت معلوم ہوتا ہے تو کیا تصور شیخ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سلسلہ تصوف میں تصور شیخ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے بطور علاج و دوا کے اختیار کیا جائے نہ کہ بطور ثواب کے اس لیے کہ اس سے ذاکر کی فکر مجتمع ہو جاتی ہے اور تصور شیخ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

۱ھ قال مجدد الف ثانیؒ: الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶/۱۵۵ مکتوب ۵۵)

۲ھ قال مجدد الف ثانیؒ: الہام مثبت حل و حرمت نہ بود و کشف ارباب باطن اثبات فرض و سنت نماید ارباب ولایت خاصہ یا عامہ در تقلید مجتہدان برابر اند کشوف و الہامات ایشاں را مزیت نمی بخشند۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶/۱۵۵ مکتوب ۵۵)

دل میں بیٹھ جاتی ہے جو تعلق مع اللہ کے بنیادی عوامل میں سے ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: قالوا والرکن الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبة والتعظيم وملاحظة صورته ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۸۶ پانچویں فصل)[1]

اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی امداد کرنا

سوال: بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام اپنے مریدوں کی مشکل وقت میں امداد کرتے ہیں اور عالم میں تصرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر ان لوگوں کا "تصرف" شیخ سے مراد صوفیاء کرام کا اصطلاحی تصرف ہے تو یہ درست ہے کیونکہ اس قسم کا تصرف اصل میں غائبانہ دعا ہوتی ہے اور اگر تصرف سے مراد تسلط غیبی ہے تو اس کے لیے علم غیب کلی کی ضرورت ہوگی اور یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ينعقد ويكفر لاعتقاده ان النبی یعلم الغیب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)[2]

شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض مشائخ اپنے مریدین کو بعض ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں جو کہ شرعاً حلال ہوتی ہیں، تو کیا ان حضرات کا یہ عمل درست ہے؟ اور مریدین کے لیے ایسے حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: شیخ اپنے مرید کی اصلاح نفس کے لیے اس کے مزاج کے موافق جو چاہے تربیت کا حکم دے سکتا ہے مگر یہ حکم علاجاً ہوتا ہے شرعاً نہیں اس لیے بلا اعتقاد وجزم کے حلال

---

[1] قال العلامة الشنکارپوریؒ: واذا غاب الشیخ عنه یخیل صورته فی خیاله بوصف المحبة والتعظیم فانه یفید فائدة صحبته۔ (تحفۃ الارشاد ص۹۵ الشغل الحادی عشر)
ومثله فی الکتاب البهجة السنية فی آداب الطريقة حاشیہ ... ص۲۳

[2] قال العلامة قاضی خانؒ: رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الرجل والمرأة خدا ورسول را گواه کردیم قالوا يكون كفراً لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم يعلم الغيب۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۵۷۶ باب ما یکون کفراً من المسلم)

حلال چیزیں مریدین کیلئے استعمال نہ کرنا درست ہے اس حکم کی تعمیل میں کوئی گناہ نہیں بلکہ مرید کے لیے اپنے شیخ کے اس حکم کی بطور علاج تعمیل کرنا ضروری ہے جیسے طبیب حاذق بعض اوقات مریض کی حالت دیکھ کر کسی حلال چیز کا کھانا اس پر بند کر دیتا ہے جس کے کھانے کو اس کی طبیعت زیادہ متقاضی ہوتی ہے یہی حالت کسی شیخ کے ایسے حکم کی ہوتی ہے۔

حلاوت ذکر کا مسئلہ

سوال :۔ ایک مسئلہ قابل پرسش ہے وہ یہ کہ ذکر میں حلاوت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟ مجھے ذکر کی حلاوت کیسے حاصل ہو سکتی ہے ؟

الجواب :۔ ذکر اللہ میں حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فضیلت ذکر میں وارد آیات و احادیث کو سامنے مستحضر رکھ کر ذکر کیا جائے تو ان شاء اللہ حلاوت حاصل ہوگی۔

ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ

سوال :۔ حضرت مفتی صاحب! بندہ ایک پیر صاحب سے بیعت ہے کئی سال ہو چکے ہیں لیکن کوئی ترقی نہیں ہوتی اور فیض نہیں پہنچتا باوجود اس کے کہ میں اپنے شیخ سے از حد محبت کرتا ہوں اور ان کے ساتھ عقیدت بھی بہت ہے ان کی ہدایات پر عمل بھی کرتا ہوں۔ تو کیا میں روحانی ترقی اور فیض شیخ کے لیے اپنے شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر واقعی آپ کو اپنے شیخ سے عقیدت اور کامل محبت ہے اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود آپ کو روحانی ترقی اور فیض نصیب نہیں ہوا تو مناسب یہ ہے کہ شیخ خود آپ کو کسی دوسرے اللہ والے سے بیعت کا مشورہ دے ورنہ بصورت دیگر آپ خود بھی ان کو چھوڑ کر کسی متبع شریعت شیخ سے بیعت ہو سکتے ہیں شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی ؒ ۔ دوسرے شیخ سے رجوع اُس وقت کرے جب ایک معتد بہ مدت کے بعد بھی اپنے اندر اصلاح محسوس نہ کرے ، اور اصلاح کے یہ معنی ہیں کہ روائی معاصی کے مفصل ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ شیخ اول کی مجوزہ تدابیر پر پوری طرح عمل کر چکا ہو اور پھر بھی کامیابی نہ ہوتی ہو ورنہ وہ تو اس طرح کا مصداق ہو جائے کہ نسخہ تو پیا نہیں اور حکیم صاحب کی شکایت کہ ان کے علاج سے نفع نہیں ہوا۔

(انفاس عیسیٰ ص۲۹ حصہ اول)

مجاز ہونے کے لیے بیعتِ شیخ ضروری نہیں

سوال:- اگر ایک متبعِ شریعت شیخ کسی دیندار شخص کو بیعت لینے کی اجازت دے مگر یہ شخص اس شیخ سے بیعت نہیں، تو کیا اس شیخ کا اس شخص کو اجازتِ بیعت دینا صحیح ہے اور وہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز کسی شیخ کا مجاز ہونے کے لیے اس سے بیعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگرچہ عموماً کوئی مرشد اسی شخص کو بیعت لینے کی اجازت دیتا ہے جو خود اس سے بیعت ہو، لیکن اگر شیخ کسی دیندار اور صالح شخص کو اجازتِ بیعت دیدے تو یہ اجازت صحیح ہے اور یہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت تھانویؒ نے حضرت عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کو بغیر بیعت کے مجاز فرمایا تھا، جب آپ کو حضرت تھانویؒ کا اجازت نامہ ملا تو بھاگے ہوئے جاکر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا ہوں پھر یہ اجازت نامہ کیسے؟ تو اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا اگر اجازت کے لیے بیعت شرط ہو تو آئیے اب بیعت کرلیتا ہوں۔ (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ ص۳۸ حصہ ۱)

مسجد کی فضیلت خانقاہ پر

سوال:- ایک مسجد کے قریب ہی خانقاہ بھی آباد ہے، پیر صاحب اور ان کے مریدین مسجد کی بجائے خانقاہ ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بہ نسبت مسجد کے خانقاہ میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیا شرعاً ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اور کیا واقعی مسجد کی بجائے خانقاہ میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے؟

الجواب:- مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت احادیث مبارکہ میں کثرت سے وارد ہے، خانقاہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی، نہ ہی خانقاہ مسجد کے حکم میں ہے، اگرچہ وہاں اصلاح وتزکیہ نفس کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر نماز مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے خانقاہ میں نہیں۔ اس لیے ان حضرات کا یہ اعتقاد فاسد ہے، شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علی صلوٰتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمسا وعشرین ضعفا

وذلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرجه الا الصلوٰة لم يخط خطوة الا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة الخ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۶۹ باب المساجد، الفصل الاول)[1]

کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارا ایک دوست کسی پیر صاحب سے بیعت ہو چکا ہے اور وہ ہمیں بھی ہر وقت اس بات کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ آپ لوگ بھی کسی پیر سے بیعت ہو جائیں۔ اس لئے اپنا پیر بنائیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا کسی پیر کی بیعت کرنا شریعت میں ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: انسان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کی درستگی اور اس کے متعلق احکام شرعیہ کی تعبیر و تشریح جاننے کے لئے جس طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا اور ان کی راہنمائی میں اپنی عبادات کو درست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح باطن کی اصلاح اور اس سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لئے کسی متبع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاج ہے۔

لما فی امداد السلوک: پس اگر سالک عالم ہوگا تو وہ خود ہی ضروریات دین سے آگاہ ہوگا ورنہ ایسا شیخ ڈھونڈنا چاہیئے جو اس کو اول توحید درست کرنے والے عقائد اور فقہی مسائل کی تعلیم کرے اور اس کے بعد مجاہدہ اور زہد و تقویٰ کا راستہ دکھلائے۔ مثل مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ سو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہ ہو یعنی نہ تو دینی علم رکھتا ہو کہ خود راستہ دیکھ لیوے اور نہ مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ راہ حق دکھلاوے تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنا دیتا ہے۔ (امداد السلوک ص۵۶ شیخ کی ضرورت)

کسی نیک آدمی سے دعا کی درخواست کرنا

سوال: اکثر یہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ بزرگان دین جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا یا یہ کہ ہمارے حق

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وان صلی فی مسجد حیه منفرداً فحسن ... لقوله صلی الله علیه وسلم لا صلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۵ باب الامامة)

تصورِ فنائی الشیخ کی شرعی حیثیت

سوال:- اہلِ تصوف کے ہاں ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو فنائی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو گویا تصوف میں فنا فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے؟ اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب:- متصوفین کا یہ مسلّمہ قاعدہ کہ فنا فی الشیخ کو ترقی درجات کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، علماءِ امت نے اس کو جائز کہا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، الغرض فناء فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقوی ذریعۂ کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۳ ص ۲۲ مکتوب ۵۵)[1]

آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا

سوال:- جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں ایک پیر صاحب ہیں جو اپنے مریدین اور متعلقین کو حکم دیتے ہیں کہ آنکھیں بند کر کے ذکر کیا کرو، تو کیا ذکر کرنے کا طریقہ شرعاً یہی ہے یا آنکھیں کھول کر ذکر کرنا درست ہے؟

الجواب:- ذکرِ الٰہی ہر حال میں کرنا جائز ہے چاہے آنکھیں بند کر کے کیا جائے یا کھول کر، البتہ تصوف میں شیخ کے سامنے عامی (جاہل) شخص کو آنکھیں بند کر کے ذکر کیا جائے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے شیخ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھے جو بدظنی کا سبب بنے، اس لیے مذکورہ پیر صاحب کی بات علاجاً درست ہے۔

---

[1] لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، سوال: فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیائے کرام کیا فرماتے ہیں؟
جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں، اتباع کرنا، و محبت کا غلبہ ہونا اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ (الآیۃ)
(فتاوی رشیدیہ، تالیفات رشیدیہ ص ۹۸ کتاب السلوک)

رضاء بالقضاء اور دعا کرنا

سوال:۔ ایک اشکال کئی دنوں سے ذہن میں آرہا ہے کہ انسان پر مصائب و آلام کا آنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہی اللہ کا حکم ہے تو چاہیئے کہ وہ ان مصائب پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی قضاء پر رضامندی کا اظہار کرے مگر دوسری طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کے دفع کرنے کے لیے دعائیں شروع کر دیتا ہے۔ تو کیا یہ دعائیں رضاء بالقضاء کے منافی تو نہیں؟

الجواب:۔ انسان پر مصائب و آلام کا آنا اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے امر و ارادہ سے ہے انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو برداشت کرنا چاہیئے، چونکہ انسان بہت کمزور اور ضعیف ہے جس کی وجہ سے مصائب و آلام کے وقت اس کو لغزش میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے شریعت مقدسہ نے اس کو دفع مصیبت کے لیے دعا کی تعلیم دی ہے کہ دعا اس طرح کرے کہ اے اللہ! مصائب کا آنا بھی تیری رحمت ہے اور ان کو دور کرنا بھی تیری رحمت ہے، ہم چونکہ بہت ناتوان اور کمزور ہیں ان مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں اس لیے اپنے فضل و کرم سے ان مصائب کو ہم سے دور فرما۔ اس قسم کی دعائیں کرنا رضاء بالقضاء کے خلاف نہیں البتہ جن دعاؤں میں جزع و فزع اور شکوہ و شکایت ہو تو وہ رضاء بالقضاء کے منافی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

لما قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: رضا کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت و خیر ہو اگر آپ کے علم میں بھی وہ خیر ہے تو عطا کر دیجئے ورنہ نہ دیجئے ہم دونوں حال سے راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شکایت نہ ہو۔ ورنہ تنگدلی نہ ہو اور دعا کرتا رہے دعا کرنا خلاف رضا نہیں۔

(انفاس عیسیٰ حصہ اول ص۳۳۳ رضاء بالقضاء)

اشارۃً و کنایۃً غیبت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں دوسرے شخص کے سامنے طنزیہ انداز میں یہ کہے کہ یار میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں، جبکہ مخاطب اس غائب شخص کی تعریف کر رہا ہو تو کیا ایسا جملہ کہنا غیبت کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے غیبت کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی تعریف سنکر جواب میں یہ الفاظ کہے جائیں کہ ہاں ہیں، ہم کو بھی طرح

جاتا ہو لہٰذا وہ گناہ ہے، اس لیے اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کیا جائے، ہاں اگر ایسے کلمات طنز نہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: بغمز العین والاشارة بالید وکل ما یفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبة وهو حرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۶۲ کتاب الحظر والاباحة)

پس پشت حقائق بیان کرنا بھی غیبت ہے

سوال:- ایک آدمی چند لوگوں کے سامنے کسی ساتھی کی غیبت کر رہا تھا، دوران مجلس میں سے کسی نے اس کو اس امر سے منع کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں، مہربانی فرما کر مطلع فرمائیں کہ کسی کے پس پشت اس کے متعلق واقعی اور حقیقی امور کو بیان کرنا غیبت میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- ہر وہ بات جو کسی کے پس پشت بیان کی جائے اور وہ کسی کو بری لگے تو وہ غیبت میں داخل ہے اگرچہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو، ورنہ کسی کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں جھوٹی بات بیان کرنا بہتان ہے جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الغیبة ان تصف اخاك حال کونه غائباً بوصف یکرهه اذا سمعه۔ ... وعن ابی هریرةؓ[1] قال قال علیه الصلوٰة والسلام اتدرون ما الغیبة؟ قالوا الله ورسوله اعلم، قال ذکرك اخاك بما یکره، قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول؟ قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته وان لم یکن فیه فقد بهته۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۶۲ کتاب الحظر والاباحة)

ربطِ قلب بالشیخ کی وضاحت

سوال:- جناب مفتی صاحب! اہل تصوف کے ہاں ربط قلب بالشیخ کی اصطلاح مستعمل ہے، اس کا معنی اور مطلب کیا ہے؟ بیان فرما کر اس اصطلاح کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل

---

[1] عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قیل یا رسول الله ما الغیبة؟ قال ذکرك اخاك بما یکره، قال أفرأیت ان کان فیه ما اقول؟ قال ان کان فیه ما تقول فقد اغتبته وان لم یکن فیه ما تقول فقد بهته۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۱۵ باب ما جاء فی الغیبة) ومثله فی العرف الشذی علی الترمذی ج۲ ص۵ باب ما جاء فی الغیبة۔

نورانی ہو سکے؟

الجواب: متصوفین کے یہاں ربط قلب بالشیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیضان رحمت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قلب پر ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو جائے شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔

قلندر اور مجذوب کا مطلب

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم اکثر یہ سنتے رہتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے فلاں قلندر ہے، فلاں مجذوب ہے اور فلاں فلاں قلندروں کی جماعت سے ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: صوفیاء کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمال قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتے ہیں مگر اعمال قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اعمال قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہو۔ نماز پانچ وقت کی اکثر اوقات قلب کو ذکر و شغل میں مشغول رکھا جائے نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل و حقد (کینہ و حسد) نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو نیز حقوق رفقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے نیز حق و خلق کے حقوق ادا کیے جائیں۔ لعنت طعن سے پرہیز، شکر ادا ہوتا رہے، احسان و کرم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے اس کے علاوہ اور بہت سے اعمال قلبیہ ہیں۔ (شریعت و طریقت ص۲۳۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمال قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔

اور مجذوب وہ ہوتا ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو گئی ہو مگر کبھی کبھی زوال ورود کے غلبہ سے اخلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لیے علامت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے البتہ مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے۔ علامت اس کی یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل صحبت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ (شریعت و طریقت ص۲۳۳)

التصوف لا مذھب لہ کی وضاحت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! التصوف لا مذھب لہ کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر مقلد اور لا مذہب ہوتا ہے حالانکہ بہت سارے صوفیائے کرام شافعی المسلک ہوتے ہیں اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ "انفاس عیسیٰ" میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "التصوف لا مذھب لہ" اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورع و تقویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے رعایۃ الخلاف والخروج عنہ اولیٰ عالم پر تکب مکروہ مذہبہ کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو" (انفاس عیسیٰ ص۲۸۳ ارشادات)

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ! بندہ کو تصوف سے متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرماکر تصوف کی ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت فرماکر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ "تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفاء ہوگئی اور ذکر و شغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا، یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد بیان کئے گئے، موانع مرتفع کردیئے، معالجہ امراض سے واقف ہو گئے، نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاق رذیلہ زائل ہوگئے، اخلاق حمیدہ اور انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا، اعمال صالحہ کی رغبت جبیعت بن گئی، اعمال و عبادت میں سہولت ہوگئی، نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات و ذات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہونی، اسرار و حالات کا ورود ہونے لگے، یہ غیر محدود ہے" (اور یہ سیر فی اللہ ہے)

(شریعت و طریقت ص۳۶۹)

استغفار نا محتاج الیٰ استغفار کثیر کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! عید میلاد النبی کے موقع پر ایک واعظ صاحب سے کسی بزرگ کا ایک مقولہ سننے میں آیا کہ ہمارا استغفار بہت سارے استغفار کا محتاج ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی آپ مہربانی فرما کر مجھے اس مقولہ کا مطلب سمجھا دیں؟

الجواب:۔ یہ مقولہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو استغفار کرتے ہیں صرف رسم پوری کرنے کے لیے استغفار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں دل سے اس گناہ کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ یا قصد نہیں ہوتا بلکہ اندر ہی اندر اس گناہ کو بار بار کرنے کا قصد ہوتا ہے اور یہ تمسخر کی صورت ہے جو خود ایک عظیم گناہ ہے۔ تو اس قسم کے استغفار کے بارے میں ہی آپ نے فرمایا کہ استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر کہ ہمارا استغفار کثیر استغفار کا محتاج ہے۔

دل کو روشن کرنے کا طریقہ

سوال:۔ دل میں روشنی اور نور کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ عبادات کرنے اور منکرات و معاصی سے دور رہنے سے دل میں نور ایمانی پیدا ہوتا ہے اور منہیات کے کرنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے لہٰذا دل کو نور ایمانی سے روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ عبادت الٰہی کی طرف زیادہ توجہ دیں اور منکرات سے اپنے آپ کو بچائیں ان شاء اللہ دل روشن ہو جائے گا۔

ریا کاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے نوافل پڑھنے اور ذکر اذکار کا بہت شوق ہے مگر اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ کہیں لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ بہت بڑا عبادت گزار ہے اور میرے اندر کہیں ریا کاری نہ پیدا ہو جائے۔ تو کیا میرا اس طرح کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عبادات میں ریا کاری اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے ایک مسلمان کو حتی المقدور اس سے بچنا چاہیے مگر ریا کاری کے خوف سے نیک عمل کو ترک کرنا بھی کوئی عقلمندی کا کام

تو یہ نامناسب ہے جو نیک عمل (نفل و ذکر اذکار) آپ صرف اس وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ کہیں ان میں ریاکاری نہ پیدا ہو جائے یہ بالکل نامناسب اور خلاف شریعت عمل ہے۔ آپ کو جب بھی عبادت کا شوق پیدا ہو فوراً نوافل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہئے۔

صرف سلام کر دینے سے بلا عذر شرعی کسی سے بات چیت نہ کرنے پر وارد وعید ختم ہو جاتی ہے

سوال: ایک صاحب سے میرے تعلقات اس حد تک کشیدہ ہیں کہ میں اس کے ساتھ کلام بھی نہیں کرنا چاہتا مگر حدیث شریف میں وارد وعید سے بھی ڈرتا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ میری اس کے ساتھ زیادہ قربت و نشست بھی نہ ہو اور اس وعید سے بھی بچ جاؤں؟

الجواب: کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بلا عذر شرعی بات چیت نہ کرنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر کے طویل وقت تک گپ شپ لگائیں اور اس کے ساتھ آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا ہو بلکہ صرف سلام کرنے پر کلام کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اس شخص کے ساتھ کسی شرعی عذر کی بنا پر بات چیت کرنا نہیں چاہتے تو نہ کریں صرف سلام کرنا ہی کافی ہے۔ اس سے بھی آپ کا ذمہ فارغ ہو جائے گا طویل وقت تک گپ شپ لگانا اور گفت و شنید کرنا ضروری نہیں۔

خلافت اور سجادہ نشینی کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل خانقاہی نظام میں ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی پیر ضعیف ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور احباب و اقارب کی موجودگی میں اس کی دستار بندی کرتے ہیں اور اس سلسلے میں بڑی دھوم دھام سے ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ تو کیا اسلام میں کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کی کوئی حیثیت ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی اہل شخص کو اپنا جانشین مقرر کرنا اور اس کو خلافت سے نوازنا کوئی خلاف شرع عمل نہیں اسلامی تعلیمات میں اس کی گنجائش موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و جانشینی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اس امر کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو جانشین، خلیفہ مقرر کرنا مقصود ہو اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہوں جن کا کسی شیخ طریقت یا پیر و مرشد میں پایا جانا ضروری ہے اگر اس میں اہلیت نہ ہو تو اسلام نے اس کو خلافت دینے اور جانشین بنانے

کی اجازت نہیں دی ہے آجکل اکثر نااہل لوگوں کو خلافت سے نوازا جاتا ہے جو کہ بے دینی اور فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی التھانویؒ: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ وہ اپنا فیض اور اجرائے سلسلہ کیلئے اپنے احباب میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیتے ہیں ایک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی بعد اپنی وفات کے، مقصود ان سب سے خیر و نفع کا تشریک و تجدد ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو۔ حدیث شریف سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اب جو خلافت و سجادہ نشینی کا طریقہ متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل طریقہ کا افساد اور طالبین کی راہزنی اور علوم کی اضاعت و بربادی دین ہے۔ امام مالکؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس عہدہ (خلافت) کیلئے ایسے شخص کے جواز نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو۔ سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس حدیث سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

(شریعت و طریقت ص۲۲۳ باب پنجم متفرقات)

كتاب
السياسة

کتاب السیاسۃ

(سیاست کے احکام و مسائل)

سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم

سوال :۔ سیاست کسے کہتے ہیں؟ شرعاً سیاست میں حصہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی سیاست میں حصہ لیا تھا یا نہیں؟

الجواب :۔ سیاست کا معنی اور مفہوم لغت کی کتابوں سے یوں معلوم ہوتا ہے :۔

"پاس داشتن ملک و حکم راندن بر رعیت" (غیاث اللغات ص ۲۶۶)

"السیاسۃ : القیام علی الشیٔ بما یصلحہ. والسیاسۃ فعل السائس یقال ھو یسوس الدواب اذا قام علیھا وراضھا. والوالی یسوس رعیتہ" (لسان العرب ج ۶ ص [illegible])

ان تعریفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ملک اور قوم کی بہتری کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ اگرچہ موجودہ دور کے نام نہاد جمہوریت پسندوں کی دوغلی پالیسی اور دجل و تلبیس نے سیاست کا میدان اتنا بدنام کر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی شریف اور باعزت شخص کے لیے اس میں قدم رکھنا موجبِ ملامت سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود شرعی نقطۂ نظر سے اسلامی سیاست کا منشا یہ ہے کہ ملک اور قوم کو ایسا منظم نظام عطا ہو کہ جس پر چلنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اسی مقصد کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقدس انبیاء کرام بھیجے کہ وہ انسانوں کو ایسی تعلیمات دیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

دین و مذہب انسان کے عقائد سے لے کر سیاست کے میدان تک اصلاح کا اہتمام کرتا ہے۔ سیاست چونکہ دنیوی نظامہائے حیات سے متعلق ہے اس لیے یہ شریعت کا مستقل موضوع ہے۔ شارح قانونِ اسلام علامہ ابو الحسن الماوردی فرماتے ہیں: "الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا بہ" (الاحکام السلطانیۃ ، الباب الاول فی عقد الامامۃ ص ۵)

السیاسۃ استصلاح الخلق بارشادھم الی ما فیہ صلاحھم ... النھج القویم ... موافق ...

موافق الشریعۃ ... [illegible] (... ص ۱۲۵)

الجواب: موجودہ دور میں لوگ سیاست میں مختلف مقاصد کے حصول کے لیے حصہ لیتے ہیں، بعض لوگ تو اپنی سیاسی دوکان چمکانے کے لیے متحرک نظر آتے ہیں جبکہ بعض لوگ غیر شرعی نظامہائے زندگی مثلاً سوشلزم، نیشنلزم، کیپیٹلزم وغیرہ کے لیے محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ علاقائی یا قومی تعصبات کی سیاست میں ہی اپنی بقاء سمجھتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاست میں حصہ لینا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا یقیناً سعی لا حاصل کے مترادف ہے جبکہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے کوشش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس لیے اگر ایک شخص ایسے بے دینی نظام کی ترویج و اشاعت کے مقابلہ میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو یقیناً یہ مستحسن اقدام ہے بلکہ بے دینی کی یلغار کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق اس میدان میں حصہ لینا علماء کرام کے فرائض منصبی کا حصہ ہو کر عظیم جہاد ہے۔

لما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: عن ابی سعید الخدریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر۔

(ترمذی ج۲ ص۴۰ ابواب الفتن) [1]

البتہ جہاں کہیں علماء کرام بجائے کسی اصلاحی پہلو کے خود کسی غیر شرعی سیاست کا شکار ہو کر اپنے دینی تشخص کو کھو بیٹھیں تو ایسی حالت میں اپنے دینی تشخص کا تحفظ کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدۃ آیت ۱۰۵)

---

[1] وقال العلامۃ ملا علی قاریؒ تحت ہذا الحدیث: افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر، وقال المظہر وانما کان افضل لان ظلم السلطان یسری فی جمیع من تحت سیاستہ وہو جم غفیر فاذا نہاہ عن الظلم فقد اوصل النفع الی خلق کثیر بخلاف قتل کافر۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۷ ص۲۲۳ کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی)

ومثلہ فی ابی داؤد ج۲ ص۲۴۰ کتاب الملاحم، باب الامر والنہی۔

امارتِ شرعی کے قیام کا حکم

سوال:- پاکستان میں مختلف پارٹیاں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں جن میں ہر پارٹی کا نقطۂ نظر الگ ہوتا ہے اور بعض پارٹیاں تو کامیاب ہونے کے بعد نظام ہائے غیر شرعی کے نفاذ کی کوششیں کرتی ہیں جبکہ دینی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ تو اب اہلِ پاکستان خصوصاً مسلمانوں پر شرعی نقطۂ نظر سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک میں اسلامی خلافت یا جمہوری نظام کے قیام کی ساعی پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو کامیاب کریں؟

الجواب:- تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی ایسی پارٹی کو برسرِ اقتدار لائے جو عملاً نظامِ اسلام کو ملک میں نافذ کر سکے۔ شرعی نظام میں خلیفہ کی بڑی ذمہ داریاں یہ ہیں، احکامِ الٰہی کا عملاً نفاذ کرنا، حدود اور قصاص کو جاری کرنا، جمعوں اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا، ملکی سرحدات کی حفاظت کرنا، اسلامی لشکروں کو منظم کرنا، ڈاکوؤں اور قطاع الطریق کا قلع قمع کرنا، عوام کے جھگڑوں اور تنازعات کو حل کرنا۔ شرعی نقطۂ نظر سے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی خلافت کے قیام میں تعاون کریں ورنہ سب گنہگار رہیں گے۔

لما قال الامام سعد الدين تفتازاني: ثم الاجماع على ان نصب الامام واجب، انما الخلاف في انه يجب على الله او على الخلق بدليل سمعي او عقلي، والمذهب انه يجب على الخلق سمعاً لقوله عليه السلام من مات ولم يعرف امام زمانه فقد مات ميتة جاهلية۔

(شرح عقائد نسفي ص[illegible] الخلافة والامارة)

وقال الامام شاه ولي الله محدث الدهلوي رحمه الله: اعلم انه يجب ان يكون في جماعة المسلمين خليفة لمصالح لا تتم الا بوجوده وهي كثيرة جداً يجمعها صنفان، احدهما ما يرجع الى سياسة المدينة من ذب الجنود التي تغزوهم وتقهرهم وكف الظالم عن المظلوم وفصل القضايا وغير ذلك .... وثانيهما ما يرجع الى الملة وذلك ان تنويه دين الاسلام على سائر الاديان لا يتصور الا بان يكون في المسلمين خليفة ينكر على من خرج من الملة وارتكب ما نصت على تحريمه او ترك ما نصت على افتراضه اشد الانكار ويذل اهل سائر الاديان ياخذ منهم الجزية عن يد وهم

ماخوذ ۔ رحمۃ اللہ الواسعۃ ج ۲ ص ۵۵ ابواب سیاسۃ المدن بلفظہ

اسلام میں انتخابِ امیر کا طریقہ کار

سوال :۔ اسلام میں انتخاب امیر یعنی کسی شخص کو امیر اور خلیفہ مقرر کرنے کے لیے کون سا طریقہ اپنایا جاتا ہے ؟

الجواب :۔ اسلامی سیاست میں انتخاب امیر کے لیے چار طریقے پائے جاتے ہیں
(۱) بیعت اہل حل وعقد (۲) استخلاف (۳) شوریٰ (۴) استیلاء

لہ پہلی قسم کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے کہ جب اہل حل و عقد نے جمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اس کے بعد عام لوگوں نے بیعت کرنا شروع کی تھی ۔

لما قال الامام الماوردی رحمہ اللہ : ان بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ انعقدت بخمسۃ اجتمعوا علیہا ثم تابعہم الناس فیہا وہم عمر بن الخطاب وابو عبیدۃ بن الجراح واسید بن حضیر وبشیر بن سعد وسالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہم ۔

(الاحکام السلطانیۃ الباب الاول فی عقد الامامۃ)

لہ (۲) استخلاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خلیفہ وقت چند اہل حل وعقد سے مشورہ کر کے کسی ایسے شخص کے بارے میں وصیت کرے کہ جس میں خلافت کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے ۔

لہ قال الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی : طریق دوم استخلاف خلیفہ است جمیع

لہ وقال الامام عمر النسفی : والمسلمون لا بد لہم من امام یقوم بتنفیذ احکامہم واقامۃ حدودہم وسد ثغورہم وتجہیز جیوشہم واخذ صدقاتہم وقہر المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق واقامۃ الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعۃ بین العباد وقبول الشہادات القائمۃ علی الحقوق ۔

(شرح العقائد النسفی مبحث الخلافۃ والامامۃ)

ومثلہ فی الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی ص ۱۹ فصول فی الامامۃ ۔

شورہ راینعنی خلیفہ عادل بمقتضائی نصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت انتخاب کند
و جمع نزد بہ مردمان را ومعنی کند باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی۔ پس این شخص
میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند و قوم را لازم است کہ ہمان شخص را خلیفہ سازند انعقاد
خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمین طریق بود۔

(ازالۃ الخفاء ص۶ مقصد اول)

ص۳ : مشورے : شوریٰ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت چند آدمیوں کی شوریٰ مقرر کرے کہ میری خلافت کے بعد یہ حضرات آپس میں مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کریں گے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کی شوریٰ مقرر کی تھی اور اس شوریٰ والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

قال الامام ابو الحسن الماوردی الشافعی : ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوریٰ فی ستۃ ليعقد لاحدهم برضا الخمسة. (الاحکام السلطانیہ ص۷ باب اول فصل ثالث)

ص۴ استیلاء : استیلاء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مذکورہ تین طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خلیفہ بن جائے، پھر یہ استیلاء بھی دو قسم پر ہے : (۱) ایک قسم وہ ہے کہ جو شخص طاقت و غلبہ کے ساتھ اپنے آپ کو خلیفہ مقرر کرے اور اس میں خلیفہ کی تمام شرائط موجود ہوں تو یہ قسم شرعاً جائز ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جو شخص طاقت کے زور سے خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور اس میں خلیفہ کی شرائط بھی موجود نہ ہوں تو ایسی خلافت کو تاہم بضرورت کے تحت تسلیم کیا جائے گا، شرعاً کسی مسلمان کو اس کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہیں۔ تاہم جب تک ایسے خلیفہ سے صریح بات دین میں کوئی نہیں آتی ہو تو مسلمانوں پر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ جہاد وغیرہ کے لیے جانا لازم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ ایسی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں :

طریق چہارم استیلاء است، چون خلیفہ بمیرد و شخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف و ہمہ را برخود جمع سازد بتالیف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردمان اتباع فرمان او در آنچہ موافق شرع باشد۔ و این دو نوع است یکے آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمی و این قسم جائز است و رخصت و انعقاد خلافت معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام

حسین رضی اللہ عنہم ہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و مردم متنازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و نزاع جائز نیست و قاتل آں عاصی است لیکن واجب است قبول احکام او چوں موافق شرع باشد و اگر عمال او اخذ زکوۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد و در حکم او جمعہ او جہاد می تواں کرد۔ و ایں انعقاد بنا بر ضرورت است زیرا کہ در عزل او تلف نفوس مسلمین و ظہور حرج و مرج شدید لازم می آید و یقین معلوم نیست کہ ایں مشقت مفضی شود بصلاح یا نہ۔ محتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود پس ارتکاب فتن کہ قبح او یقینی است چرا باید کرد برائے مصلحتی کہ موہوم است و محتمل و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اوائل خلفای بنی عباس ہمیں نوع بود[۱]۔ [illegible]۔ مثلہ[۲]

---

[۱] وقال الامام شاہ ولی اللہ فی طرق انعقاد الخلافۃ: وتنعقد الخلافۃ بوجوہ: ببیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وامراء الاجناد ممن یکون لہ رأی ونصیحۃ للمسلمین کما انعقدت خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ (۲) وبأن یوصی الخلیفۃ الناس بہ کما انعقدت خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ (۳) او یجعل شوری بین قوم کما کان عند انعقاد خلافۃ عثمان بل علی ایضا رضی اللہ عنہما (۴) او استیلاء رجل جامع للشروط علی الناس وتسلطہ علیہم کسائر الخلفاء بعد خلافۃ النبوۃ ثم ان استولی من لم یجمع الشروط لا ینبغی ان یبادر الی المخالفۃ لان خلعہ لا یتصور غالبا الا بحروب ومضایقات وفیہا من المفسدۃ اشد مما یرجی من المصلحۃ۔ وسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہم فقیل افلا ننابذہم؟ قال لا ما اقاموا فیکم الصلوۃ وقال الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان وبالجملۃ فاذا کفر الخلیفۃ بانکار ضروری من ضروریات الدین حل قتالہ بل وجب والا لا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ ج۲ ص۱۴۹ ابواب السیاسۃ — امر تنعقد الخلافۃ بوجوہ)

[۲] ومثلہ فی الاحکام السلطانیۃ لابی یعلی ص۲۳ فصول فی الامامۃ۔

عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے

سوال: اسلامی نقطۂ نظر سے کوئی عورت کسی ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں؟ اگر مروجہ جمہوری نظام میں کسی عورت کو اقتدار سونپ دیا جائے تو ایسی حالت میں شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: قرآن و حدیث کی رو سے سربراہ مملکت بننے کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ سربراہ کا مذکر ہونا اہم شرط ہے۔ اسلامی نظام خلافت میں یہ قطعاً گوارا نہیں کہ کسی عورت کو زمام اقتدار سونپا جائے۔

لما قال الامام سعد الدین التفتازانیؒ تحت قول النسفیؒ ویشترط ان یکون من اهل الولایۃ المطلقۃ الکاملۃ، ای مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً، والنساء ناقصات عقل ودین۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۵۰ الخلافۃ والامارۃ)

وقال العلامۃ ابن عابدینؒ تحت قول الدر المختار ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً: لان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی حالهن علی الستر والیه اشار النبی صلی اللہ علیه وسلم حیث قال کیف یفلح قوم تملکهم امرأۃ۔

(ردالمحتار ج۱ ص۳۴۸ باب الامامۃ)

سربراہ مملکت کے ہمراہ اس کے فرائض منصبی کی احسن طریقہ سے ادائیگی کے لیے جن امور کی ضرورت ہے خدا تعالیٰ نے وہ مردوں میں پیدا کیے ہیں، البتہ گھریلو اور خاندانی امور کے تکفل کی ذمہ داری عورت کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے، اس لیے عورت کو اس میدان میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے جن امور کی ضرورت تھی وہ اسے مکمل طریقے سے دیئے گئے جبکہ مرد میں وہ صلاحیتیں مفقود ہیں۔

عورت کے لیے پردہ کی رعایت، اجانب سے بلا اختلاط ممانعت اور دائمی عصمت کا تحفظ ایسے امور ہیں جو میدان قیادت میں جانے سے منع کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا بد قسمتی ہو سکتی ہے کہ جس نے اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دی۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنه قال لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتها من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل

فاما قال معهم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولّوا امرہم امرأۃ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۴۲۵ باب۔۔۔)

وقال الامام البغویؒ (تحت ہذا الحدیث) اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما ولا قاضیا لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجہاد والقیام بامور المسلمین۔۔۔۔۔

ولان المرأۃ ناقصۃ والامامۃ والقضاء من کمال الولایات فلا یصلح لہا الا الکامل من الرجال۔ (شرح السنۃ ج ۱۰ ص ۷۷ کتاب الامارۃ والقضاء۔ باب کراہیۃ تولیۃ النساء)[1]

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ایک کافر قوم کے بارے میں ہے اس لیے کسی بھی قوم کو اس سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں، خواہ مروجہ جمہوریت میں یا اسلامی طرز حکومت میں کسی عورت کو یہ موقع دیا جائے ہر حالت میں عورت کی حکمرانی عذاب خداوندی کے مترادف ہے۔

اولوالامر کی حقیقت

سوال:۔ جمہوریت یا شہنشاہیت میں جو لوگ مالک کے ولی بنائے گئے ہیں کیا یہ لوگ "اولی الامر" کی حقیقت میں داخل ہیں یا نہیں؟ تاکہ ان کی تابعداری رعیت کے لیے لازم ہو کر ان کے خلاف آواز اٹھانا بغاوت کے مترادف ہو؟

الجواب:۔ شریعت کی رو سے "اولی الامر" کی حقیقت خلافت علی منہاج النبوۃ سے خاص نہیں بلکہ امراء اور سلاطین بھی اگر عوام کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نبھاتے ہوں اور کسی خاص طریقۂ انتخاب سے ان کی تقرری ہوتی ہو اور ان کو عوام کی تائید بھی حاصل ہو تو خواہ جمہوریت میں ہو یا دوسرے نظام حکومت میں ہو تو یہ لوگ بھی "اولی الامر" میں شمار ہوں گے۔

قال الامام جصاصؒ: والصحیح عندی انہم الامراء والعلماء جمیعا لان الامراء یلون امر تدبیر الجیوش والسرایا وقتال العدو والعلماء یلون حفظ الشریعۃ وما یجوز مما لا یجوز۔۔۔ فلان اسم الامر متناول لہم جمیعا واجب علی الخلق وجوبہم لازم۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۸۹ سورۃ البقرۃ)

تاہم جہاں کہیں امراء اور سلاطین کسی خلاف شریعت نظام کو مسلمانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کریں تو ان کے خلاف آواز اٹھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی اور

---

[1] قال العلامۃ الامام القرطبیؒ: واجمعوا علی ان المرأۃ لا یجوز ان تکون اماما۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۲۷۰ سورۃ البقرۃ)

اخلاقی ذمہ داری ہے۔

لما قال الامام القرطبیؒ: فی تفسیر اولی الامر... روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال حق علی الامام ان یحکم بالعدل ویؤدی الامانة واذا فعل ذلک وجب علی المسلمین ان یطیعوہ لان اللہ تعالیٰ امرنا باداء الامانة والعدل ثم امر بطاعتہ۔

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج۵ ص۲۵۹ سورة النساء)[1]

خلافت یا ملوکیت

سوال: خلافت علیٰ منہاج النبوة کا دور کتنا عرصہ رہا اور اس کے بعد نظامِ حکومت خلافت کی بجائے ملوکیت کو منتقل ہوا؟ نیز خلافت اور ملوکیت میں کیا فرق ہے، اور ملوکیت کا دور کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب: خلافت علیٰ منہاج النبوة کا دور تیس سال تک مسلسل رہا جس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوتا ہے البتہ درمیان میں بعض ایسے خلفاء آئے جن کے عدل و انصاف کی وجہ سے ان کا دورِ حکومت بھی خلافت علیٰ منہاج النبوة میں شمار کیا گیا تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوة تیس سال تک رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے خلافت ملوکیت کی طرف منتقل ہوئی۔

لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلافة فی امتی ثلاثون سنة ثم ملک بعد ذلک. ثم قال سفینة امسک خلافة ابی بکر ثم قال وخلافة عمر وخلافة عثمان ثم قال امسک خلافة علی فوجدناها ثلاثین سنة قال سعید فقلت له ان بنی امیة یزعمون ان الخلافة فیهم قال کذبوا بنو الزرقاء بل هم ملوک من شر الملوک۔ (ترمذی ج۲ ص۴۶ ابواب الفتن)

بنوامیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تقویٰ، خدا ترسی اور للٰہیت کی وجہ سے ان کا

---

[1] لما قال العلامة الشوکانیؒ: واولی الامر هم الائمة والسلاطین والقضاة وکل من کانت له ولایة شرعیة لا ولایة طاغوتیة والمراد طاعتهم فیما یأمرون به وینهون عنه ما لم تکن معصیة فلا طاعة لمخلوق فی معصیة اللہ کما ثبت ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح القدیر للشوکانی ج۱ ص۴۸۱ سورة النساء)

ومثلہ فی جامع البیان للطبری ج۴ ص۱۴۷ سورة النساء۔

بیعت لی جاتی تھی جبکہ ملوکیت میں اس کے برعکس بازو اور جبر سے بیعت لی جاتی تھی، اس کا ثمرہ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کی گئی تقریر سے ہوتا ہے آپ نے فرمایا:-

اما بعد فانی واللہ ما ولیتہا بمحبۃ منکم ولقد علمت انکم لا تسرون بولایتی ولا تحبونہا، وانی لعالم بما فی نفوسکم من ذلک ولکنی خالستکم بسیفی ہذا مخالسۃ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملوکیت کے دور میں خلفاء راشدین کی سی سادہ زندگی کے بجائے قیصر و کسریٰ کی سی شان و شوکت پیدا ہوگئی اور بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب اور دربان حائل ہوگئے، رعیت کی خیر خواہی کی جگہ امراء خود ذاتیت کا شکار ہوگئے اور ان سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اس منصب کو زیب نہیں دیتے۔

منصبِ خلافت کے انتخاب کا معیار

سوال:- اگر ایک شخص اعمال کے اعتبار سے دین کا پابند ہو، تقویٰ اور دینداری میں بڑی شہرت رکھتا ہو لیکن ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے امورِ مملکت چلانے سے نابلد ہو تو کیا منصبِ خلافت کے عہدہ کیلئے اس کو ترجیح دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی مسلمان کی دینداری اور تقویٰ بے شک ایک مستحسن چیز ہے جو کہ صرف اس کی اپنی ذات تک محدود ہے، منصبِ خلافت میں چونکہ ذاتی کردار سے ہٹ کر مخلوقِ خدا سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں معاشرہ کے نظم و ترتیب اور معاملات کے نشیب و فراز سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے اس میدان میں امورِ خلافت سے واقفیت رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔ تاہم ایسے منصب کے انتخاب میں دجل و تلبیس اور ظلم و زیادتی سے بچنے کے لیے امیدوار کے ذاتی کردار و اخلاق کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تحت قول النسفیؒ

ولا یشترط فی الامام ان یکون معصوماً ولا ان یکون افضل من اہل زمانہ لان المساوی فی الفضیلۃ بل المفضول الاقل علماً وعملاً ربما کان اعرف بمصالح الامامۃ ومفاسدہا واقدر علی القیام بمواجبہا خصوصاً اذا کان نصب المفضول ادفع للشر وابعد عن اثارۃ الفتنۃ ...... مع انہ لا یجوز نصب امامین فی زمان واحد [illegible]

ہو نصب امامین مستقلین۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۱۱ الخلافة والامارة)؎

قومی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت

سوال:۔ اگر ایک قوم متفقہ طور پر شریعت کے نام پر ایک عالم دین کو اپنا امیر منتخب کرلے تو شرعی نقطۂ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے اور اس کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہے؟

الجواب:۔ امیر کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کسی قوم نے اجتماعی طور پر یا اکثریت کی رائے سے کسی معتمد شخص کو اپنا امیر مقرر کرلیا تو ایسا اقدام شرعاً قابلِ تحسین ہے بلکہ شرعی نقطۂ نظر سے حضر کے علاوہ سفر میں بھی اس کی رعایت ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خرج ثلاثة فی سفر فلیؤمروا احدهم۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۵۱ کتاب الجهاد)

تاہم قوم پر لازم ہے کہ شرعی امور میں ایسے امیر کی اطاعت کرے البتہ غیر شرعی امور میں امیر کی اطاعت اور قول کو اعتبار نہیں دیا جائے گا۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکره الا ان یؤمر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة۔ (صحیح مسلم ج۲ ص۱۲۵ کتاب الامارة)

ایسے امیر کو چونکہ کلی اختیارات حاصل نہیں ہوتے اس لیے حدود اور قصاص کی تنفیذ اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔

لما قال الامام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی رحمه اللہ: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما یعم الحدود کلها ومنها ما یخص البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یکون المقیم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا ...... لان للامام ولایة علی جمیع دار الاسلام ثابتة۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۵۸ کتاب القضاء)

؎ وقال العلامة محمد عبد العزیز الفرهاروی رحمه اللہ: لان اعظم مدار السلطنة هو علی المهابة بامور الدنیا لا علی الزهادة بامور الشرع وکثرة العبادة۔ (النبراس ص۴۱۲ الخلافة والامارة)

ومثله فی رد المحتار ج۱ ص۳۵ باب الامامة۔

وقال الامام الهمام نجم الملة والدين عمر النسفيؒ: ویشترط ان یکون من اھل الولایة المطلقة الکاملة سائساً قادراً علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۱۲، ۱۱۳ الخلافة والامامة)[۱]

ووٹ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ مروجہ طریقہ انتخاب میں ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں:۔

(۱) اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس نمبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک و قوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔

(۲) اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم و نسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایماندار اور دیانتدار ہے۔

(۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ اپنے سمجھا کے لیے سفارش کرتا ہے۔

(۴) اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لیے حکومت کے ایوان میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص (امیدوار) حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔

(۵) ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی امیدوار کے واسطہ سے سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔ اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہ راست سربراہ مملکت یا خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے بلکہ بیعت خط و کتابت کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے اور اسی طرح سربراہ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: ھی صغری وکبری فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۱ ص۳۰۴ باب الامامة)

ومثله رد المحتار ج۱ ص۳۰۴ باب الامامة۔

کرتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ کی رو سے ووٹ کا حق استعمال کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب: ووٹ کی حیثیت ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت میں یہ تفصیل ہے کہ شہادت کبھی واجب اور کبھی فرض کی حد تک پہنچتی ہے اور کبھی استحباب اور اباحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔ جہاں کہیں شہادت کے ترک کرنے سے مدعی کا حق سلب ہوتا ہو تو وہاں شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے، اور جہاں کہیں گواہوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں گواہی دینا مستحب اور مباح ہے۔

کما قال الامام القرطبیؒ فی تفسیر ھذہ الآیۃ: وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا۔ فاذا کانت الفسحۃ لکثرۃ الشھود والامن من تعطیل الحق فالمدعو مندوب ولہ ان یتخلف لادنی عذر، وان تخلف لغیر عذر فلا اثم علیہ ولا ثواب لہ۔ واذا کانت الضرورۃ وخیف تعطل الحق ادنی خوف قوی الندب وقرب من الوجوب۔ واذا علم ان الحق یذھب ویتلف بتأخر الشاھد عن الشھادۃ فواجب علیہ القیام بھا لا سیما ان کانت محصلۃ وکان الدعاء الی ادائھا۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۸ سورۃ البقرۃ)

اس بات میں ووٹنگ کے دوران ہر شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ اگر میں نے فلاں شخص کو ووٹ نہ دیا تو اس کے مقابلے میں فاسق فاجر کامیاب ہو جائے گا، تو ایسی حالت میں اس کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا ضروری ہے، اور اگر یہ خطرہ موجود نہ ہو تو اس کے لیے ووٹ کے عدم استعمال پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اسی طرح اگر کسی انتخابی حلقہ میں حصہ لینے والے امیدوار فساق و فجار ہوں تو ووٹر کے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ ووٹ کا بالکل استعمال نہ کرے۔ حقیقت میں ووٹ کے استعمال کے دو پہلو ہوتے ہیں، اور یہ تو ووٹر کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ میرے لیے ووٹ استعمال کرنے میں کیا فائدہ ہے اور عدم استعمال میں کیا نقصان ہے، اپنے دینی اور دنیوی فائدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ووٹ کا استعمال کرے، اس لیے کہ ووٹ کی حیثیت ایک قسم سفارش کی ہے، اور سفارش اگر اچھی ہو تو ثواب ورنہ گناہ کا مستوجب ہوگا۔

قال الامام القرطبیؒ فی تفسیر ھذہ الآیۃ: مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ

نَصِیْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّکُنْ لَّهٗ کِفْلٌ مِّنْهَا (النساء آیت ۸۵)

وقال مجاهد والحسن وابن زید وغیرهم هی فی شفاعات الناس بینهم فی حوائجهم فمن یشفع لینفع فله نصیب ومن یشفع لیضر فله کفل۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص۲۹۵ سورة النساء)

دین کے لیے ووٹ کے استعمال میں والدین کی نافرمانی میں گناہ نہیں

سوال:۔ ایک شخص دیندار ہے اور شرع کا پابند ہے جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو وہ ایک دینی جماعت کو ووٹ دیتا ہے جبکہ اس کا والد سیکولر ذہنیت رکھتا ہے اور اپنا ووٹ بھی غیر مذہبی پارٹی کو دیتا ہے اور اپنے دیندار بیٹے سے بھی کہتا ہے کہ میری پسند کی پارٹی کو ووٹ دینا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع بیٹے کے لیے والد کی یہ بات ماننا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک سعادتمند بیٹے کے لیے والدین کی فرمانبرداری ضروری ہے لیکن ایسے امور میں نہیں کہ جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔ صورت مسئولہ میں بیٹا عنداللہ اپنی مسئولیت کا احساس کر کے کوئی ایسا فیصلہ کرے کہ جس سے اللہ کے ہاں اس کی ذمہ داری فارغ ہو۔

لما قال علیه الصلوٰة والسلام: لاطاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف (صحیح مسلم ج ۲ ص۱۲۵ کتاب الامارة۔ سنن نسائی ج ۲ ص۱۶۱ کتاب البیعة)

وعن ابن سیرین ان عمران بن حصین قال للحکم الغفاری: سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم

لہ وقال الامام ابن جریر الطبریؒ فی تفسیر هذه الآیة "وَلَا یَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوْا" لا یجب فرض ذلک علی من دعی للاشهاد علی الحقوق اذا لم یوجد غیره فاما اذا وجد غیره فهو فی الاجابة الی ذلک مخیر ان شاء اجاب وان شاء لم یجب۔ (جامع البیان للطبری ج ۳ ص۱۲۸ سورة البقرة)

وقال الامام احمد مصطفیٰ المراغی رحمہ اللہ۔ فی حق الشهادة۔ وهو فرض کفایة لا یجب علی من دعی الیه الا اذا لم یوجد غیره یقوم مقامه۔

(تفسیر المراغی ج ۳ ص۷۴ سورة البقرة)

يقول لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق قال نعم۔ (كنز العمال ج ۶ ص ۹۲ حديث ۱۴۴۰۱) ؎۱

ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا

سوال: عصر حاضر میں انتخابات کے وقت اہل حلقہ کسی امیدوار مثلاً زید کو صالح، دیندار اور مدبر سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے مقابلہ میں ووٹ بکر کو دیتے ہیں جو کہ مرتبہ میں زید سے تھوڑا سا کم ہے، اہل حلقہ کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: انتخابات میں ووٹ دیتے وقت اہل اور صالح ترین آدمی کو ترجیح دینا ضروری ہے تاہم اگر صالح آدمی کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ اسمبلی میں پہنچ کر صدارتی انتخابات یا وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں کسی فاسق فاجر کو ووٹ دے گا تو اس صورت میں اسے ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ جو شخص آگے کسی دیندار صادق امیدوار کو ووٹ دے گا اس کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات میں ترجیح دینی ضروری ہے۔

قال العلامة الحاكم نيسابوريؒ: عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استعمل رجلاً من عصابة وفي تلك العصابة من هو أرضى لله منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين۔ (المستدرك للحاكم ج ۴ ص ۹۲) ؎۲

بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا

سوال: ووٹنگ کے دوران ایک شخص اپنی بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرتا ہے اور بیوی اپنے

؎۱ عن ابن جرير، كرش عن عليؓ قال لا طاعة لبشر في معصية الله۔
(كنز العمال ج ۶ ص ۶۷ حديث ۱۴۹۱۰)

وقال الامام شوكاني محمد بن عليؒ: وكل من كانت له ولاية شرعية لا ولاية طاغوتية وللرعايا طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله۔ (تفسير فتح القدير للشوكاني ج ۱ ص ۴۸۱ سورة البقرة)

؎۲ وعن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل استعمل رجلاً على عشرة انفس علم ان في العشرة افضل ممن استعمل فقد غش الله وغش رسوله وغش جماعة المؤمنين۔ (كنز العمال ج ۶ ص ۱۹ حديث ۱۴۶۵۳)

ومثله في كنز العمال ج ۶ ص ۲۵ حديث ۱۴۶۸۷۔

خاوند کے خوف کی وجہ سے ووٹ ڈالنے سے محروم ہوجاتی ہے ، شریعت کی رو سے بیوی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- ووٹ ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی فرض کفایہ ، موجودہ حالات میں ووٹنگ کا جو نظام ہے اس میں ووٹر زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ووٹ ڈالنا زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے حکم میں داخل ہوگا ، اور فرض کفایہ میں یہ قاعدہ ہے کہ ضرورت کے تحت اگر چند لوگ ووٹ کا حق استعمال کریں تو اوروں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے ۔ اس لیے اگر خاوند بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرے تو شرعاً کسی پر مواخذہ نہیں ، نہ خاوند پر اور نہ بیوی پر ، بلکہ عورت کے لیے عزت اور حیاء اسی میں ہے کہ خاوند کی بات مان کر ووٹ ڈالنے سے احتراز کرے ۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : ان الشهادة فرض كفاية اذا قام بها البعض سقط عن الباقين وتتعين اذا لم يكن الا شاهدان . (البحر الرائق ج ۷ کتاب الشهادات) [1]

رشتہ داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم

سوال :- کسی امیدوار کو اچھے برے کی تمیز کیے بغیر محض برادری اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اہل اور حقدار کے بجائے صرف رشتہ داری اور برادری کی وجہ سے کسی امیدوار کو ووٹ دینا عصبیت جاہلیت کے مترادف ہے ، اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصبیت کی دلدل میں پھنسنے والوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے ۔

لما ورد فی الحدیث : وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات ميتة جاهلية .....

---

[1] وقال الامام عبد الرحمن بن علی الجوزی القرشیؒ : انما يلزم الشاهدين ان لا يأبى اذا دعی لأداء الشهادة اذا لم يوجد من يشهد غيره ۔ فاما ان كان قد تحملها جماعة لم تتعين عليه وكذلك فی حال تحملها لانه فرض علی الكفاية كالجهاد فلا يجوز لجميع الناس الامتناع منه ۔
(زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۳۳۹ سورة البقرة)

ومن قاتل تحت راية عمية ينصر العصبية او يغضب لعصبية فقتل فقتلة جاهلية۔ (سنن النسائي ج ۲ ص ۱۷۳ كتاب المحاربة باب التغليظ فيمن قاتل تحت راية عمية)[1]

دیندار امیدوار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا

سوال: زید نے انتخابات کے موقع پر عمرو کے بارے قسم اٹھائی کہ میں اپنا ووٹ عمرو کو دوں گا لیکن کچھ دن بعد عمرو کے مقابلہ میں بکر انتخابات کے لیے کھڑا ہو گیا اور تمام اہل محلہ کے نزدیک بکر، عمرو سے دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے اچھے کردار کا مالک ہے، اب زید کہتا ہے کہ میں نے جو قسم اٹھائی ہے اسے بکر کے حق میں توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: بکر چونکہ دیندار اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے ووٹ کا صحیح حقدار ہے اس لیے زید کو چاہیے کہ اپنی قسم توڑ دے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، اور اپنا ووٹ بکر کے حق میں استعمال کرے تو شرعاً ان کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما روى امام نسائی عن عدی بن حاتم قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه۔ (سنن النسائي ج ۲ ص ۱۴۱ كتاب الايمان والنذور باب من حلف على يمين فرأى خيرا منها)[2]

مسلمانوں اور مرزائیوں کی متحدہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت

سوال: ایک مسلم پارٹی کا قادیانیوں سے انتخابی اتحاد ہوا ہے، انہیں متحدہ جماعت کو ووٹ دینا مسلمانوں

---

[1] لما في الحديث: وعن فسيلة قالت سمعت أبي يقول سألت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله أمن العصبية أن يحب الرجل قومه قال لا ولكن من العصبية أن يعين الرجل قومه على الظلم۔ (سنن ابن ماجه ج ۲ ص ۲۸۳ باب العصبية)

ومثله في كنز العمال ج ۳ ص ۵۰۸ رقم الحديث ۷۶۵۵

[2] وقال الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود النسفي: ومن حلف على معصية ينبغي أن يحنث ويكفر۔ (كنز الدقائق ص ۱۵۵ كتاب الايمان)

ومثله في سنن النسائي ج ۲ ص ۱۴۱ كتاب الايمان والنذور باب من حلف على يمين فرأى خيرا منها۔

مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور خارج عن الاسلام ہیں ان سے اتحاد کرنے سے اگرچہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر کچھ معمولی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن ان کے ارتداد اور کفر کی وجہ سے ان کے مذموم مقاصد میں اتحاد کی صورت میں وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ اس لیے قادیانیوں سے اتحاد کرنے میں فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ یہودیوں سے اتحاد کیا تھا لیکن اس سے کوئی اسلامی شعائر متاثر نہیں ہوا تھا۔

تاہم صورت مسئولہ کے مطابق اگر مسلمان کسی نیک مقصد کی تکمیل کے لیے قادیانیوں سے اتحاد کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بنیادی طور پر کفار اور مشرکین سے اتحاد کرنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۲۸)

لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے دینی اور دنیوی فائدہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے اتحاد کرنا مرخص ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے مشہور قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ سے اتحاد کیا تھا۔ اور صلح حدیبیہ بھی اسی قسم کے اتحاد اور معاہدہ کی ایک کڑی تھی۔ اسی طرح آج بھی حالات کو دیکھا جائے گا کہ اگر مسلمانوں اور اسلام کو کفار کے ساتھ اتحاد کرنے میں کوئی معقول فائدہ ہو تو ان سے اتحاد کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الامام شمس الدین السرخسیؒ : ولان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صالح اھل مکۃ عام الحدیبیۃ علی ان وضع الحرب بینہ وبینھم عشر سنین فکان ذلک نظراً للمسلمین لمواطئۃ کانت بین اھل مکۃ واھل خیبر وھی معروفۃ ولان الامام نصب ناظراً ومن النظر حفظ قوۃ المسلمین اولا فربما ذلک الموادعۃ اذا کانت للمشرکین شوکۃ ۔ (المبسوط للسرخسی ج۱۰ ص۸۶ کتاب السیر)

وقال الامام ابوبکر جصاصؒ فی تفسیر ھذہ الآیۃ "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" قال

ابوبکر قد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاھد حین قدم المدینۃ اصنافاً من المشرکین منہم النضیر وبنو قینقاع وقریظۃ وعاھد قبائل من المشرکین۔

(احکام القرآن ج ۳ ص۷۷ سورۃ الانفال پ۱۰)

فاسق وفاجر کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا

سوال:۔ کسی فاسق اور فاجر شخص کے حق میں ووٹ کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے یا ایک قسم کی شہادت ہے اس اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر شخص کو ووٹ نہیں دینا چاہیے، ووٹ کسی دیانتدار امیدوار اور سنجیدہ یا ایسے شخص کو دینا چاہیے جو قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہو تاہم جہاں کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلہ میں پارٹی کے منشور کو مدنظر رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

قولہ تعالیٰ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء آیت ۵۸)[1]

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)

ونقل الامام القرطبیؒ فی تفسیر ھذہ الآیۃ: ھی شفاعات الناس بینہم فی حوائجہم فمن یشفع لینفع فلہ نصیب ومن یشفع لیضر فلہ کفل۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۵ ص۲۹۵ سورۃ النساء پ۵)

---

[1] قال فی الہندیۃ: واذا رأی الامام ان یصالح اھل الحرب او فریقاً منہم وکان ذلک مصلحۃ للمسلمین فلا بأس بہ وان رأی الامام موادعۃ اھل الحرب وان یأخذ علی ذلک مالا فلا بأس بہ لکن ھذا اذا کان بالمسلمین حاجۃ اما اذا لم تکن فلا یجوز۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۲ ص۱۹۶ الباب السادس فی الموادعۃ والامان الخ)

[2] وقال الدکتور الزحیلیؒ: ثانیاً: العدالۃ: ای الدیانۃ والاخلاق الفاضلۃ وھی معتبرۃ فی کل الولایۃ وھی ان یکون صادق اللھجۃ ظاھر الامانۃ عفیفاً عن المحارم متوقیاً الماٰثم بعیداً عن الریب مأموناً فی الرضا والغضب مستعملاً لمروءۃ مثلہ فی دینہ ودنیاہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۶ ص۶۹۳ الباب السادس نظام الحکم فی الاسلام، المبحث الرابع شروط الامام)

ووٹ لینے کی غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا

سوال:- انتخابات کے موقع پر بعض امیدوار اپنے حلقے کے لوگوں میں کچھ پیسے یا کھانے پینے کی بعض اشیاء اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ کل ووٹنگ کے وقت یہ لوگ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں، شرعاً ان تقسیم شدہ اشیاء کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:- اگر امیدوار کا مقصد یہ ہو کہ میں پیسوں کے ذریعے لوگوں سے ووٹ خرید رہا ہوں تو اس غرض سے لوگوں کو پیسے دینا جائز نہیں، اس لیے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت یا تو شہادت (گواہی) کی ہے یا سفارش کی، اور فقہاء کے نزدیک شہادت پر پیسے لینا جائز نہیں۔

لما قال الامام ابن الهمام رحمه الله: بخلاف الشهادة فانها فرض يجب على الشهود اداءها فلا يجوز فيها التعارض اصلاً۔ (فتح القدير ج ۶ ص۲ كتاب الشهادة)

اور اگر امیدوار کی غرض خرید و فروخت کی نہ ہو بلکہ دلیل دینے کے لیے ہو کہ پیسے دیکھ کر لوگ مجھے ووٹ دیں گے تو اس صورت میں تقسیم شدہ اشیاء کی حیثیت رشوت کی ہے اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے، اس لیے ووٹ کے عوض میں کچھ لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے۔

لقوله عليه السلام: لعن الله الراشي والمرتشي والرائش الذي يمشي بينهما۔

(كنز العمال ج ۶ ص۱۱۳ حديث نمبر ۱۵۰۸۰) [1]

عورت کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا

سوال:- صوبائی اور قومی اسمبلی کے انتخابات کے موقع پر عورت اپنا حق رائے دہی (ووٹ) کا استعمال کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، ووٹ کے

---

[1] وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال لعن رسول الله صلی الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم۔ (ترمذی ج ۱ ص۲۴۸ ابواب الاحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي) ومثله في سنن ابی داؤد ج ۲ ص۱۴۸ كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة۔

ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے اور اسی طرح ووٹر اپنے حلقہ کے امیدوار کے حق میں رائے اور مشورہ دیتا ہے۔ شریعت مطہرہ نے عورت کو اہل الرائے، اہل مشورہ اور اسی طرح اہل شہادت قرار دیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ۔ (البقرۃ ۲۸۲)

خلفاء راشدین کے روشن دورِ خلافت میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے لوگوں سے مشورہ اور رائے طلب کی تو اس موقع پر آپؓ نے پاکدامن عورتوں سے بھی مشورہ اور رائے طلب کی تھی۔

كما قال الامام ابن كثير رحمه الله: ثم نهض عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه يستشير الناس فيهما ويجمع رأي المسلمين برأي رؤوس الناس وأقيادهم جميعاً وأشتاتاً مثنى وفرادى ومجتمعين سراً وجهراً حتى خلص إلى النساء المخدرات في حجابهن وحتى سأل الولدان في المكاتب وحتى سأل من يرد من الركبان والأعراب إلى المدينة في مدة ثلاثة أيام بلياليها۔ (البداية والنهاية ج ۷ ص ۱۵۱)

تاہم ایک مسلمان عورت کے ووٹ ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امور شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے ورنہ معصیت کے ارتکاب سے ووٹ کا ترک کرنا افضل ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عورتوں کا ووٹ دینا ممنوع نہیں ہے، البتہ ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔"

(کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۵۴ کتاب السیاسۃ)

عورت کی شہادت (گواہی) کے بارے میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وما سوى ذلك من الحقوق أي وكل ما سوى ذلك يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال كالنكاح والطلاق والوكالة والوصية ونحو ذلك

كالعتق والرجعية والنسب. (فتح القدير ج ۶ ص ... كتاب الشهادة)[۳]

مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا

سوال: مروجہ انتخابات جو کہ مغربی طرز جمہوریت پر ہوا کرتے ہیں علماء کرام ان انتخابات میں حصہ کیوں لیتے ہیں؟

الجواب: علماء کرام کے لیے لازم ہے کہ اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سیاسی میدان میں منکرات کا سد باب کریں اور برسر اقتدار طبقہ کو خلاف شرع امور کی نشاندہی کرتے ہوئے منکرات سے بچائیں۔ اور اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انتخابات میں شرکت کیے بغیر صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے علماء کرام ضرورت کے تحت مروجہ طریقہ انتخابات کے ذریعہ ایوان اقتدار میں پہنچ کر حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے جسے علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: من ابتلی ببلیتین وهما متساویتان یأخذ بأیتهما شاء وإن اختلفا یختار أهونهما لأن مباشرة الحرام لا تجوز إلا للضرورة ولا ضرورة في حق الزيادة. (الأشباه والنظائر مع شرح الحموي ج ۱ ص ... الفن الأول القاعدة الخامسة)[۱]

انتخابات میں مروجہ طریقہ کے تحت حصہ لینا ترک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے

---

[۱] وقال العلامة ابن حجر العسقلانيؒ: عن مسروق...... كانت عائشةؓ أفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس رأياً في العامة. (الإصابة في تمييز الصحابة ج ۴ ص ۳۶۰ ذكر عائشةؓ)

وقال العلامة عمر كحالة في ترجمة شفاء بنت عبد الله: الشفاء بنت عبد الله ...... صحابية جليلة ذات عقل وفضل وجودة رأي كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يقدمها في الرأي ويرضاها ويفضلها وربما ولاها شيئاً من أمر السوق.

(أعلام النساء لعمر كحالة ج ۲ ص ...)

[۲] وقال الإمام القرطبيؒ في تفسير هذه الآية «ما كان ليأخذ أخاه في دين الملك» أي سلطانه...... عادته أي يظلم بلا حجة مجاهد في حكمه وهو استرقاق السراق۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لیے ملک مصر کے قانون کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل فرمایا تھا۔ (الجامع لأحكام القرآن ج ۹ ص ۲۳۷ سورة يوسف)

اصولوں سے اس وجہ سے بھی علماء کرام مغربی طرز جمہوریت کے مطابق منعقدہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں۔

انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا

سوال: انتخابات کے دوران بعض امیدوار انتخابی جلسوں میں لاؤڈ سپیکر پر علانیہ ایک دوسرے (مخالف امیدوار) کو گالی گلوچ اور نازیبا الفاظ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، از روئے شریعت کسی پر نازیبا الفاظ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ نے کسی مسلمان کی بے جا تحقیر کرنے یا اس کے بارے میں نازیبا الفاظ زبان سے نکالنے کو ایک بری خصلت قرار دیا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق و فجور کی علامت ہے، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت قابو میں رکھے اور کسی کی دل آزاری نہ کرے، جذبات کی رو میں بہہ کر اپنی مسئولیت کو پس پشت نہیں ڈالنا چاہیئے، اسلامی اقدار کا ہر میدان میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

لما روی البخاریؒ: عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلا یؤذ جاره ومن کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۸۹ کتاب الادب باب من کان یؤمن بالله الخ)

وایضاً: عن النبی صلی الله علیه وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔ (سنن النسائی ج۲ ص۱۵۴ کتاب محاربة باب...)

لہ ملاف الحدیث: عن ابی هریرة رضی الله عنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان العبد لیتکلم بالکلمة ما یتبین فیها یزل بها فی النار ابعد ما بین المشرق۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۹۵۹ کتاب الرقاق۔ باب حفظ اللسان ومن کان یؤمن بالله الخ)

ایضاً: عن عبد الله رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۹۳ کتاب الادب باب ما ینهی عن السباب واللعن)

انتخابات میں خود امیدوار بننا

سوال:- ہم ایم این اے اور ایم پی اے کی مراعات اور اس سے منافع بخش کاروبار سمجھتے ہوئے لوگ خود اس میدان میں کود آتے ہیں جن میں سے اکثر کا نظر و فکر محض شہرت ہوتا ہے اور نہ ان کی خلق کی بہتری کا کوئی پروگرام ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ تو کیا ذاتی طور پر انتخابات میں امیدوار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ کا اصولی موقف کوئی بھی عہدہ طلب کرنے کے خلاف ہے، امارت یا وزارت وغیرہ کے عہدہ پر فائز ہونے کے لیے مناسب یہ ہے کہ عوام اپنے دانشور لوگ کسی کو منتخب کریں اور جو کوئی خود اپنے آپ کو امارت و وزارت کے لیے پیش کرتا ہو تو شریعت ایسے آدمی کی نفی کرتی ہے۔

لقوله عليه السلام: إنا والله لا نولي على هذا العمل أحداً سأله ولا أحداً حرص عليه۔ (صحیح مسلم ج۲ ص۱۲۰ کتاب الامارة)

وأيضاً: عن عبد الرحمن بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسأل الإمارة فإنك إن أعطيتها عن مسألة وكلت إليها وإن أعطيتها عن غير مسألة أعنت عليها۔ (سنن النسائي ج۲ ص۲۹۹ کتاب الامارة)[1]

تاہم جہاں کہیں نا اہل نمائندوں کی وجہ سے عوام کے حقوق ضائع ہوتے ہوں یا پھر دین اور اخلاق و دنیا کے تباہ ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو تو حقوق اور ظلم کے انسداد کے لیے انتخابی میدان میں آنا کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ امیدوار خود کسی خلاف شرع امور میں ملوث ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کرتا ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ (یوسف) ورنہ جہاں کہیں ایسے میدان میں خود آنا بے دینی کا ذریعہ بننا یقینی ہو تو بے دینی کے لیے سبب بننا خود جرم ہے۔

---

[1] لما ورد في الحديث: عن أبي ذر قال قلت يا رسول الله ألا تستعملني قال فضرب بيده على منكبي ثم قال يا أبا ذر إنك ضعيف وإنها أمانة وإنها يوم القيامة خزي وندامة إلا من أخذها بحقها وأدى الذي عليه فيها۔

(صحیح مسلم ج۲ ص۱۲۰ کتاب الامارة)

انتخابی وعدوں کا شرعی حکم

سوال:۔ انتخابی مہم کے دوران ایک امیدوار نے لوگوں سے قسم قسم کے وعدے کیے اور لوگوں نے بھی اس سے عہد و پیمان لیا کہ کامیاب ہونے کے بعد آپ فلاں فلاں کام کریں گے، لیکن جب وہ کامیاب ہوگیا تو اسے نہ وہ وعدے یاد رہے اور نہ ہی کوئی کام کیا بلکہ اپنی عیش و عشرت میں مصروف رہا۔ ایسے وعدے پورے نہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب:۔ شریعت میں کسی کے کام کرنے کے لیے دو قسم کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کو کہتے ہیں وعدہ اور دوسرے کو کہتے ہیں معاہدہ۔ اب شریعت مطہرہ میں معاہدہ پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور کبھی کبھی تو معاہدہ قسم کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے، اور اگر معاہدہ توڑ دیا جائے تو یمین یعنی قسم کا کفارہ لازم آئے گا۔

قال الامام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ: "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" العهد ينصرف على وجوه فمنها الامر۔ قال الله تعالى: "وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ" وقال: "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْ اٰدَمَ" والمراد الامر وقد يكون العهد يمينًا ودلالة الآية على ان المراد في هذا الموضع اليمين ظاهر لانه قال: "وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" ولذلك قال اصحابنا ان من قال علىّ عهد الله ان فعلت كذا انه حالف وقد روي في حديث حذيفة حين اخذه المشركون وأباه فاخذوا منه عهد الله ان لا يقاتلوا مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قدم المدينة ذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال نفي لهم بعهدهم ونستعين الله عليهم۔

(احکام القرآن ج ۳، ص ۲۳۵ سورۃ النحل)

دوسری قسم وعدہ کی ہے، وعدہ وفا کرنے کو شریعت مطہرہ نے مکارم اخلاق سے شمار کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے کہ میں انشاء اللہ آپ کے لیے فلاں کام کروں گا، اور وعدہ کرتے وقت وہ کام کرنے کا ارادہ بھی تھا تو بعد میں کسی وجہ سے کام نہ کر سکنے پر گنہگار نہ ہوگا، تاہم وعدہ کو بروقت پورا کرنا ایک مستحسن فعل ہے اور

اور انسانی مروّت کا شیوہ بھی ہے۔

لما روى ابو داؤد في سننه عن زيد بن ارقم عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا وعد الرجل اخاه ومن نيته ان يفي فلم يف ولم يجئ للميعاد فلا اثم عليه۔

(سنن ابي داؤد ج۲ ص۳۳۲ كتاب الادب باب في العدة)

وقال العلامة فخر الحسن الگنگوهيؒ في شرح هذا الحديث: "قوله فلا اثم عليه" فيه دليل على ان الوفاء بالوعد ليس بواجب شرعي بل هو من مكارم الاخلاق بعد ان كان نيته الوفاء۔ (التعليق المحمود على هامش ابي داؤد ج۲ ص۳۳۲ كتاب الادب باب العدة)؎

ان دونوں میں دیکھنا ہوگا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا وہ کس قسم سے تھا، اگر معاہدہ کی قسم سے ہو تو اُسے اپنا معاہدہ پورا کرنا ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر وعدہ کی حد تک ہو تو پھر بھی انسانی اخلاق و شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ وعدہ پورا کرے بصورت دیگر گنہگار نہ ہوگا، ہاں وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کی نیت کا ارادہ کرنا ضروری ہے ورنہ پھر نفاق کی علامت ہوگی۔

کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے؟

سوال:۔ عصر حاضر میں انتخابات کے موقع پر مرد اور عورتیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا اسلام میں یہ جائز ہے کہ عورت کو قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکن منتخب کیا جائے؟

الجواب:۔ اس پُرفتن دور میں حالات کے پیش نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے اس لیے کہ موجودہ حالات میں انتخابات

؎ وقال الامام ابن حجر العسقلانيؒ: لان خلف الوعد لا يقدح الا اذا كان العزم عليه مقارناً للوعد، اما لو كان عازماً ثم عرض له مانع او بدا له رأي فهذا لم توجد منه صورة النفاق۔ (فتح الباري ج۱ ص۹۰ كتاب الايمان باب علامات المنافق)

وروى ابو داؤدؒ عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الغادر ينصب له لواء يوم القيامة فيقال هذه غدرة فلان بن فلان۔

(سنن ابي داؤد ج۲ ص۲۱ في باب في الوفاء بالعهد)

کے لیے نظم چلانے کے دوران عورت کے لیے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش رکھتا ہے ۔

اس لیے کہ ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ عوام اور قوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں اور عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے ، فقہ حنفی کی کتابوں میں وکیل کی شرائط میں کہیں بھی ذکورت کی شرط موجود نہیں ، اور بدایۃ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے بطرف عقد نکاح جب امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی ۔

لما قال الامام ابن رشد الحفیدؒ : و شروط الوكيل ان لا يكون ممنوعاً بالشرع من تصرفه في الشيء الذي وكل فيه فلا يصح توكيل الصبي ولا المجنون ولا المرأة عند مالك و الشافعي على عقد النكاح (بداية المجتهد ونهاية المقتصد ج ۲ ص ۲۹۷ الباب الاول كتاب الوكالة)

اسی طرح ارکان اسمبلی و پارلیمنٹ کی حیثیت اہل حل و عقد کی ہے اور انہی کے ووٹوں سے وزیراعظم اور صدر مملکت کا انتخاب ہوتا ہے ــــ سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردیؒ نے اہل حل و عقد کی شرائط میں ذکورت کا ذکر نہیں کیا ہے ، آپؒ فرماتے ہیں :

فاما اهل الاختيار فالشروط المعتبرة فيهم ثلاثة - احدها العدالة الجامعة لشروطها . والثاني العلم الذي يتوصل به الى معرفة من يستحق الامامة على الشروط المعتبرة فيها . والثالث الرأي والحكمة المؤديان الى اختيار من هو للامامة اصلح و بتدبير المصالح اقوم واعرف - (الاحكام السلطانية للماوردي ص ۶ الباب الاول في عقد الامامة)

؎ قال العلامة ابو يعلى الموصلي رحمه الله : اما اهل الاختيار فيعتبر فيهم ثلاث شروط احدها العدالة والثاني العلم الذي يتوصل به الى معرفة من يستحق الامامة والثالث : ان يكون من اهل الرأي والتدبير المؤديين الى اختيار من هو للامامة اصلح ـ
(الاحكام السلطانية ص ۱۹ فصول في الامامة)

اگر اسلامی تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک صحابیہ کو بازار کے نظم و نسق پر مامور کیا تھا اور اس صحابیہ کو رائے اور مشورہ دینے میں ترجیح دیتے تھے۔ اس صحابیہ کا نام حضرت شفاء رضی اللہ عنہا ہے۔

علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ اسی صحابیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الشفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف...... وكان عمر يقدمها في الرأي ويرضاها ويفضلها وربما ولاها شيئاً من أمر السوق۔ (الاصابة في تمييز الصحابة ج ۴ ص ۳۴۱ مطبوعہ مصر)

اس کے علاوہ بھی بڑا کام کیا ہے ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بڑا مقام تھا۔ صحابہ کرام کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو آپؓ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھا جاتا تھا اور آپؓ کی رائے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔

علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ آپؓ کی شان میں یوں رقمطراز ہیں: وقال ابو الضحى عن مسروق رأيت مشيخة اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الاكابر يسألونها عن الفرائض۔ وقال عطاء بن أبي رباح كانت عائشة أفقه الناس وأعلم الناس وأحسن الناس رأيا في العامة....... وقال أبو بردة بن أبي موسى عن أبيه ما أشكل علينا أمر فسألنا عنه عائشة إلا وجدنا عندها فيه علماً۔

(الاصابة في تمييز الصحابة ج ۴ ص ۳۶۰ ترجمہ عائشہ)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عورت کو گھریلو معاملات کے علاوہ انتظام مملکت میں بھی کچھ کردار ادا کرنے کی اجازت ہے۔ احناف کے نزدیک حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر مسائل میں عورت قاضی بن سکتی ہے۔[1]

اگر عورت امور شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن جائے تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن عصر حاضر میں پارلیمنٹ میں عورتوں کے کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دینا بھی دینی مقصد کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ

---

[1] قال الامام ابن الهمام: واعلم أنه ليس بشرط إلا القضاء في الحدود والدماء تقضي المرأة في كل شيء إلا فيهما۔ (فتح القدير ج ۶ ص ۳۵۷ کتاب ادب القاضی)

عموماً پارلیمنٹ میں عورتیں اپنا حقوق نسواں کے نام سے بے دینی کے کام زیادہ کرتی ہیں اس لیے انہیں اسمبلیوں میں نہ بھیجنا زیادہ راجح ہے۔

تاہم دلائل مذکورہ سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ عورت ممبر یا مشیر نہیں بن سکتی ہے جس طرح عورت کی امامت کے بارے میں احادیث اور قرآن مجید میں نص کامل موجود ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں بھی امامت کبریٰ کی شرائط بیان ہوئی ہیں وہاں ذکورت کی شرط لازمی ذکر ہوئی ہے۔

سیاہ وسفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت

سوال: جمعیۃ علماء اسلام کی جماعتی جھنڈا جو کہ سیاہ وسفید رنگ پر مشتمل ہے اس سے وابستہ علماء اس جھنڈے کو علم نبوی کی تشبیہ سمجھتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ بھی ایسا ہی تھا، تاریخ یا غزوات کی روشنی میں یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جنگوں میں مختلف رنگ کے جھنڈے استعمال کئے ہیں کسی ایک رنگ کے جھنڈے کا مستقل استعمال کرنا آپ سے ثابت نہیں۔ تاہم بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نمرة" کا جھنڈا استعمال کیا ہے جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا کیونکہ "نمرة" سفید اور سیاہ رنگ سے مرکب ہوتا ہے۔

قال ابن منظورؒ: والنمرة شملة فيها خطوط بيض وسود۔ لسان العرب ج۵ ص۲۳۹

وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسمؒ قال بعثني محمد بن القاسم إلى البراء بن عازب أسأله عن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سوداء مربعة من نمرة۔ الترمذي ج۱ ص۲۹۶ أبواب الجهاد باب في الرايات[1]

---

[1] وعن يونس بن عبيد مولى محمد بن القاسمؒ قال بعثني محمد بن القاسم إلى البراء بن عازب أسأله عن راية رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال كانت سوداء مربعة من نمرة۔ سنن أبو داود ج۱ ص۳۴۹ كتاب الجهاد باب في الرايات والألوية)

جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم

سوال:- آجکل لوگ گھروں اور بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں کیا خیر القرون میں جھنڈے کا اس قسم کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں؟ اور شرعاً اس طرح جھنڈے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنگ کے میدانوں میں جھنڈے کا استعمال کرتے تھے لیکن جنگ کے علاوہ صحابہ کرام سے جھنڈے کا استعمال قولاً فعلاً ثابت نہیں۔ تاہم آجکل جو لوگ گھروں، دوکانوں یا بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں اگر بلا التزام ہو تو اباحت پر محمول ہوگا، اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: الاصل فی الاشیاء الاباحة

(الاشباه والنظائر مع شرحه للحموی ج ۱ ص ۲۲۳) [1]

البتہ اگر کسی جگہ دینداروں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے جھنڈے کا استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا

سوال:- ایک شخص خود نہ تو کمیونسٹ ہے اور نہ ہی مغربی جمہوریت کو پسند کرتا ہے لیکن وہ اپنے گھر اور دوکان وغیرہ پر کمیونسٹ، سوشلزم یا مغربی جمہوریت پسند پارٹیوں کے جھنڈے لگاتا ہے اور کسی دینی یا اسلامی پارٹی کا جھنڈا نہیں لگاتا ہے تو شرعاً اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب:- شریعت مطہرہ نے غیر مسلم لوگوں کے شعار اپنانے سے منع فرمایا اس لیے مذکورہ بالا شخص کو ایسے امور کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے جس سے غیر مسلم اقوام کی

---

[1] ونقل الشیخ احمد بن محمد الحموی عن قاسم بن قطلوبغا: ان المختار ان الاصل الاباحة عند جمهور اصحابنا. (غمز عیون البصائر ج ۱ ص ۲۲۳ تحت قاعدة الاصل فی الاشیاء الاباحة)

ومثله فی البحر الرائق ج ۶ ص ۱۲۴ باب المرابحة والتولیة۔

مشابہت ہوتی ہو یا کسی سے دینی کو تقویت ملتی ہو۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فہو منہم۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۰۳ کتاب اللباس) ؎۱

مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے

سوال: اگر کسی اپنے علاقے میں جہاں نفاذ حکومت نہ ہو کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اور اگر اس کو قتل کرنا ضروری ہو تو یہ کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب: مرتد کے بارے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو اسے تین دن کی مہلت دے دے تاکہ دین اسلام کے متعلق اگر اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہوں تو وہ ختم ہو جائیں اور وہ دوبارہ اسلام قبول کر کے راہ راست پر آجائے لیکن اگر تین دن تک بعد کارروائی کے بعد بھی مصر ہونے کا قول رہے تو حاکم اس کے قتل کا حکم دے لیکن عوام میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرتد کو قتل کرے یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ذاتی طور پر مرتد کو قتل کر دیا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: تحت قول کنز الدقائق: قوله وكره قتله قبله أي قبل عرض الإسلام لأن الإسلام فيه مرجو. قال في الهداية ومعنى الكراهة هنا ترك المستحب يعني فهي كراهة تنزيه وهو مبني على القول باستحباب العرض وأما على القول بوجوبه فهي كراهة تحريم ثم اعلم ان المرتد حلال الدم فيضمن قتل الامام وغيره ولكن ان قتله غيره او قطع عضوا منه بغير اذن الامام ادبه الامام. (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۸ كتاب السير) ؎۲

؎۱ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاری۔ (ترمذی ج۲ ص۹۹ ابواب الاستئذان)

؎۲ لما فی الہندیۃ: فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ او قطع عضوا منہ کرہ ذلک کراہۃ تنزیہ ولا ضمان علیہ لکنہ اذا فعل بغیر اذن الامام ادب علی ما صنع۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۲ ص۲۵۳ کتاب السیر)

ومثلہ فی رد المحتار ج۴ ص۲۲۵ کتاب السیر۔

حدود اور قصاص میں حاکمِ وقت کا دائرہ اختیار

سوال: کسی شخص پر قصاص یا حدود کے ثبوت کے بعد حاکمِ وقت شرعاً اس میں کسی قسم کی ترمیم کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ جبکہ عام طور پر قصاص کے موقع پر سربراہِ مملکت مروجہ قانون کی رو سے رحم کی اپیل کرنے پر قصاص کی معافی کا اعلان کر دیتا ہے؟

الجواب: حدود اور قصاص ایسی سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر اور متعین کیا ہے، عوام الناس میں سے کسی فرد یا جماعت کو ان سزاؤں پر عملدرآمد کا حق نہیں، اسی طرح سربراہِ مملکت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سزاؤں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم یا رد و بدل کرے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمه الله: واما صفات الحدود فنقول وبالله التوفيق لاخلاف في حد الزنا والشرب والسكر والسرقة انه لا يحتمل العفو والصلح والابراء بعد ما ثبت بالحجة لانه حق لله تعالى خالصاً لاحق للعبد فيه فلا يملك اسقاطه۔

(البدائع الصنائع ج۷ ص۵۵ کتاب الحدود)[1]

البتہ قصاص میں مقتول کے اولیاء کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لیں یا دیت وصول کریں یا ویسے ہی قاتل کو معاف کر دیں، اس کے علاوہ کسی اجنبی شخص کو یا حاکمِ وقت کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتول کے اولیاء کی رضامندی کے بغیر قاتل کو معاف کر دے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمه الله: واما بيان ما يسقط القصاص

---

[1] وقال العلامة عبد القادر عودة: والحد هو العقوبة المقررة حقاً لله تعالى .... يعنون بذلك انها لا تقبل الاسقاط من الافراد ولا من الجماعة .... ولانها عقوبات لازمة فلا يستطيع القاضي ان ينقص منها او يزيد فيها كما انه لا يستطيع ان يستبدل بها غيرها۔ (التشريع الجنائي الاسلامي ج۱ ص۶۲۵ الفصل الاول العقوبات المقررة لجرائم الحدود)

بعد وجوبه فالمسقط لها أنواع ...... ومنها العفو ...... وأما الشرائط فمنها أن يكون العفو من صاحب الحق لأنه إسقاط الحق وإسقاط الحق ولا حق محال ولا يصح العفو من الأجنبي لعدم الحق. (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۴۶ كتاب الحدود)۔[1]

اصلاحی کمیٹی کا دائرہ اختیار

سوال:۔ علاقائی سطح پر اصلاح معاشرہ اور جرائم کے انسداد کے لیے اگر صوبہ کے کسی علاقہ پر مشتمل کوئی ایسی اصلاحی کمیٹی قائم کی جائے جس کو حکومت کی طرف سے مکمل اختیار حاصل ہو تو کیا ایسی کمیٹی حدود و تعزیرات کے مقدمات کے فیصلے کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعی نقطہ نظر سے حدود اور تعزیرات کے قیام کا حق صرف حکومت یا اس کے منتخب شدہ قاضی یا جج کو حاصل ہے اس کے علاوہ شریعت مطہرہ کسی شخص یا ادارے کو یہ اجازت نہیں دیتی اس لیے حدود و قصاص کے مقدمات کے فیصلے کرنا ایسی کمیٹی کے دائرہ اختیار سے خارج ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمه الله: وأما شرائط جواز إقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام ...

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۵۷ كتاب الحدود)

وقال الإمام سيد سابق رحمه الله: والتعزير يتولاه من له ولاية الإمامة على المسلمين. (فقه السنة ج ۲ ص ... كتاب الحدود)[2]

---

[1] وقال عبد القادر عودة: تمنح الشريعة المجني عليه أو وليه أن يعفو عن عقوبتي القصاص والدية. (التشريع الجنائي الإسلامي ج ۱ الباب السادس سقوط العقوبة)
ومثله في نهاية الأخرى ص ۹۶ كتاب الجنايات۔

[2] وقال ابن الهمام: بخلاف الحدود فإنها لم تثبت توليتها إلا للولاة وبخلاف التعزير الذي يجب حقا للعبد بالقذف ونحوه فإنه لتوقفه على الدعوى لا يقيمه إلا الحاكم إلا أن يحكما فيه. (فتح القدير ج ۵ ص ۱۱۳ فصل في التعزير)
ومثله في رد المحتار ج ۴ ص ۶۱ باب التعزير۔

جمعہ وعیدین میں شرطِ سلطان کی وضاحت

سوال: نسوانی دورِ اقتدار میں نمازِ جمعہ وعیدین کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ فقہاء نے وجوبِ ادا کے لیے سلطان یا اس کے نائب کی شرط لگائی ہے جبکہ نسوانی دورِ اقتدار میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے۔

الجواب: جمعہ اور عیدین کی نماز کی صحت کے لیے سلطان کی شرط ہونا مقصود بالذات نہیں بلکہ ایسے مواقع پر اس اشتراط کا مقصد مسلمانوں کے باہمی معاملات کو سلجھانا ہے عموماً ان حالات میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے باہمی طور پر تنازع پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے مواقع پر سلطان یا اس کے مقرر کردہ شخص کو اعتبار دیا ہے تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے باہمی طور پر کسی کو خطیب مقرر کیا جائے تو پھر سلطان یا اس کا نائب نہ ہونے کے باوجود جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الهندیة: ولو تعذر الاستئذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بهم الجمعة جاز۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۴۶ باب الجمعة)

وقال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والسلطان هو الوالی الذی لا والی فوقه وانما کان شرطاً للجمعة لانها تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدیم والتقدم وقد تقع فی غیره فلا بد منه تتمیماً لامره...... ولو لم یکن ثمه قاض ولا خلیفة المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز للضرورة۔
(البحر الرائق ج۲ ص۱۴۳ کتاب الجنائز)

حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا

سوال: بسا اوقات اربابِ اقتدار کچھ ایسے فیصلے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث سے متصادم ہوتے ہیں، اس صورت میں رعیت میں سے کسی شخص کو اپنی

---

[1] لما فی الهندیة: بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیاً مسلماً۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۴۶ باب الجمعة)

ذمہ داری کا احساس کہاں تک ہونا چاہیئے ؟

الجواب :- خلفاء راشدینؓ کے دور خلافت میں جب کوئی کام اسلام کے خلاف ہوتا تو رعیت میں سے ہر شخص اور فرد کو باقاعدہ یہ حق حاصل تھا کہ حسب استطاعت اس غلط کام کا سد باب کرے، اگر بذات خود خلیفہ سے بھی بے خبری میں کوئی خلاف شریعت بات سرزد ہو جاتی تو رعایا میں سے کوئی نہ کوئی شخص ضرور اس کی نشاندہی کرتا اور خلفاء کی طرف سے اس شخص کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ میں رعیت کے عام افراد کو یہ حق دیتے ہوئے فرمایا "اما بعد. ایہا الناس، فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوموني ...... اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم. (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۱ خطبہ ابوبکرؓ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عورتوں کے حق مہر کے بارہ میں فرمایا کہ آئندہ حق مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہوگا، اس پہ ایک عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں: "وآتیتم احداھن قنطارا" اور دے چکے ہو ایک کو بہت سا مال. اس عورت کے اس طرح کہنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور اس عورت کی حوصلہ افزائی فرمائی ۔

قال عمرؓ لا تغالوا فی مہور النساء، فقالت امرأۃ لیس ذلک یا عمرؓ ان اللہ یقول "وآتیتم احداھن قنطارا" من ذھب ..... فقال عمرؓ ان امرأۃ خاصمت عمرؓ فخصمتہ ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۷ سورۃ النساء)

تاہم جہاں کہیں آدمی کو حق بات کہنے پر اپنی جان کے ضیاع اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو اور اس پر صبر کرنے کی طاقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے ۔

لما فی الہندیۃ . ولو علم بالعرف انہ لو امرھم بذلک قذفوہ وشتموہ فترکہ افضل وکذلک لو علم انہم یضربونہ ولا یصبر علی ذلک ویقع بینہم عداوۃ ویہیج منہ القتال فترکہ افضل ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۳) ۔ لہ

له قال عمرؓ احب الناس الی من رفع الی عیوبی ۔ (کنز العمال ج ۸ ص ۲۵۸۶۳)

جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا

سوال:- آجکل پاکستان میں زیادہ تر مغربی طرز کا جمہوری نظام نافذ العمل ہے، اگر عوام الناس میں سے کوئی جماعت یا کوئی فرد جمہوری نظام کی بعض خامیوں کے خلاف جلسے جلوس نکالیں اور برسر اقتدار طبقہ کے خلاف ہو جائیں تو کیا یہ لوگ حکومت کے باغی شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:- مغربی جمہوری نظام میں حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوریت کا تقاضا ہے بلکہ جمہوری حکومت اپنے خلاف کسی ردعمل کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھتی ہے، اس لیے اس میں جلسہ جلوس یا کسی اور مناسب طریقے سے حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوری نظام کا حصہ ہے ایسا کرنا نہ بغاوت ہے اور نہ مخالفین باغی شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمه الله: والبغاة هم الخوارج وهم قوم من رأيهم أن كل ذنب كفر كبيرة كانت أو صغيرة يخرجون على امام اهل العدل ويستحلون القتال والدماء والاموال بهذا التاويل ولهم منعة وقوة۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص۱۴۰ كتاب السير) ؎

غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا

سوال:- موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف غیر اسلامی نظام ہائے زندگی مثلاً سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے قوانین چلتے ہیں، اور بعض مسلمان حکمران بھی اس قسم کے قوانین سے متاثر ہو گئے ہیں، اگر مسلمانوں میں سے کوئی گروہ یا جماعت اس قسم کے قوانین کے خلاف تحریک چلائے اور لوگوں کو اس کی قباحتیں بتائے تو شرعاً اس قسم کی تحریک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- سوشلزم، کمیونزم اور مغربی جمہوریت یہ تمام نظام ہائے زندگی اسلام

؎ وقال العلامة الحصكفي رحمه الله: الباغي لغة الطالب ومنه ذلك ما كنا نبغ، وعرفاً طالب ما لا يحل من جور وظلم، وشرعاً هم الخارجون على الإمام الحق بغير حق فلو بحق فليسوا ببغاة۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۳ ص۳۳۷ كتاب السير)

ومثله في الأحكام السلطانية للماوردي ص۵۸ الباب الخامس في الولاية على حروب المصالح -

لیکن چاہیں تو دیت قبول کریں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔
(۲) عین قصاص لینے کے وقت ورثاء کا حاضر ہونا لازمی ہے۔
(۳) احناف کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قصاص تلوار سے لیا جائے جبکہ آجکل پھانسی کی صورت میں یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جاتیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی: فولاية استيفاء القصاص تثبت لما ذكرنا منها الوراثة وجملة الكلام فيه ان الوارث لا يخلو...... فان كان الكل كبارا فلكل واحد منهم ولاية استيفاء القصاص حتى لو قتله احدهم صار القصاص مستوفى...... الا ان حضور الكل شرط جواز الاستيفاء وليس للبعض ولاية الاستيفاء مع غيبة البعض لان فيه احتمال استيفاء ما ليس بحق له لاحتمال العفو من الغائب وفي فصل آخر فالقصاص لا يستوفى الا بالسيف عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۲۴۲-۲۴۵ كتاب الجنايات)

تاہم قاتل کو پھانسی دینا اگر قصاص نہ بھی ہو تو پھر بھی اس کا اجراء ونفاذ ناجائز نہیں بلکہ قاتل کو سزا دینے کے لیے پھانسی کا اقدام ایک مستحسن فعل ہے۔

سرکاری اداروں میں افسران کو سیلوٹ (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: سرکاری افسروں کو ماتحت عملہ کے لوگ سیلوٹ (سلام) کرتے ہیں اسی طرح سکولوں اور بعض دیگر سرکاری اداروں میں پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر پرچم کو بھی سلام کرتے ہیں کیا اس قسم کا سلام شرعی سلام میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت مطہرہ میں سنت سلام کے لیے سلام کے الفاظ زبان سے

لـه وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: "وللكبار القود" اى اذا قتل رجل له ولى كبير وصغير كان للكبير ان يقتل قاتله...... لو كان الكل كبارا ليس للبعض ان يقتص دون البعض ولا ان يوكل باستيفائه لان في غيبة الموكل احتمال العفو فالقصاص ليحققه من يستحق ماله۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۴۳ كتاب الجنايات)

ومثله في الفتاوى الهندية ج ۶ ص ۶ كتاب الجنايات، الباب الثالث۔

والی نامزوری ہے تاہم جہاں کہیں ایک آدمی دوسرے آدمی سے اگر کچھ فاصلے پر ہو جس میں ایک دوسرے کی آواز نہ سنی جا سکتی ہو تو زبان سے سلام کے الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی مرغوب ہے ۔

کما فی الہندیۃ : وفی النوازل رجل جالس مع قوم سلم علیہم رجل فقال السلام علیک فردہ بعض القوم ینوب ذلک عن الذی سلم علیہ المسلم ویسقط عنہ الجواب یرید بہ اذا اشار الیہم ولم یسم لان قصدہ التسلیم علی الکل وتجوز الاشارۃ الیہا عنہ بخطاب الواحد ہذا اذا لم یسم ذلک الرجل فاما اذا سماہ فقال السلام علیک یا زید فاجابہ غیر زید لا یسقط الفرض عن زید وان لم یسمہ واشار الی زید یسقط لان قصدہ التسلیم علی الکل ۔

(الفتاوی الہندیۃ جلد ۵ صفحہ ۳۲۵ کتاب الکراہیۃ الباب السابع فی السلام)

مروجہ محفلوں میں سلام کا جو طریقہ رائج ہے اس میں اصل دخل ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ کو ہے چاہے سلام کرنے والے ایک دوسرے سے دور ہوں یا قریب ہر حالت میں سلام ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ سے ہوگا زبان سے سلام کے الفاظ کا ادا کرنا محض ضمناً ہوتا ہے ۔ شریعت مطہرہ نے صرف ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے سلام کرنے کو منع کر کے اسے یہود و نصاریٰ سے مشابہت قرار دیا ہے ۔

کما فی الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبہوا بالیہود ولا بالنصاری فان تسلیم الیہود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف ۔ (جامع الترمذی ج۲ ابواب الاستئذان والادب ص۹۹)

رہی یہ بات کہ رسم شادی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے تعظیم کیلئے

لہ روی الامام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی عن ابراہیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین وعند استلام الحجر وعلی الصفا والمروۃ وبجمع وعرفات وعند المقامین عند الجمرتین ۔ قال ابو یوسف فاما فی افتتاح الصلوۃ وفی العیدین وفی الوتر وعند استلام الحجر فیجعل ظہر کفیہ الی وجہہ واما فی الثلث الاخر فیستقبل بباطن کفیہ ۔

(شرح معانی الآثار ج۱ ص۲۱۶ باب رفع الیدین)

پرچم کو سلام کرتے ہیں تو یہ محض ایک رسم ہے شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ خیر القرون میں بھی مجاہدینِ اسلام پرچم رکھتے تھے لیکن کسی سے پرچم کی اس طرح تعظیم کرنا ثابت نہیں، اس کے علاوہ شریعتِ مقدسہ میں جن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر تعظیم کرنا ثابت ہے ان میں پرچم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری

سوال: جس ملک میں حدود و قصاص جیسی سزاؤں کا اجراء نہ ہو وہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجبِ حد ہو اور یہ شخص اپنے آپ کو حد کے لیے پیش بھی کرتا ہو لیکن حدود کے عدم اجراء کی بنا پر کیا یہ شخص صرف توبہ پر اکتفاء کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حدود اور قصاص کے اجراء کی ذمہ داری حکام پر ہے، اگر کسی ملک میں حکام حدود و قصاص وغیرہ شرعی سزاؤں کا اجرا عملاً نہ کرتے ہوں تو ایسے ملک میں مرتکبِ جرم کے صرف توبہ و استغفار پر اکتفاء کرنا صحیح ہے اس لیے کہ مجرم کا کام عذاب سے بچنے کے لیے توبہ کرنا ہے اور حکام صاحبان اور قضاۃ حضرات کا کام جرم ثابت ہونے کے بعد حدود و قصاص کو عملاً نافذ کرنا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والحاصل ان الواجب علی العاصی فی نفس الامر التوبة فیما بینه وبین الله تعالی فان تاب تقبل، اذا اتصل بالامام ثبوته وجب اقامة الحد علی الامام ولا یمتنع من اقامته بسبب التوبة۔

(البحر الرائق ج۵ ص۳ کتاب الحدود)[1]

انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا شرعی حکم

سوال: انگریزی قانون کے مطابق باپ کی میراث

---

[1] وفی الهندیة: ویکره اقامة الامام او نائبه فی الاقامة..... ویظهر من المبسوط بحکم اصلی لاقامة الحد لانها تحصل بالتوبة فلا اقامة عند ویعضها ان قام الحد علی الکافر ولا طهرة له الا فی الثبیت۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۱۴۳ کتاب الحدود، باب اول)

ومثله فی رد المحتار ج۳ ص۱۴۱ کتاب الحدود۔

میں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا، تو کیا ایسے قانون کی آڑ لے کر بیٹیوں کو ان کے حق وراثت سے محروم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی قانون میں باپ کی میراث سے بیٹی کو باقاعدہ حصہ ملتا ہے اس لیے مروجہ انگریزی قانون کا سہارا لے کر بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کر دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے کی بجائے شریعت مقدسہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اگر چہ بظاہر اس کو نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

قال اللہ تبارک وتعالی: یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۱)[1]

کسی چیز پر مدت دراز تک قبضہ مفید ملک نہیں

سوال:۔ ملک میں ایک ایسا قانون رائج ہے کہ اگر اجارہ کی صورت میں کوئی زمین وغیرہ ساٹھ سال تک مستاجر کے پاس رہ جائے تو وہ زمین مستاجر کی ملک شمار ہوتی ہے، اس قانون کو "زائد المیعاد" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو کیا یہ قانون شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انگریزی دور سے رائج "زائد المیعاد" نام کے اس ظالمانہ قانون کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، شریعت مطہرہ نے اجارہ میں مدت کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ اگر آجر نے کوئی زمین وغیرہ کسی کو اتنی زیادہ مدت کے لیے مستاجری پر دی ہو کہ جس میں اجیر و مستاجر کا زندہ ہونا بھی محال ہو تو ایسا اجارہ صحیح ہے، لیکن اتنی مدت گزرنے کے باوجود بھی وہ زمین شرعاً مستاجر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

---

[1] وقال الامام سراج الدین محمد بن عبد الرشید سجاوندیؒ: واما لبنات الصلب فاحوال ثلث، النصف للواحدۃ والثلثان للاثنتین فصاعدۃ ومع الابن للذکر مثل حظ الانثیین وھو یعصبھن۔ (السراجی ص۸ کتاب الفرائض)
ومثلہ فی شریفیۃ شرح سراجیۃ ص۲۱ الفرائض۔

لما في العلامة سليم رستم باز (تحت شرح مجلة الاحكام) فلك ان يؤجر ماله ويمكنه لغيره مدة معلومة قصيرة كانت كيوم او طويلة كسنين، او كثيرة حتى لو اجرها الى مدة لا يعيش مع قدر ان افي مثلها عادة جاز واختاره الخصاف ومنعه بعضهم وظاهر اطلاق المتون ترجيح الاول۔

(شرح المجلة ص۲۸۳ المادة ۴۸۴ كتاب الاجارات)؎

تعزیر بالمال کا شرعی حکم

سوال: اگر علاقائی سطح پر حکومت کی طرف سے قائم کردہ کمیٹیاں جرائم کے انسداد کے لیے مجرموں سے مالی جرمانے وصول کریں تو ایسی کمیٹیوں کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح تعلیمی اداروں میں بچوں سے غیر حاضری پر جرمانے وصول کیے جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: مالی جرمانہ کا مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان اختلافی رہا ہے، احناف کے اصل مذہب میں کسی پر مالی جرمانہ عائد کرنا صحیح نہیں کیونکہ کسی بھی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا جائز نہیں۔

لحديث النبي صلى الله عليه وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه (كنز العمال ج۱ ص۹۲ — الفردوس للديلمي ج۵ ص۱۱۱ رقم ۷۶۳۵)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تحت الدر المختار: لا باخذ مال في المذهب وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقي الائمة الثلاثة لا يجوز ...... وافاد في البزازية ان معنى التعزير باخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنه مدة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعي ...... وارى ان ياخذها فيمسكها فان ايس من توبته يصرفها الى ما يرى. وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الاسلام ثم نسخ

؎ لما في الهندية: يصح العقد على مدة معلومة اي مدة كانت قصرت المدة كاليوم ونحوه او طالت كالسنين كذا في المضمرات ويعتبر ابتداء المدة مما سمى وان لم يسم شيئاً فهو من وقت الذي استاجره۔ (الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۱۵ كتاب الاجارة، الباب الثالث)

ومثله في البزازية على هامش الهندية ج۵ ص۱۸ كتاب الاجارة، نوع في الاجارة الطويلة۔

والحاصل ان المذھب عدم التعزیر باخذ المال۔

(رد المحتار ج۳ ص۱۹۵، ۱۹۶ فصل فی التعزیر باب الحدود)

تاہم جہاں کہیں مالی جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو اور مالی جرمانہ سے جرائم ختم ہوتے ہوں تو ایسی حالت میں اگر بنظر ضرورت کے تحت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وکل فرع بالقضاء تعلقا۔۔۔ قول ابی یوسفؒ فیہ یحقق۔۔۔۔ الفتوی علی قول ابی یوسفؒ فیما یتعلق بالقضاء لزیادۃ تجربتہ۔

(مجموعۃ رسائل ج۱ ص۲۴-۲۵)

وقال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وسمعت من ثقۃ ان التعزیر باخذ المال ان رأی القاضی او الوالی جاز ومن جملۃ ذلک رجل لا یحضر الجماعۃ یجوز تعزیرہ باخذ المال۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۴۴ کتاب الحدود فصل فی التعزیر)[۲]

اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا

سوال:۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ کس کو حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں کمی یا زیادتی تجارتی منڈیوں میں اتار چڑھاؤ کی حالت پر مبنی ہے جس کا سبب ماہرین معاشیات ملکی حالات کو قرار دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں افراط زر پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے، اس لئے کسی حاکم یا والی کو روزمرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر

---

[۲] وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: ویجوز التعزیر باخذ المال وھو مذھب ابی یوسفؒ وبہ قال مالک۔ وایضاً نقل عن معین الحکام ومن قال ان العقوبۃ المالیۃ منسوخۃ فقد غلط علی مذاھب الائمۃ نقلا واستدلالا ولیس یسھل دعوی نسخھا۔

(فقہ السنۃ ج۲ ص۴۹۹ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۳۳ باب فی التسعیر)

تاہم جہاں کہیں تاجر عوام کی مجبوریوں سے غلط فائدہ اٹھا کر مصنوعی مہنگائی پیدا کرتے ہیں ایسی صورت میں قاضی یا حاکم کے لیے اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر کرنا اور پھر اس کی نگرانی کرنا بھی ضروری ہے۔

کما قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ، ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس فان کان ارباب الطعام یتحکمون ویتعدون عن القیمۃ تعدیاً فاحشاً وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتسعیر فحینئذ لا بأس بہ بمشورۃ من اہل الرأی والبصیرۃ۔ (الہدایۃ ج ۴ ص ۴۵۴-۴۵۵ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع)[1]

حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکسوں کی شرعی حیثیت

سوال نمبر: آجکل ملک میں تقریباً

ہر طرف ٹیکسیشن کا نظام رائج ہے کہیں انکم ٹیکس، ٹریڈ ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس ہے تو کہیں آبکاری ٹیکس کی شکل میں یہ عوام پر نافذ ہے، تو کیا شریعت مطہرہ حکومت کو زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ رعایا پر مزید ٹیکس لگانے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مطہرہ میں صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ کرنے کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اغنیاء کے اموال میں فقراء اور مساکین کا حصہ

---

[1] وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: التوجیہ فیہ عند الحاجۃ الیہ علی ان التجار اذا ظلموا وتعدوا تعدیاً فاحشاً یضر بالسوق وجب علی الحاکم ان یتدخل ویحدد السعر صیانۃ لحقوق الناس ومنعاً للاحتکار ودفعاً للظلم الواقع علیہم من جشع التجار۔ (فقہ السنۃ ج ۳ ص ۱۶۲ کتاب الکراہیۃ التسعیر)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۶ ص ۲۸ کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع۔

موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ : وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (سورۃ الذاریت ۱۹)

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور انہوں نے اس بات پر اُمت کا اجماع نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

فقال ابن عمر والحسن والشعبی ومجاهد هو حق سوی الزکوٰۃ واجب فی ماله...... قال ابوبکر هذه والآیة التی قبلها محتملة وفی المال حق سوی الزکوٰۃ باتفاق المسلمین۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۰۹ سورۃ الذاریت)

اس کے علاوہ حکومتِ وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنا دفاعی نظام مستحکم رکھے۔ اسی طرح رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتال، مسافر خانوں اور سڑکوں وغیرہ کے لیے مخصوص فنڈ مقرر کرے۔ فقراء، مساکین اور یتیموں کا خصوصی خیال رکھے۔ اگر بیت المال خالی ہو تو دفاعی نظام کے اخراجات کے لیے حکومتِ وقت اغنیاء پر محدود اندازمیں کچھ تھوڑا سا ٹیکس لگا سکتی ہے لیکن یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں لگایا جائے گا کہ وہ ظلم کی حد تک پہنچ جائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انا اذا خلت الایدی من الاموال ولم یکن من مال المصالح ما یفی بخراجات العسکر ولو تفرق العسکر واشتغلوا بالکسب لخیف دخول الکفار بلاد الاسلام او خیف ثوران الفتنة من اهل العرامة فی بلاد الاسلام فیجوز للامام ان یوظف علی الاغنیاء مقدار کفایة الجند۔

(المستصفی للامام غزالی ج ۱ ص ۳۰۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکمِ وقت ضرورت کے تحت مالدار لوگوں پر ٹیکس لگا سکتا ہے، تاہم اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ دور میں ٹیکسیشن کا سارا نظام صحیح ہے، اس لیے کہ آج کل ٹیکسوں کا جو نظام ہے اس میں بعض ٹیکس غیر شرعی ہیں اور اسی طرح عام طور پر ٹیکسوں کی شرح فیصدی اتنی زیادہ ہے کہ عام انسان کی قوتِ برداشت سے باہر ہے۔ شریعتِ مقدسہ نے ٹیکسوں کی شرح کو زکوٰۃ کی شرح مقدار سے زیادہ نہیں بڑھایا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ ٹیکس کی وصولی کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور ذمیوں

سے بیسواں حصہ اور حربیوں سے دسواں حصہ وصول کرنا مروی ہے۔

قال الامام ابو یوسف رحمہ اللہ: فان عمر بن الخطاب وضع العشور فلا بأس بأخذها اذا لم یتعد فیها علی الناس ویؤخذ بأکثر مما یجب علیهم ..... قال وحدثنا ابو حنیفة عن القاسم عن انس بن سیرین عن انس بن مالک قال بعثنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی العشور وکتب لی عهدًا ان آخذ من المسلمین مما اختلفوا فیه لتجاراتهم ربع العشر ومن اهل الذمة نصف العشر ومن اهل الحرب العشر۔ (کتاب الخراج ص ۱۳۲ فصل فی العشور) لے

جبکہ ملک کے ہر کونے میں چونگی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جسے چنگی ٹیکس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں اس قسم کے ٹیکس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ صراحتاً اس کا عدم جواز نقل کیا گیا ہے۔

قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ اس قسم کے ٹیکس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک ملک کے اندر ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو اشیاء منتقل کرنے پر جو ٹیکس وصول کیا جاتا ہے شریعت نے اس کو حلال قرار نہیں دیا ہے بلکہ اس قسم کا ٹیکس حرام ہے اور عادلانہ سیاست کے بالکل منافی ہے اور اکثر یہ ٹیکس ظالموں کے بلاد میں ہوتا ہے۔

قال العلامة القاضی ابو یعلیٰ: فاما اعشار الاموال المتنقلة فی دار الاسلام من بلد الی بلد فمحرمة لا یبیحها شرع ولا یسوغها اجتهاد ولا هی من سیاسات العدل وقلما تکون الا فی بلاد الجائرة وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یدخل الجنة صاحب مکس وفی النهی عن اخذ العشر صاحب المکس فی الاسناد یعنی العاشر وفی لفظ آخر اذا لقیتم عاشرًا فاقتلوه۔ (الاحکام السلطانیة ص ۲۳۶ فاما اعشار الاموال)

لے قال الامام ابن حزم الظاهری: قال ابو محمد: وفرض علی الاغنیاء من اهل کل بلد ان یقوموا بفقرائهم ویجبرهم السلطان علی ذلک ان لم تقم الزکوات بهم ولا فی سائر اموال المسلمین بهم فیقام لهم بما یأکلون من القوت الذی لا بد منه ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذلک ..... برهان ذلک قوله تعالیٰ: "وآت ذا القربیٰ حقه والمسکین"۔ (المحلی ج ۶ ص ۴۵۳، ۴۵۲ رقم ۷۲۵ کتاب الزکوٰة قسم الصدقات)

تاہم ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال اور اشیاء منتقل کرنے پر جو کسٹم ڈیوٹی عائد ہوتی ہے اس کے جواز کی گنجائش ہے لیکن عصرِ حاضر میں بعض ممالک میں یہ ٹیکس حد سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے اس لیے اس کی مقدار میں اعتدال سے کام لینا چاہیے اور اس قسم کے ٹیکس کو ظلم کی حد تک نہیں بڑھانا چاہیے۔

لما قال القاضی ابو یعلیٰؒ: ان کان البلد ثغراً یتاخم دار الحرب وکانت اموالهم اذا دخلت دار الاسلام معشورة عن صلح استقر معهم اثبت فی الدیوان عقد صلحهم وقدر المأخوذ منهم من عشر او خمس او زیادة علیه او نقصان منه وان کان یختلف باختلاف الامتعة والاموال فصلت فیه وکان الدیوان موضوعاً لاخراج رسومه والاستیفاء ما یرفع الیه من مقادیر الامتعة المحمولة الیه۔ (الاحکام السلطانیة ص۲۲۵ تحت والعاشر۔ الفصل السادس) [1]

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقۂ کار

سوال:- کیا اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کی علانیہ تبلیغ کریں یا کوئی نئی عبادتگاہ تعمیر کریں یا اپنے مذہب کے مطابق جلوس رسومات ادا کرتے رہیں۔

الجواب:- ایک اسلامی مملکت میں مسلمان حاکم پر لازم ہے کہ غیر مسلم اقلیت کی جان و مال کا تحفظ کرے لیکن شریعت نے غیر مسلموں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بازار اور گلیوں اور دیگر عام مقامات میں اپنے مذہب کا پرچار کریں۔ غیر مسلموں کی عبادت اپنے گھروں اور اپنی قدیم عبادت گاہوں (مندروں، گرجا گھروں اور چرچوں) تک محدود رہے گی۔ اسی طرح غیر مسلم اپنے لیے کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی نیا قبرستان یا اپنے مردوں کو جلانے کے لیے کوئی نئی جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمه الله: ولا یجوز ان یحدث بیعة

---

[1] قال الامام قاضی ابو یوسفؒ: واما العشور فرأیت ان تولیها قوماً من اهل الصلاح والدین وتأمرهم ان لا یتعدوا علی الناس فیما یعاملونهم به فلا یظلموهم ولا یأخذوا منهم اکثر مما یجب علیهم۔ (کتاب الخراج ص۱۳۲ فصل فی العشور)

ولا كنيسة ولا صومعة ولا بيت نار ولا مقبرة ولا صنماً حاوى فى دار الاسلام ولو قرية فى المختار۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد ۳ ص ۲۹۶ كتاب السير) [1]

تاہم جہاں کہیں غیر مسلموں کی کوئی عبادت گاہ یا قبرستان وغیرہ ان کی کثرت آبادی اور مردم شماری کی زیادت کی وجہ سے ناکافی ہو جائے تو اس ضرورت کے تحت وہ نئی عبادت گاہ اور قبرستان وغیرہ صرف ایسے دیہاتوں میں تعمیر کر سکتے ہیں جہاں پر جمعہ اور عیدین کی نمازیں نہیں پڑھی جاتی ہوں۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الكاسانى رحمه الله: ولا يمكنون من اظهار صليبهم فى عيدهم لانه اظهار شعائر الكفر فلا يمكنون من ذلك فى امصار المسلمين ولو فعلوا ذلك فى كنائسهم لا يتعرض لهم وكذا لو ضربوا الناقوس فى جوف كنائسهم القديمة لم يتعرض لهم كذلك لان اظهار الشعائر لم يتحقق فان ضربوا به خارجاً منها لم يمكنوا منه لما فيه من اظهار الشعائر ۔۔۔۔۔۔۔۔ وما كان من الكنائس والبيع القديمة فلا يتعرض لها ولا يهدم شئ منها واما احداث كنيسة اخرى

---

[1] وقال الامام قاضى ابو يعلى رحمه الله: ويلزم الذمى ترك ما فيه ضرر على المسلمين واحادهم فى مال او نفس وهى ثمانية اشياء۔ الاجتماع على قتال المسلمين وان لا يزنى بمسلمة ولا يصيبها باسم نكاح ولا يفتن مسلماً عن دينه ولا يقطع عليه الطريق ولا يؤوى للمشركين عيناً اعنى جاسوساً ولا يعاونوا على المسلمين بدلالة اعنى لا يكاتب المشركين باخبار المسلمين۔ ولا يقتل مسلماً ولا مسلمة۔ وكذلك يلزم ترك ما فيه غضاضة ونقص على الاسلام - وهى ثلاثة ذكر الله تعالى وكتابه ودينه ورسوله بما لا ينبغى ـ

(الاحكام السلطانية ص ۱۵۸ فصل فى وضع الخراج والجزية)

يمنعون عنه فيما صار مصرًا من أمصار المسلمين۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر) ص

حکومت کو زنا بالجبر اور بالرضا کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں

سوال: حکمران طبقہ میں سے بعض افراد نے زنا کی دو قسمیں بنا رکھی ہیں یعنی زنا بالجبر کو قابلِ حد اور زنا بالرضا کو جائز قرار دے کر زنا کی اور مرتکب کو حد کو ساقط تصور کرتے ہیں۔ کیا شرعاً ان افراد کا یہ اقدام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: علماءِ امت اور فقہاءِ کرام نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں جس زنا کو قابلِ حد قرار دیا ہے اس میں زنا بالرضا یا زنا بالجبر کی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ فقہاء کی عبارات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا رضامندی کے ساتھ کیا جائے وہ تو بطریقِ اولیٰ

۱۔ وفی الھندیۃ: ولیس لھم أن یضربوا فی منزلہ بالناقوس فی مصر المسلمین ولا أن یجمع فیہ بجمع أمالہ أن یصلی فیہ ولا أن یخرجوا الصلیب، وغیر ذلک من کنائسھم ولا یرفعوا اصواتھم بقراءۃ الزبور والانجیل ان کان فیہ اظھار الشرک منعوا عن ذلک وان لم یقع بذلک اظھار الشرک لا یمنعون ویمنعون من قراءۃ ذلک فی سواق المسلمین ۔۔۔۔۔ ولا بأس باخراج الصلیب وضرب الناقوس اذا جاوزوا افنیۃ المصر وفی کل قریۃ او موضع لیس من امصار المسلمین فانھم لا یمنعون من ذلک وان کان فیھا عدد من المسلمین یسکنون فیھا۔

(فتاوی الھندیۃ ج ۲ ص ۲۵۰ کتاب الجھود، الباب الثامن فی الجزیۃ)

وقال الامام علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: لا یمنعون من اظھار شیء مما ذکرنا من بیع الخمر والخنزیر والصلیب وضرب الناقوس فی قریۃ او موضع لیس من امصار المسلمین ولو کان فیہ عدد کثیر من اھل الاسلام وانما یکرہ ذلک فی امصار المسلمین وھی التی یقام فیھا الجمع والاعیاد والحدود۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۲ کتاب السیر۔

حد کا مستحق ہے۔

چونکہ عورت اور مرد پر اپنی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا حقوق اللہ میں سے ہے اس لیے کسی عورت یا مرد کو اپنی شرمگاہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے استعمال کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں اس لیے رضامندی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ اس کی سزا جب حد مقرر ہو جائے تو کسی کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی حد کو ساقط کرنے کے لیے زنا میں بالجبر اور بالرضا میں تقسیم کر سکتا ہے۔ موجب حد زنا کی جو تعریف کی گئی ہے وہ دونوں کو شامل ہے۔

لما قال العلامة علاء الدين الكاساني رحمه الله: اما الزنا فهو اسم للوطء الحرام في قبل المرأة الحية في حالة الاختيار في دار العدل ممن التزم احكام الاسلام العاري عن حقيقة الملك وعن شبهته وعن حق الملك وعن حقيقة النكاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه في موضع الاشتباه في الملك والنكاح جميعاً۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳ کتاب الحدود)

تاہم یہاں کہیں زانی اور مزنیہ پر ایسی زبردستی کی گئی ہو جس سے انکار کی صورت میں جان کے چلے جانے کا خطرہ ہو تو ایسے اکراہ اور جبر میں زانی مکرہ یا زانیہ مکرہ سے حد ساقط ہو سکتی ہے۔

لما قال العلامة المرغيناني قال ومن اكرهه السلطان حتى زنى فلا حد عليه .... وان اكرهه غير السلطان حد عند ابي حنيفة وقالا لا يحد لان الاكراه عندهما قد يتحقق من غير السلطان۔ (الهداية ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود باب حد الزنا) [1]

---

[1] وقال الامام علي بن ابي بكر المرغيناني: الوطء الموجب للحد هو الزنا، وانه في عرف الشرع واللسان وطء الرجل المرأة في القبل في غير الملك وشبهة الملك لانه فعل محظور والحرمة على الاطلاق عند التعري عن الملك وشبهته يؤيد ذلك قوله عليه السلام ادرؤوا الحدود بالشبهات۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۹۹ کتاب الحدود باب حد الزنا)

ومثله في فتح القدير ج ۵ ص ۳۰ کتاب الحدود باب حد الزنا۔

غربت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کارروائی کا حکم

سوال:۔ فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی غربت اور افلاس کی وجہ سے قاضی یا حاکم خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح فسخ نہیں کرسکتا ہے بلکہ خاوند کو مجبور کرے کہ کسی سے قرض لے کر بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ آجکل چونکہ بہت سی عورتیں شوہروں کی غربت و افلاس کی وجہ سے کئی قسم کے گناہوں کی مرتکب ہوتی جارہی ہیں لہٰذا موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آجکل کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے حالات کے پیشِ نظر ضرورت کے تحت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک اور طریقہ کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کی کتب کے مطالعہ سے اس مسئلہ کا حل کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند اس قدر غریب، دوادار ہو کہ وہ اپنی بیوی کو ضروریاتِ زندگی خوراک اور کپڑے وغیرہ نہیں دے سکتا ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ خاوند کے ساتھ تنگدستی کی حالت میں رہے یا خاوند سے علیحدگی اختیار کرے[1] جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فلما كان من حقها عليه أن يعولها ومن حقه أن يستمتع منها ويكون نقل شيء كل ما يلزم الزوج على المرأة ونفقة المرأة على الزوج احتمل أن لا يكون للرجل أن يمسك المرأة يستمتع بها ويمنعها غيره تستغني به ويمنعها أن تضطرب

---

[1] قال الإمام البيهقي: عن أبي الزناد قال سألت سعيد بن المسيب عن الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته قال يفرق بينهما قال أبو الزناد فقلت سنة؟ قال سعيد سنة قال الشافعي والذي يشبه قول سعيد سنة أن يكون سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (السنن الكبرى ج ۷ ص ۴۶۹ كتاب النفقات باب الرجل لا يجد نفقة امرأته)

فإن امتنع الزوج عن الإنفاق ولم يوجد له مال يباع عليه فرضت بينهما ... حبست التفريق۔ (موسوعة فقه عمر بن الخطاب ص ۷۲۱ نفقة)

فراقه فهي فرقة بلا طلاق لانها ليست شيئا اوقعه الزوج ولا جعل الى احد يقاعه ...... ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب الى امراء الاجناد في رجال غابوا عن نسائهم يامرهم ان يأخذوهم بان ينفقوا او يطلقوا فان طلقوا بعثوا بنفقة ما حبسوا ۔ (كتاب الام للشافعي جزء ۵ صـ ۹۱ باب الرجل لا يجد ما ينفق على امرأته) لـه

وقال الامام احمد بن محمد بن احمد الدردير المالكي: ولها ان ثبت الزوج عسره عند الحاكم التلوم الذي يحصل بالاجتهاد من الحاكم بحسب ما يراه من حال الزوج لعله ان يحصل النفقة في ذلك الزمن والا يثبت عسره عند الحاكم امر الزوج على امره الحاكم بها اي بالنفقة او بالطلاق بلا تلوم بان يقول له اما ان تنفق واما ان تطلق فان طلق او انفق فالامر ظاهر والا طلق عليه بان يقول الحاكم فسخت نكاحه او طلقتك منه او يأمرها به ثم يحكم به ۔

(الشرح الصغير ج ۲ صـ ۷۴۲ باب وجوب النفقة على الغير)

تاہم تفریق کی صورت میں میاں بیوی شرعی عدالت سے رجوع کریں گے اور قاضی یا حاکم وقت عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کرے گا۔ قاضی یا مسلمانوں کی بنائی ہوئی عدالت کے بغیر عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ الامام علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلیؒ: ولا یجوز الفسخ في ذلك الا بحكم حاكم ۔ (الانصاف جزء ۹ صـ ۳۹۱ كتاب النفقات)

لـه وقال الامام ابو الحسن المرداوي الحنبلي رحمه الله: قوله (وان اعسر الزوج بنفقتها او ببعضها او بالكسوة) وكذا ببعضها خيرت بين فسخ النكاح والمقام وتكون النفقة دينا في ذمته يعني نفقة الفقير وغيره اذا لم تمنع نفسها الصحيح من المذهب ان لها الفسخ بذلك مطلقا وعليه جماهير الاصحاب ونقله الجماعة عن الامام احمد رحمه الله قال الزركشي رحمه الله هذا المشهور والمختار للاصحاب ۔

(الانصاف ج ۹ صـ ۳۸۳ كتاب النفقات)

ومثله في مختصر المزني صـ ۲۳۲ باب النفقة ۔

پاسپورٹ اور ویزہ کی شرعی حیثیت

سوال :۔ آجکل بین الاقوامی قانون کے مطابق جب کسی ملک میں کوئی غیر ملکی شخص داخل ہوگا تو وہ لازماً ویزہ اور پاسپورٹ کے ساتھ اجازت طلب کرکے اس ملک میں داخل ہوگا ورنہ وہ مجرم شمار ہوگا، تو اس اجازت کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب :۔ عصر حاضر میں دنیا کی تقسیم جغرافیائی اعتبار سے ہو چکی ہے، ہر ملک کے لیے الگ حدود مقرر ہیں، اب اگر ہر شخص کا بغیر اجازت کے کسی ملک میں داخلہ شروع ہو جائے تو اس سے ممالک کے اندرونی معاملات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک ملک والے دوسرے ملک میں گڑبڑ پیدا کریں گے اور اس طرح فتنہ وفساد کا ایک نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے گا۔

اس لیے ملکی قوانین میں اگر کسی غیر ملکی کے داخلہ کے لیے خاص شرائط رکھی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی کوئی بھی پابندی کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ملک میں کسی غیر مسلم کا داخلہ وہاں کی امیر کی اجازت پر موقوف ہے کیونکہ اس سے یعنی کسی غیر مسلم کا بلا اجازت کسی اسلامی ملک میں داخل ہونے سے وہاں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے۔

شریعت مطہرہ میں ویزہ کی مثال مستامن کا دوسرے ملک میں داخل ہونے کے لئے ایک معین مدت تک امن طلب کرنے کی ہے، جس طرح ویزہ میں ایک معین مدت تک کسی دوسرے ملک میں رہنا پڑتا ہے اسی طرح مستامن کو بھی معین مدت تک دوسرے ملک میں رہنا ہوتا ہے۔

کما قال شیخ الاسلام برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ : واذا دخل المسلم دار الحرب تاجراً فلا یحل لہ ان یتعرض لشیءٍ من اموالہم ولا من دمائہم لانہ ضمن ان لا یتعرض لہم بالاستیمان فالتعرض بعد ذلک یکون غدراً والغدر حرام .... قال واذا دخل الحربی الینا مستامنا لم یمکن ان یقیم فی دارنا سنۃ ویقول لہ الامام ان اقمت تمام السنۃ وضعت علیک الجزیۃ والاصل ان الحربی لا یمکن من اقامۃ دائمۃ فی دارنا الا بالاسترقاق او الجزیۃ لانہ یصیر عیناً لہم وعوناً علینا فیلتحق المضرۃ بالمسلمین ویمکن من الاقامۃ الیسیرۃ لان فی منعہا

قطع السیر والجلب وسد باب التجارۃ فصلنا بینہما بسنۃ۔

(الہدایۃ ج۲ ص۵۵۸ کتاب السیر فصل فی استیمان الکفار)[1]

سی آئی ڈی (جاسوسی) کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل دنیا کے اکثر ممالک کے حکمران طبقہ کا یہ دستور ہے کہ اپنے آپ کو حکومت مخالف سرگرمیوں سے واقف اور باخبر رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم کرتا ہے جسے عرف میں سی۔ آئی۔ ڈی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایسے محکمے یا ادارے کا قیام کیا شرعی نقطہ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ملک کو انتظامی طور پر بہتر انداز میں چلانے کے لیے حکومتیں مختلف قسم کے ادارے بناتی ہیں، اسی طرح اگر حکومت کوئی ایسا ادارہ قائم کرے جو غیر ملکی جاسوسوں یا ملک کے اندر ایسے لوگوں کی خفیہ سرگرمیاں معلوم کرے جو حکومت اور ملک کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہوں تو یہ ایک مستحسن اقدام ہے، حکومت کے قائم کردہ ایسے ادارے ملک کے استحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: واذا استحلف الوالی رجلاً لیعلمہ بکل داعر دخل البلد فہذا علی حال ولایتہ خاصۃ لان المقصود منہ دفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ فلا یفید فائدتہ بعد زوال سلطنتہ۔

(الہدایۃ ج۲ ص۴۹۰ کتاب السیر)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کو ملک کے اندرونی حالات ولات، عمال کی کارکردگی اور باغیوں کے خروج کا جس سرعت سے علم ہوتا تھا شاید دوسرے ممالک میں بہت کم ایسے ہوتا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر علاقے میں اس قسم کے خفیہ حالات فراہم کرنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کئے ہوئے تھے

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ فی شرح ھذہ العبارۃ: قولہ لانہ یصیر عینا لہم
قال الرملی ھذہ العلۃ تؤدی بعصمۃ تمکینہ منہ بلا شرط وضع الجزیۃ۔
(منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج۵ ص۱۰۲ کتاب السیر فصل فی استیمان الکافر)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۵ ص۱۰۲ کتاب السیر فصل فی استیمان الکافر۔

مملکتِ اسلامیہ کے جس حصہ میں بھی خفیہ کام ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً اس کی اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

۱۷ قال الامام الطبری رحمہ اللہ: وکان عمرؓ لا یخفی علیہ شیٔ فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز فیہا۔

(تاریخ الامم والملوک للطبری ج۴ ص۶۷ ذکر خبر عزل خالد بن ولیدؓ)

اسی طرح نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ میسان کے علاقہ کے گورنر تھے انہوں نے اپنی بیوی کو خط میں کچھ نازیبا اشعار لکھے جن میں سے بعض اشعار کا کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا۔ اشعار سنتے ہی فوراً نعمان بن عدیؓ کو خط لکھ کر گورنری سے معزول کر دیا۔

۱۸ قال الامام ابن الاثیر رحمہ اللہ: وکان النعمان اول وارث فی الاسلام وکان ابوہ اول موروث فی قول واستعملہ عمر بن الخطابؓ علی میسان ولم یستعمل من قومہ غیرہ واراد امرأتہ علی الخروج معہ الی میسان فابت فکتب الیہا ابیات۔ شعر ؎

فمن مبلغ الحسناء ان حلیلہا ۔۔۔ بمیسان یسقی فی زجاج وحنتم

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ۔۔۔ تنادمنا بالجوسق المتہدم

فبلغ ذلک عمرؓ فکتب الیہ: اما بعد فقد بلغنی قولک ؎

لعل امیر المؤمنین یسوءہ ۔۔۔ تنادمنا بالجوسق المتہدم

وایم اللہ لقد ساءنی ثم عزلہ۔ (اسد الغابۃ ذکر نعمان بن عدی ج۵ ص۳۹) ۱ہ

۱ہ وقال الامام العلامہ ابن الاثیر رحمہ اللہ: وحذیفۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنافقین لم یعلمہم احد الا حذیفۃ اعلمہ بہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسألہ عمرؓ أفی عمالی احد من المنافقین قال نعم واحد قال من ہو قال لا اذکرہ قال حذیفۃ فعزلہ کأنما دل علیہ وکان عمرؓ اذا مات میت یسأل عن حذیفۃ فان حضر الصلوۃ علیہ صلی علیہ عمرؓ وان لم یحضر حذیفۃ الصلوۃ علیہ لم یحضر عمرؓ۔

(اسد الغابۃ۔ ذکر حذیفۃ بن الیمان ج۱ ص۳۹۱)

مخبری کرنے والے پر ضمان کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص حکومت کی جانب سے سی آئی ڈی کے محکمے میں ملازم ہو جو بطور اپنی طرف سے لوگوں کے احوال اور اسمگلنگ کے احوال کے بارے میں حکومت کو معلومات اور شکایات فراہم کرتا ہو، تو اگر ایسے شخص کی مخبری کی وجہ سے لوگوں کا کوئی نقصان ہو جائے تو کیا اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص حکومت کی طرف سے خفیہ معلومات کی حکومت کو فراہمی پر باقاعدہ مامور ہو اور وہ شخص لوگوں کے احوال وغیرہ کی حکومت کو سی آئی ڈی کرتا ہو تو وہ شرعاً مجرم شمار ہوگا اور جو مال وغیرہ اس کی شکایت کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہو چکا ہو اس کا ضمان اور تاوان اسی شخص پر عائد ہوگا۔

لما قال العلامة السيد محمد أمين بن عمر عابدينؒ: أقول حاصله أنه إذا شكاه بغير حق يضمن ما تلفه الوالي أو أعوانه من نفس أو من مال دون النفس. ...... أفتى به المتأخرون على خلاف القياس زجراً عن السعاية. (فتاوى تنقيح الحامدية ج۲ ص[illegible] كتاب الجنايات)

تاہم اگر کسی نے خوف اور خود کو ضرر پہنچنے کی وجہ سے کسی کی شکایت کی ہو تو پھر شکایت کرنے والے پر ضمان نہیں۔

لما قال الإمام حافظ الدين محمد بن شهاب البزازيؒ: السعي إلى السلطان على ثلاثة: إن كان بحق بأن كان يؤذيه ولا يمكنه دفعه إلا بالرفع، وإن كان يمتنع بالأمر بالمعروف لا يضمن الساعي. (فتاوى بزازية على هامش الهندية ج۶ ص[illegible] كتاب الجنايات الباب السادس في السعاية) ۱ منه

لہ قال العلامة أحمد بن محمد الحموي المصريؒ تحت قول الأشباه والنظائر "الإفتاء بتضمين الساعي" وهو قول المتأخرين لغلبة السعاية "قلت" قال قارئ الهداية: إنما إذا كان عادة ذلك الظالم أن من رفع إليه ويقول عنده أن يأخذ منه مالاً، فالساعي يضمن لما في هذه الصورة ما أخذه الظالم، هذا هو المفتى به، أفتى به المتأخرون من علمائنا.

(الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي ج۱ ص[illegible] القاعدة التاسعة عشرة)

ومثله في رد المحتار ج۳ ص[illegible] كتاب القضاء۔

قبائل میں سے ایک گروہ کا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد قرار دینا

سوال:۔ پاکستان کے قبائل میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو پاکستانیوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد کہتے ہیں اور لڑائی میں مرنے والے اپنے ساتھیوں کو شہید اور زندہ رہ جانے والوں کو غازی تصور کرتے ہیں، اور پاکستانیوں سے اخذ شدہ مال کو مال غنیمت کہتے ہیں، اور اس گروہ کا امیر اس مال سے اپنے لیے خمس (۵/۱) لیتا ہے، شرعاً اس گروہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب:۔ مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے مال و جان کو مباح قرار دینا اور ان کے ساتھ قتال کو جہاد کے مترادف قرار دینا یہ باغیوں اور قطاع الطریق کا کام ہے۔ فقہاء کرام نے باغیوں اور قطاع الطریق کی جو تعریفات ذکر کی ہیں وہ اسی قسم کے گروہوں پر حرف بحرف صادق آتی ہیں۔

لما فی الهندیة: اهل البغی کل فرقة لهم منعة یتغلبون ویجتمعون ویقاتلون اهل العدل بتأویل ویقولون الحق معنا ویدعون الولایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۸۳ کتاب السیر الباب العاشر فی البغاة)

شریعت مقدسہ کی رو سے کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا اور اس کی رضامندی کے بغیر لینا دونوں حرام اور ناجائز ہے۔

لقوله علیه السلام: لا یحل دم امرئ مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلث، والنفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینه التارك الجماعة۔ (صحیح بخاری کتاب الدیات ۲/۱۰۱۶۔ صحیح مسلم کتاب القسامة ج۲ ص۵۹۔ سنن النسائی ج۲ ص۱۶۰)

وایضاً قال علیه السلام: لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه۔ (کنز العمال ج۱ ص۳۹۔ فردوس الدیلمی ج۵ ص۱۰۰ رقم ۷۶۳۵)[1]

---

[1] وقال الامام فخر الدین الرازیؒ: (فی تفسیر هذه الآیة) اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا: المحاربون المذکورون فی هذه الآیة هم القوم الذین یجتمعون ولهم منعة ممن ارادهم بسبب انهم یحمی بعضهم بعضاً ویقصدون المسلمین فی ارواحهم ودمائهم۔ (التفسیر الکبیر ج۱۱ ص۲۱۵،۲۱۶ سورة المائدة)

ومثله فی احکام السلطانیة لابی یعلی ص۵۳، ما قتال اهل البغی۔

شریعت بل کا پس منظر

سوال :- جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں شریعت بل کا شور و غوغا پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا — اس بل کی ابتداء، پس منظر اور بالآخر ایوانِ بالا (سینیٹ) سے منظوری کے باوجود اس کے تعطل کا شکار رہنے کی وجوہات کیا ہیں؟

الجواب :- شریعت بل ان اسلامی دفعات کا مجموعہ ہے جس پر علماء کرام نے شب و روز محنت کی۔ علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حکومتی ایوانوں میں یہ بل پیش کیا لیکن بدقسمتی سے نام نہاد جمہوری اداروں سے اس کو پذیرائی حاصل نہ ہوئی اور ۱۳ مئی سنہ ۱۹۹۰ء کو سینٹ سے متفقہ طور پر پاس ہونے کے باوجود ابھی تک یہ بل آئین کا حصہ نہیں بن سکا۔ اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بل تمام قانونی مراحل سے پاس ہو جاتا تو ملک کے پورے نظام میں یکسر تبدیلی آ جاتی۔ معاشی اور اقتصادی اور عدالتی امور میں اس سے انقلاب برپا ہو جاتا لیکن حکومتی ایوانوں پر قابض بے دین طبقہ نے علماء کی آواز کو دبا کر سرد خانہ میں ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حالات جوں کے توں ہی ہیں۔

شریعت بل کا خاکہ یہ تھا :-

دفعہ ۱ :- (الف) یہ قانون نفاذِ شریعت کے نام سے موسوم ہوگا۔

(ب) یہ قانون اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام علاقوں اور تمام باشندوں پر نافذ ہوگا، البتہ غیر مسلم باشندوں کے شخصی معاملات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دفعہ ۲ :- شریعت کی قانونی تعریف !

(الف) شریعت سے مراد دین کا وہ خاص طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

(ب) شرعی قوانین کا اصل ماخذ قرآن کریم اور سنتِ رسول ہے۔

(ج) اجماعِ امت کو قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے، اس لیے جو قانون اجماعِ امت سے ثابت اور ماخوذ ہو وہ بھی شریعت کا قانون ہے۔

(د) جو احکام امت کے معتمد اور مستند مجتہدین نے قرآن و سنت اور اجماع کے قواعد و ضوابطِ معینہ کے مطابق مستنبط کرکے مدوّن کرائے ہیں وہ بھی شریعت ہی کے قوانین

جیسا کہ قیاس اور اجتہاد کو بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو، قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے۔

دفعہ ۳: شریعت کی بالادستی۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔ اگر ایسا کوئی قانون یا قرارداد منظور کر لی گئی تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا اور چیلنج کرنے کے فوراً بعد عدالت کے آخری فیصلہ تک اس پر عمل درآمد ملتوی ہو جائے گا۔

دفعہ ۴: ملک کی تمام عدالتوں میں ہر قسم کے مقدمات بشمول مالی وغیرہ کے شریعت کے مطابق نہ کیے گئے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔

دفعہ ۵: وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا کسی استثناء ہر قسم کے مقدمات پر حاوی ہوگا اور جمہوری دستوری حکم ۱۹۸۵ء کی دستوری ترامیم کے ذریعہ لگائی گئی پابندیاں فوراً ختم کر دی جائیں گی۔

دفعہ ۶: انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۷: حکومت کے تمام عمال بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم پر شرعی عدالت کا فیصلہ ملک کے تمام دوسرے باشندوں کی طرح یکساں طور پر نافذ ہوگا اور کوئی بھی ملک کا باشندہ اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا۔

دفعہ ۸: مسلمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کیے جائیں گے۔

دفعہ ۹: غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم اور اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنی مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

دفعہ ۱۰: تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت تقرر کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱: علومِ شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علومِ شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہرین تیار ہو سکیں۔

دفعہ ۱۲: قرآن اور سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو صحابہ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے کے تمام عام اصولِ تفسیر اور علمِ حدیث کے مسلّم قواعد و ضوابط کے مطابق ہو۔

دفعہ ۱۳: انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لیے فرائضِ شریعت کی پابندی اور محرماتِ شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

دفعہ ۱۴: تمام ذرائع ابلاغ کو خلافِ شریعت پروگراموں، فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵: حرام طریقوں اور خلافِ شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہوگی۔

دفعہ ۱۶: شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگانِ ملک کو دیئے ہیں اُن کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا، اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

(شریعت بل کا معرکہ ص [illegible]، ص [illegible])

اسلام اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ

سوال: دُنیا کے اکثر ممالک میں جمہوری نظام رائج اور نافذ العمل ہے، کیا اسلام میں ایسی جمہوریت کی بقاء کے لیے کوئی جگہ ہے یا اسلام اور جمہوریت دونوں الگ الگ نظام ہیں؟

الجواب: اسلام ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے مستقل تشخص کا مالک ہے، اس کا تعلق جمہوریت یا سوشلزم سے جوڑنا اسلامی نظامِ حیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں، عوام جس طرح چاہیں ملک کے قانون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ملک کے کسی بھی رائج الوقت قانون کو محض اکثریت کے بل بوتے پر ختم کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو بے دینی، فحاشی اور خلافِ انسانیت قانون کو راتوں رات پاس کر کے

ملک پر نافذ کر سکتے ہیں۔ ایسے نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہی ہوتے ہیں جبکہ عوام کے نمائندے وزیر اعظم کو ملک کی قسمت سے کھیلنے کے لیے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے فرسودہ نظام میں صرف افراد گنے جاتے ہیں، باطنی معانی اور علم و دانش کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ معاشرہ کی قابل فخر شخصیت اور ادنیٰ فرد کی رائے ایک شمار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی جمہوریت کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت بظاہر اپنے آپ کو عوام کا ترجمان شمار کرتی ہے لیکن عوام کے حقوق سب سے زیادہ اسی کے ذریعہ پامال ہوتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی معاشرہ کے حوالے سے یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جمہوری نظام ہی میں قوم نے تباہی و بربادی اور ہلاکت کے کون سے مواقع نہیں دیکھے۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور خلیفہ صرف تنفیذ احکام الٰہیہ کے لیے نیابت کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: (۱) إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ۔ (سورۃ الانعام آیت ۵۷، سورۃ یوسف آیت ۴۰، ۶۷)
(۲) إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۳۰)۔ (۳) أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ
(سورۃ الاعراف آیت ۵۴)

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں طریقۂ انتخاب بھی اسلام کے طریقۂ انتخاب سے مختلف ہوتا ہے جس میں شوریٰ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کرے، شوریٰ کی تمام سرگرمیاں دین کے ماتحت رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب تک خلیفہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا تابع ہو تو اس کی خلاف ورزی ناجائز بلکہ بغاوت تصور ہوگی۔

قال الامام قاضی ابو یعلیٰؒ: وھم الذین یخرجون علی الامام و یخالفون الجماعۃ وینفردون بمذھب ابتدعوہ۔ (الاحکام السلطانیۃ ص ۵۴ قتال اہل البغی)

بہرحال اسلام ایک مستقل نظام حیات ہے جو مروجہ مغربی جمہوریت سے جدا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جمہوریت بعض امور میں اسلام کی خوشہ چین ہے، جیسے کہ مروجہ نظام کے مقابلے میں اسلام میں شورائی اور استخلاف کا نظام موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔
(سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹)

سیاست اسلامیہ کے نامور امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی الماوردیؒ نے

خلافتِ اسلامیہ کے انعقاد اور خلیفہ مقرر کرنے کا تفصیلی تذکرہ یوں کیا ہے:

فصل: والامامة تنعقد من وجہین احدھما باختیار اھل العقد والحل والثانی بعہد الامام من قبل: فاما انعقادھا باختیار اھل الحل والعقد فقد اختلف العلماء فی عدد من تنعقد بہ الامامة منھم علی مذاھب شتی فقالت طائفة لا تنعقد الا بجمھور اھل الحل والعقد من کل بلد لیکون الرضاء بہ عاما والتسلیم لامامتہ اجماعا وھو مذھب مدفوع ببیعة ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الخلافة باختیار من حضرھا ولم ینتظر ببیعتہ قدوم غائب عنھا۔ وقالت طائفة اخری اقل من تنعقد بہ منھم الامامة خمسة یجتمعون علی عقدھا او یعقدھا احدھم برضاء الاربعة استدلالا بامرین احدھما ان بیعة ابی بکر رضی اللہ عنہ انعقدت بخمسة اجتمعوا علیھا ثم تابعھم الناس فیھا وھم عمر بن الخطاب وابو عبیدة ابن الجراح واُسید بن حضیر وبشر بن سعد وسالم مولی ابی حذیفة رضی اللہ عنھم۔ والثانی ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوری فی ستة...... وقالت طائفة اخری تنعقد بواحد لان العباس قال لعلی رضوان اللہ علیھما امدد یدک ابایعک فیقول الناس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع ابن عمہ فلا یختلف علیک اثنان ولانہ حکم وحکم واحد نافذ۔ (الاحکام السلطانیة للماوردی الباب الاول فی عقد الامامة)[1]

سوشلزم اور اسلام کا موازنہ

سوال:- سوشلزم و اشتراکیت کیا چیز ہے اور کیا اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- سوشلزم یا اشتراکیت یہ ایک کافرانہ نظام ہے اور اس کی تاریخ کا آغاز اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوا، سب سے پہلے ہیگل نامی ایک شخص نے اس نظریہ کو ایک علمی نظریہ کی شکل میں پیش کیا اور اسے اقتصادی امور میں کامیابی کی بنیاد قرار دیا، بعد میں اسے اقتصادی زندگی میں جھگڑے کا فرقی اصول بنانے اور عملی پروگرام میں ڈھالنے والا شخص "کارل مارکس" ہے، اور یہی نظریہ آجکل "کمیونزم" کی شکل میں روس پر حاوی ہے۔

---

[1] دیکھئے فی الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۲۷۲ سورۃ البقرۃ۔

اسی نظریئے کے بارے میں برصغیر کے مشہور مسلمان عالم، اقتباسات حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

"کارل مارکس اور دوسرے اشتراکی راہنماؤں نے جس فلسفہ پر مارکسزم کی بنیاد قائم کی ہے اس میں خدا سے انکار اور الہیات کی نفی صف اوّل میں درج پاتے ہیں۔۔۔ لہٰذا اس کے فلسفہ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد مولانا سیوہاروی رحمہ اللہ اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلامی اقتصادی نظام کے اصول یہ ہیں :-

(۱) دولت و ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس کی حدود قائم کر دی جائیں۔

(۲) حق معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ بلحاظ معیشت اختلاف مدارج تسلیم کرتے ہوئے احتکار کو روکا جائے۔

جبکہ اشتراکی اقتصادی نظام ان اصول پر قائم ہے :-

(۱) دولت و ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹا دیا جائے۔

(۲) بلحاظ معیشت اختلاف درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوسائٹی میں مساوات تسلیم کی جائے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۴۳/۲۴۴)

سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ

سوال :- سوشلزم کے بارے میں کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں انسانی ضروریات کا تحفظ ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلام میں سوشلزم کے مقابلے میں انسانی ضروریات کا خیال کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اسلام میں محنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یا صرف خیرات و صدقات پر بھروسہ کیا جاتا ہے؟

الجواب :- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کی ضروریات کا حل اکمل طریقہ سے موجود ہے۔ سوشلزم میں تو صرف چند لوگوں کو مفت روٹی کپڑا اور مکان ملتا ہے، باقی سب لوگوں سے مزدوری زیادہ لی جاتی ہے اور معاوضہ تھوڑا دیا جاتا ہے اس لیے کہ پوری رعایا صرف حکومت کے لیے کام کرتی ہے کوئی چیز کسی فرد کی ذاتی

ملکیت نہیں ہوتی ، اس کے بالمقابل اسلام میں ضعفاء فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ، صدقات اور عام رعایا کو بھی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔

خلفاء راشدین کے دورِ خلافت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ملازمین کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے۔

لما قال الامام حافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ: کما فعل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما کثر المال اعطا منھم عامۃ المسلمین فکان لجمیع اصناف المسلمین فرض فی دیوان عمر بن الخطاب غنیھم وفقیرھم .... ومع ھذا فالجواب تقدیم الفقراء علی الاغنیاء الذین لا منفعۃ فیھم فلا یعطی غنی شیئاً حتی یفضل عن الفقراء۔

(مجموعۃ الفتاوی ج ۲۸ ص۵۶۹ السیاسۃ الشرعیۃ)

تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی محنت مزدوری اور کسبِ معیشت کو ترک کرکے صرف حکومتی وظائف ہی کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھے اور یہاں تک کہ دستِ سوال پھیلانے کی نوبت آجائے، جو شخص بدنی اور اعضاء کے اعتبار سے تندرست و توانا اور محنت مزدوری کرنے کی طاقت رکھتا ہے، باوجود صدقات وخیرات کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے اسلامی شریعت ایسے شخص کو کبھی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی رحمہ اللہ محتسب کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وان رأی رجلاً ان یتعرض مسألۃ الناس فی طلب الصدقۃ وعلم انہ غنی اما بمال او عمل انکرہ علیہ وادبہ فیہ وکان المحتسب بانکارہ اخص من عامل الصدقۃ فعل عمر مثل ذلک بقوم من اھل الصدقۃ۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۲۴۸ الباب العشرون فی احکام الحسبۃ)

قرآن کریم اور سنتِ نبوی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کو حلال روزی کمانے اور کسبِ معیشت کی ترغیب دیتی ہیں، مثلاً:۔

قولہ تعالیٰ: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔

(سورۃ الجمعۃ آیت ۱۰)

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔
(کنز العمال ج ۴ صفحہ رقم ۹۲۰۳ الفصل الاول فی فضائل الکسب الحلال)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تنخواہوں کی تفصیل امام ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے:۔

فلما وضع الدیوان فضل بالسابقۃ ففرض لکل من شهد بدرًا من المهاجرین الاولین خمسۃ آلاف درهم فی کل سنۃ منهم علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وطلحۃ بن عبید اللہ والزبیر بن العوام وعبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنهم وفرض لنفسه معهم خمسۃ آلاف درهم والحق به العباس بن عبد المطلب والحسن والحسین رضی اللہ عنهم لمکانهم من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقیل بل فضل العباس وفرض له سبعۃ آلاف درهم وفرض لکل من شهد بدرًا من الانصار اربعۃ آلاف درهم ولم یفضل علی اهل بدر احدًا الا ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فانه فرض لکل واحدۃ منهن عشرۃ آلاف درهم ...الخ
(الاحکام السلطانیۃ للماوردی الباب الثامن عشر فی وضع الدیوان الخ، ص ۲۰۱)

بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آج کل حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے بائیکاٹ اور ہڑتالوں کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کیا شریعت مقدسہ میں اس قسم کی ہڑتالوں کی گنجائش ہے؟

الجواب:۔ عصر حاضر میں احتجاجات اور ہڑتالوں نے مختلف شکلیں اختیار کر رکھی ہیں، بعض ہڑتالیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں لوٹ مار، سنگباری، توڑ پھوڑ اور چلتی گاڑیوں کو آگ لگانے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے جیسے غلط اور ناروا افعال کو اپنایا جاتا ہے جو کسی بھی مہذب قوم کو زیب نہیں دیتا۔

ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ہڑتالیں کرنا اور جلسے جلوس نکالنا شرعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض تعلیمی اداروں میں طلباء ان اداروں کے نظم و نسق کے بارے میں ہڑتالیں کرتے ہیں اور اسباق میں حاضر نہیں ہوتے۔

اس قسم کی ہڑتالوں کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "طلبۂ مدارس کی اسٹرائک منتظمین کے خلاف قواعد شرعیہ

کی رو سے ناجائز ہے۔ اولاً اس لیے کہ سٹرائک کا مقصد منتظمین پر دباؤ ڈال کر ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے۔ اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم، اور محکوم پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔ پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کے حکم کو بدلنا ہے لہٰذا سٹرائک جائز نہیں ہو سکتی۔

(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۴۲ کتاب العقائد والکلام)

تاہم اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پُرامن ہوں، اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لیے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کیا تھا۔

لقوله تعالى: وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ (سورة يوسف آيت ۵۰)

وقال الامام القرطبيؒ: في تفسير هذه الآية "فلما جاءه الرسول" اي بامره بالخروج قال ارجع الى ربك فاسئله ما بال النسوة، اي حال النسوة التي قطعن ايديهن فابى ان يخرج الا ان تصح براءته عند الملك مما قذف به وانه حبس بلا جرم. (الجامع لاحكام القرآن ج ۹ ص ۱۳۵ سورة يوسف)[1]

---

[1] قال الامام ابن جرير الطبريؒ: يقول فلما جاءه الرسول وبلغه رسالة الملك "قال ارجع الى ربك" يقول قال يوسف ارجع الى سيدك "فاسئله ما بال النسوة اللاتي قطعن ايديهن" وابى ان يخرج مع الرسول واجابة الملك حتى يعرف صحة امره عندهم مما كانوا قذفوه به من شان النساء فقال للرسول سل الملك ما شان النسوة اللاتي قطعن ايديهن والمرأة التي سجنت بسببها.

(جامع البيان للطبري ج ۱۲ ص ۲۳۲ سورة يوسف)

وقال الامام جلال الدين السيوطيؒ في تفسيره: اخرج ابن المنذر عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله "ما بال النسوة اللاتي قطعن ايديهن" قال: اراد يوسف عليه السلام العذر قبل ان يخرج من السجن. (الدر المنثور في التفسير بالماثور ج ۴ ص ۲۸ سورة يوسف)

بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت

سوال:- اپنے حقوق حاصل کرنے اور مطالبات منوانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ آجکل اکثر ملکوں میں جمہوری حکومتیں ہیں اور عموماً ہڑتال کے ذریعہ حکومتیں عوام کے مطالبات کو تسلیم کرتی ہیں اس لیے جائز مطالبات اور حقوق کے حصول کے لیے بھوک ہڑتال پر امن طریقے سے ہوتی ہے جیسے آجکل ہوتی ہے اگرچہ اس کی وجہ سے جان خطرہ میں پڑ جائے ایسی ہڑتال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ تاہم اگر بھوک ہڑتال ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا بھوک ہڑتال کو اتنا لمبا کر دیا جائے کہ بھوک کی وجہ سے کوئی مر جائے تو ایسی بھوک ہڑتال نہ صرف ناجائز اور ممنوع بلکہ خودکشی کے مترادف ہے۔

لما في الهندية: ولو ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى...... ولا تجوز الرياضة بتقليل الأكل حتى يضعف عن أداء الفرائض فأما تجويع النفس على وجه لا يعجز عن أداء العبادات فهو مباح وفيه رياضة النفس۔

(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۳۶ كتاب الكراهية الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل)

عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم

سوال:- جمہوری حکومت میں اپنے حقوق کیلئے جلوس نکالنا جمہوری عمل کا ایک حصہ ہے تو کیا مردوں کی طرح عورتیں بھی اپنے حقوق کے لیے جلوس نکال سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:- معاشرہ کی بقاء مردوزن کے باہمی اشتراک پر موقوف ہے اس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حقوق رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (سورۃ النساء آیت ۳۲)

(۲) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸)

---

[۱] وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله: فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى لأن فيه إلقاء النفس إلى التهلكة وإنه منهي عنه في محكم التنزيل۔

(رد المحتار ج۵ ص[illegible] كتاب الحظر والإباحة)

وقال الله تعالى: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۵)

اپنے حقوق کے حصول کے لیے لڑنے یا اس کا مطالبہ کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے جس طرح مرد اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم عورت کو اپنے حقوق کے احیاء کے لیے اپنی شخصیت کے تقدس کو پامال کرنا بددیانتی اور خیانت کے مترادف ہے۔ جلوسوں کا جلوس نکالنے سے اگرچہ حقوق کا مطالبہ مقصود ہوتا ہے لیکن موجودہ حالات کی روشنی میں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اس میں عورتوں کا اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے نعرہ بازی کرنا یا اظہار نفرت کے لیے اپنے لیے اعضاء کو ظاہر کرنا لازمی امر ہے جن کا بلا عذر شرعی کھولنا شریعت میں حرام ہے جو کہ عورت کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے عورتوں کا جلسے جلوسوں یا دوسرے احتجاجی طریقوں میں مذکورہ امور کا ارتکاب ناجائز اور حرام ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل الرافلة فی الزینة فی غیر اهلها کمثل ظلمة یوم القیامة لا نور لها۔ (جامع ترمذی ج ا ص ۱۳۹ ابواب الرضاع باب ما جاء فی کراهیة خروج النساء فی الزینة)

تاہم اگر عورتوں کے ایسے جلوس نکالنے سے کسی بے حیائی اور خلاف شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو بلکہ ایسے جلوسوں سے کسی دینی یا دنیوی حقوق کا احیاء مقصود ہو تو ان کے جواز کی گنجائش ہے۔

لما فی الحدیث: عن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تضربوا اماء اللہ فجاء عمرؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذئرن النساء علی ازواجهن فرخص فی ضربهن فاطاف بآل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کثیر یشکون ازواجهن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد طاف بآل محمد نساء کثیر یشکون ازواجهن لیس اولئک بخیارکم۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۱ کتاب النکاح)

عائلی قوانین کی شرعی حیثیت

سوال:۔ فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے اپنے دور حکومت میں جو عائلی قوانین نافذ کیے تھے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایوب خان مرحوم نے جن عائلی قوانین کا آرڈیننس جاری کیا تھا ان کی بعض

دفعات قرآن کریم، اور احادیث سے متضاد ہیں۔

(۱) دفعہ ۴: قابل توجہ ہے جس کی رو سے اگر کسی شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکا یا لڑکی اس کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے اور اس مرنے والے لڑکا یا لڑکی کی اولاد چھوڑی ہو تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ کی رو سے جبکہ بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، جبکہ اس آرڈیننس نے ان کو حقدار دلانے کے لیے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصہ ان کی اولاد کو حصہ دلوایا ہے۔ حالانکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے: "ولا یرث ولد الابن مع الابن" یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتا میراث نہیں لے سکتا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ کتاب الفرائض)

(۲) دفعہ ۶: اس دفعہ میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے پر کڑی پابندی عائد کی گئی ہے اس دفعہ کی رو سے کوئی بھی شخص ثالثی کونسل کی تحریری اجازت کے بغیر دوسری شادی نہ کر سکے گا اور مذکورہ منظوری کے بغیر کسی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے گا۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کا فیصلہ بہت واضح ہے۔ قولہ تعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ (النساء ۳) اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شخص کو بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔

(۳) دفعہ ۷: اس دفعہ میں طلاق اور عدت کے متعلق چند قوانین بیان کئے گئے ہیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ ۱ کے تحت کوئی طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ چیئرمین یونین کونسل کو دیئے گئے نوٹس کی تاریخ سے نوے (۹۰) دن نہ گزر جائیں، چاہے ایک طلاق ہو یا ایک سے زائد، چاہے عورت غیر مدخول بہا ہو یا مدخول بہا۔ حالانکہ کتاب اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جب کسی غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو فوراً شوہر کے نکاح سے نکل کر بغیر عدت گزارے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ قولہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا (الاحزاب ۴۹)

اور جب مدخولہ بیوی عورت کو طلاق دی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق کا یہ اثر ہوگا ظاہر ہو کر اس عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے بصرف اتنا فرق ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے عدت پوری کرے گی۔

قوله تعالیٰ : والمطلقٰت یتربصن بانفسهن ثلٰثة قروء ... وبعولتهن احق بردهن فی ذٰلک ان ارادوا اصلاحا۔ (سورة البقرة آیت ۲۲۸)

(۴) دفعہ ۱۲ : اس دفعہ کا منشا یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح سولہ سال اور لڑکے کا نکاح اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کرنا جرم ہوگا۔ حالانکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر صرف چھ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت آپؓ کی عمر نو سال کی تھی۔

کما فی الحدیث : عن عائشةؓ قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۶) لہ

یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس وقت اس قانون کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اگرچہ اس وقت سے لے کر اب تک قائم ہونے والی ہر حکومت انہی قوانین پر عمل پیرا ہے۔

حضرت حسنؓ کی خلافت خلافت راشدہ میں داخل ہے

سوال : حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا دورِ خلافت خلافتِ راشدہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ورنہ بصورت دیگر چار یار کا نعرہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خلافت میرے بعد تیس[۳۰] سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہوگی۔ فقہاء کرام اور متکلمین علماء نے خلفاء اربعہ (ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ) کا زمانہ خلافت انتیس سال اور چھ ماہ

لہ عن عروة تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشةؓ وهی بنت ست وبنی بها وهی ابنة تسع ومکثت عنده تسعا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۵ باب من بنی بامرأة وهی بنت تسع سنین، کتاب النکاح)

بتایا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم اکثریت نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چھ ماہ کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے خلافت آپ کے سپرد کر دی۔ اس بنا پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافتِ راشدہ میں مشہور ہوا داخل ہے۔ حق چار یار کے نعرہ سے اہل سنت والجماعت کا مقصد دوسروں کا انکار نہیں بلکہ ان چاروں کی حقانیت کا اعلان ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاری رحمه الله: وخلافة النبوة ثلاثون سنة منها خلافة الصديقؓ سنتان وثلاثة اشهر وخلافة عمرؓ عشر سنين ونصف وخلافة عثمانؓ اثنتا عشرة سنة وخلافة علیؓ اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة ابنه ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاويةؓ وهو افضلهم لكنه انما صار اماما حقا لما فوض اليه الحسنؓ بن علیؓ الخلافة فان الحسنؓ بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاويةؓ والقصة مشهورة وفى الكتب مبسوطة مسطورة۔ (شرح الفقه الاكبر ص۱۲۸-۱۲۹) لہ

لہ وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه الله: قال النبی صلی الله عليه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يؤتی الله ملكه من يشاء. وكانت خلافة ابی بكرؓ سنتين و ثلاثة اشهر وخلافة عمرؓ عشر سنين نصفا وخلافة عثمان اثنتی عشرة سنة وخلافة علیؓ اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة الحسنؓ ستة اشهر واول ملوك المسلمين معاويةؓ وهو خير ملوك المسلمين لكنه انما صار اماما حقا لما فوض اليه الحسنؓ بن علیؓ الخلافة فان الحسنؓ بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الى معاويةؓ تطر صدق قول النبیؐ ان ابنی هذا سيد وسيصلح الله به بين فئتين عظيمتين من المسلمين والقصة المشهورة فی موضعها۔ (شرح العقيدة الطحاوية ص۵۴۳ الخلافة والامارة)

ومثله فی شرح العقائد مع حاشيه خيالی ص۱۶۱ الخلافة والامامة۔

علیهم بنت کسری قال لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۷ مطبوعہ کتاب النبی الی کسری وقیصر)

(ترجمہ) ہم سے عثمان بن الہیثم نے بیان کیا کہا ہم سے عوف نے انہوں نے امام حسن بصریؒ سے انہوں نے ابی بکرہؓ سے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنگ جمل کے دن مجھ کو اس بات سے فائدہ دیا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی میں قریب تھا کہ میں جمل والوں کے ساتھ یعنی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑتا ابوبکرہؓ نے کہا وہ بات یہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی (بوران بنت شیرویہ) کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (مملکت کے) امور کا مالک والی کسی عورت کو بنایا ہو۔"

بخاری شریف کے حاشیہ میں حدیث ابوبکرہؓ پر قسطلانی کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

اور اسی طرح محدث شہیر فقیہ جلیل ملا علی قاری رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ تالیف "مرقاۃ شرح مشکوۃ" میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فی شرح السنة لا تصلح المرأة ان تکون اماما ولا قاضیا لانهما محتاجان الی الخروج للقیام بامور المسلمین والمرأة عورة لا تصلح لذلک - ولان المرأة ناقصة والقضاء من کمال الولایات فلا یصلح لها الا الکامل من الرجال۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۷ ص ۲۳ کتاب الامارۃ والقضاء)

شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجوہ سے جائز نہیں ہے۔

(۱) سربراہی قیام بامور المسلمین کے لیے آزادانہ چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

علامہ ابن حجرؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے محدثین مفسرین نے اس حدیث کو عام لیکر اس سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال فرمایا ہے لہذا اس حدیث کو بنت کسریٰ کے ساتھ مخصوص بتانا سوائے خالی دعوے کے اور کچھ نہیں خود راوی حدیث صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرہؓ کے اسلوب کلام

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو مانتے ہیں۔ (کما لا یخفی علی متامل)

(ب) ما رأیت من ناقصات عقل ودین اغلب لذی لب منکن قالت یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ما نقصان العقل والدین قال اما نقصان عقلها فشهادة امرأتین تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمکث اللیالی لا تصلی وتفطر فی رمضان فهذا نقصان الدین رواہ مسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۳۳۶ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل ودین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ ہو۔ اس نے پھر پوچھا کہ حضور ﷺ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیا ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۳۳۵ سورۃ البقرہ)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورت ناقص العقل ہے اور ریاست عامہ منصب کمال ولایت کا ہے لہٰذا اس کے لیے کمال عقل کی ضرورت ہے اور یہ حدیث کی رو سے عورت میں مفقود ہے اس لیے عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ جائز نہیں۔

(۳) شرح عقائد کی مشہور شرح نبراس میں ہے:۔

قد اجمع الامة علی عدم نصبهن حتی فی الامامة الصغری۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص۵۱۲ بحث اشتراط کون الامام من اہل الولایۃ)

(ترجمہ) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ عورت کی ریاست عامہ (امامت کبریٰ) اور ریاست خاصہ (امامت صغریٰ) دونوں جائز نہیں۔

ذیل میں مشہور محدثین وفقہاء اور متکلمین کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے تاکہ مسئلہ کی مزید توضیح ہو جائے۔

(۱) علامہ علاؤالدین حصکفیؒ فرماتے ہیں:۔

ویشترط کونه مسلماً حرا ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص۵۴۸ باب الامامۃ)

(ترجمہ) یعنی ریاست عامہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے لہٰذا عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

(۲) علامہ ابن عابدینؒ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی تفصیل میں لکھتے ہیں:۔

لانهن امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی حالهن علی الستر والیه اشار النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال کیف یفلح قوم تملکهم امرأة۔ (رد المحتار جلد ۱ ص۵۴۸ باب الامامۃ)

(ترجمہ) "کیونکہ عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان پر حجاب اور گھر میں رہنا
لازم ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پا سکے گی جن پر عورت حکومت کر رہی ہو"

(۳) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ "شرح مقاصد" میں لکھتے ہیں: یشترط فی الامام ان یکون مکلفا
مذکرا لان النساء ناقصات عقل ودین ممنوعات عن الخروج الی مشاهد
الحکم ومعارك الحروب۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۲۷۷)

(ترجمہ) "عورت کی سربراہی دو وجہ سے جائز نہیں (۱) عورت عقل اور دین کے لحاظ سے
ناقص ہے۔ (۲) اس کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے"

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور زمانہ تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت "انی وجدت
امرأة تملکهم (الآیت) کے تحت رقمطراز ہیں:۔

"ولیس فی الآیة ما یدل علی جواز ان تکون المرأة ملکة ولا حجة فی عمل قوم کفرة
علی مثل هذا المطلب۔ وفی صحیح البخاری من حدیث ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم لما بلغه ان اهل فارس قد ملکوا علیهم بنت کسری قال لن یفلح قوم
ولوا امرهم امرأة۔" (روح المعانی ص ۱۸۹ ج ۱۰ الجزء ۱۹ ... النمل)

(ترجمہ) "یعنی عورت کی سربراہی جائز نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا
وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا"

(۵) حضرت العلامہ مولانا آزادؒ "الرجال قوامون" کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں عزت دی ہے اور ایسی
عزت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے۔ مرد عورت کی ضروریات معیشت کے قیام کا ذریعہ ہے، اس لیے
سربراہی و کارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر اسی کیلئے ہو گیا ہے" (ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۱۱ سورۃ النساء)

(۶) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی معروف و مقبول تفسیر "معارف القرآن" میں
لکھتے ہیں: "کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ
اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے، تو آپ نے فرمایا:۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔" اس لیے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت وخلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت وسلطنت پر قائم رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔

(معارف القرآن ج ۶ صفحہ ۵۸۶ سورۃ النمل)

(۷) مشہور محدث حضرت مولانا عبدالحق دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں فرماتے ہیں: "ازیں معلوم میشود کہ زن قابل ولایت وامارت نیست۔" (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الامارۃ والقضاء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی جائز نہیں ہے۔

(۸) علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں اس عنوان: "عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی" کے تحت حدیث لن یفلح قوم الخ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت وحکمرانی کا اہل مرد ہی ہو سکتا ہے عورت حکمرانی وسربراہی کے منصب کی اہل نہیں ہے۔" (مظاہر حق ج ۳ ص ۷۲۲ کتاب الامارۃ والقضاء)

(۹) حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی مشہور زمانہ تفسیر مظہری میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی بما فضل اللہ بعضھم علی بعض کے تحت لکھتے ہیں۔

یعنی الرجال علی النساء فی اصل الخلقۃ بکمال العقل وحسن التدبیر وبسطۃ فی العلم والجسم ومزید القوۃ فی الاعمال وعلو الاستعداد ولذلک خصوا بالنبوۃ والامامۃ والولایۃ والقضاء والشہادۃ فی الحدود والقصاص وغیرھا ووجوب الجھاد والجمعۃ والعیدین والاذان والخطبۃ والجماعۃ وزیادۃ السھم فی الارث ومالکیۃ النکاح وتعدد المنکوحات والاستبداد بالطلاق وکمال الصوم والصلوٰۃ من غیر فتور وغیر ذالک وھذا امر وھبی۔

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۹۴ سورۃ النساء)

(ترجمہ) "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو بعض پر یعنی عورتوں پر تخلیقی برتری عطا فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل حسن تدبیر وسعت علم عظمت جسم زیادتی قوت اور

صلاحیت واستعداد کی جتنی تخلیقی طور پر عطا کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات واحکام مرد کے لیے ہیں عورتیں ان احکام و خصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوت، امامت و حکومت، قضا، تعزیرات جرائم کی شہادت، وجوب جہاد، وجوب جمعہ، وجوب عیدین، اذان و خطبہ، نماز باجماعت، میراث میں حصہ کی زیادتی، نکاح کی مالکیت، تعدد ازدواج، اختیار طلاق، پورے رمضان کے روزوں کی اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فرضیت وغیرہ، اور یہ عطاء الٰہی ہے۔

(۱۰) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مشہور اور بے حد مقبول تفسیر "بیان القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اوّل تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شریعت محمدیہ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔"

(بیان القرآن ج ۲ ص ۲۲۸)

(۱۱) تفسیر نسفی میں الامام الجلیل العلامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ رقمطراز ہیں:۔

یعنی انما کانوا مسیطرین علیھن بسبب تفضیل اللہ بعضھم وھم الرجال علی بعض وھم النساء بالعقل والعزم الی قولہ والنبوۃ والخلافۃ والامامۃ۔ (المدارک ج ۱ ص ۲۲۳ سورۃ النساء)

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے جیسے عقل، عزم، حزم، رائے، قوت، جہاد، کمال صلوٰۃ وصوم، نبوت، خلافت، امامت وغیرہ۔"

(۱۲) حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قولہ ولوا امرھم امرأۃ فی شرح السنۃ لا تصلح المرأۃ ان تکون اماما ولا قاضیا لان الامام والقاضی محتاجان الی الخروج للقیام بامر المسلمین والمرأۃ عورۃ لا تصلح لذلک ولان المرأۃ ناقصۃ والقضاء من کمال الولایۃ فلا یصلح لھا الا الکامل من الرجال۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۱۹ کتاب الامارۃ والقضاء)

(ترجمہ) شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاست عامہ دو وجہ سے جائز نہیں، امر اول قیام بامور المسلمین کیلئے آزاد چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔ دوم عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاست عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

جس برطانیہ کے قلمرو میں سورج نہ ڈوبتا تھا آج وہی عظیم برطانیہ دنیا کے ایک چھوٹے سے گوشے میں محصور ہو کر عظیم سے صغیر و حقیر برطانیہ بن گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض اقوام میں بظاہر جو فلاح نظر آتی ہے اس سے حدیث نبوی پر کوئی زد نہیں پڑتا کیونکہ فلاح کلی مشکک ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں۔ تو بظاہر کسی ایک مرتبہ فلاح کے وجود سے تمام مراتب فلاح کا وجود لازم نہیں آتا حتیٰ کہ عدم فلاح متحقق نہ ہونے کی وجہ سے حدیث نبوی کے متاثر ہونے کا خدشہ لازم آجائے۔ اس کے علاوہ حدیث کے استقبالی صیغہ لن یفلح کے پیش نظر یہی ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ اقوام کسی خاص زوال اور ناکامی میں مبتلا بھی ہو جائیں اور یہ تقدیر عدم اتحاد کے جواب وہ ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اس حدیث کو تمام امراء امت سلفاً و خلفاً نے عموم کا درجہ دیتے ہوئے انتہاء کے معنی میں لیا ہے اور دوسرے نصوص کے علاوہ اس حدیث سے بھی عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۲) بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے عورت کی ریاست عامہ اور سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حضرات یا تو مولانا تھانویؒ کے مقصد کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں جو فتویٰ دیا ہے اس کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ وہ دو صورتوں میں جواز کے قائل ہیں۔

۱۔ عورت صرف صوری سربراہ ہو حقیقی نہ ہو بلکہ حقیقتاً صرف مشیرہ ہو اور حاکم و حقیقی سربراہ پارلیمنٹ ہو اور وجہ جواز یہ ہے کہ عورت اہل مشورہ ہے لیکن ہمارے ہاں تو یہ صورت نہیں بلکہ یہاں حقیقی سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کی حیثیت صرف مشیر کی ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حقیقتاً حکمران ہو مگر وہ اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو اور اس صورت میں جواز میں راز یہ ہے کہ علت عدم جواز کا نقصان عقل ہے اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم جواز و عدم فلاح بھی منتفی ہو گیا مگر ہمارے ہاں یہ صورت بھی نہیں بلکہ یہاں وزیر اعظم مستبد بالرائے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کو صرف اپنی رائے کا تابع بناتا ہے۔

اور جب کہ عورت حقیقتاً حکمران اور سربراہ مملکت ہو اور اپنی انفرادی رائے سے کام کرتی ہو تو اس صورت کو حضرت تھانویؒ بھی ناجائز اور داخل حدیث سمجھتے ہیں۔ لہٰذا حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے عورت کی مطلق سربراہی کا جواز نکالنا یقیناً حضرت تھانویؒ کے مقصد کو نہ جاننے یا تجاہل عارفانہ کا نتیجہ ہے۔

(تنبیہ) گزشتہ صفحات میں جو دو صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بھی ہی کے انتخاب کے ساتھ مشروط ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ کی تفصیل مراجعت کے ساتھ اس پر دال ہے۔

(۳) بعض لوگ قرآن پاک میں مذکور ملکہ بلقیس کے قصہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، بس بظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بحالہٖ باقی رہنا معلوم ہوتا ہے اور تاریخ صراحتہً اس کی مؤید ہے اور قاعدہ اصولیہ ہے: اذا قص الله ورسوله علينا امرا من غير نكير عليه فهو حجة لنا، لہٰذا قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ملکہ بلقیس کی حکومت کی صورت ان دو صورتوں میں سے ایک تھی جن کو حضرت تھانویؒ نے جائز قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالیہ ہے: ما كنت قاطعة امرا حتى تشهدون۔ بلقیس نے کہا "میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔"

اور اس قرینہ سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد ملکہ بلقیس کی حکومت کی صورت وہ تیسری صورت تھی جس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تو پھر گزشتہ قاعدہ اصولیہ کی رو سے جواب یہ ہے کہ چونکہ اس صورت پر شریعت مقدسہ میں انکار آیا ہے لہٰذا یہ حجت نہیں بن سکتی۔

(۴) بعض صحافی حضرات نے حدیث لن یفلح قوم ... کے متعلق ضعف کا دعویٰ کیا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور کتاب سنن ترمذی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

حدثنا محمد بن المثنى ثنا خالد بن الحارث ثنا حميد الطويل عن الحسن عن ابي بكرة قال عصمني الله بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم لما هلك كسرى قال من استخلفوا قالوا ابنته فقال النبي صلى الله عليه وسلم لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة قال فلما قدمت عائشة يعني البصرة ذكرت قول رسول الله صلى الله عليه وسلم فعصمني الله به۔

قال الترمذي هذا حديث صحيح (جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۲ ابواب الرؤیا)

(ترجمہ) حضرت ابوبکرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ جمل کے دن مجھ کو اس بات کی وجہ سے بچا لیا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ وہ بات یہ تھی کہ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایران والوں نے کس کو حکمران بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کسریٰ کی بیٹی کو خلیفہ و حکمران بنایا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے

ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔ تو جب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لے آئیں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لن یفلح قوم ولوا یاد آیا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں جمل والوں کے ساتھ شریک نہ ہوا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بعض لوگ جنگ جمل کے واقعات سے ناکام اور ناتمام استدلال کر رہے ہیں۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امامت و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی امامت و خلافت کا مطالبہ کیا بلکہ وہ اور ان کے ساتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

دیکھئے یہ حضرات حضرت عمارؓ کو کیا جواب دے رہے ہیں:-

—— "اگر حضرت علیؓ کے بھی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے اور وہ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر شائد اور مخالفت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی ہم اب تک یہی سمجھتے ہیں کہ ان کو قاتلین عثمانؓ سے ہمدردی ہے" (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۳۹۶)

صحیح بخاری کا حاشیہ بھی ملاحظہ کیجئے:-

قوله ایام الجمل متعلق بقوله نفعنی الله و یوم الجمل وقعة وقعت بالبصرة بین علی و عائشة رضی الله عنهما سنة ست وثلثین وکانت یومئذ علی جمل فسمیت به اصحاب الجمل یعنی عسکرها. تنبیه انکو معاف ولم تکن عائشة ولا امیرها طالبین الامارة والخلافة بل طلبوا دم عثمان من قاتله وکان علی الی قوله کذا فی الفتح۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۷ کتاب النبی الی کسری وقیصر)

(ترجمہ) جنگ جمل ۳۶ھ میں سیدنا حضرت علیؓ اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان لڑی گئی، اس دن ام المؤمنینؓ جمل (اونٹ) پر سوار تھیں اس لیے ان کے لشکر کا نام اصحاب الجمل پڑا، اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی امارت یا خلافت کے طالب نہ تھے، یہ حضرات صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

لہٰذا اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں امامت یا خلافت کی کوئی بات نہیں تھی، البتہ اس واقعہ کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے صورت خلافت و امامت ضرور آئی تھی جو جائز نہیں مگر حقیقت خلافت و امامت بالکلیہ موجود نہ تھی کیونکہ اس موقع پر نہ تو خود

ام المومنینؓ نے امامت کا دعویٰ فرمایا اور نہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو امام و خلیفہ بنایا بلکہ یہ حضرات مشترکہ طور پر حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے سعی و کوشش کر رہے تھے البتہ تحریک و سرپرستی حضرت ام المومنینؓ کی تھی، جیسے ایک گھر میں بچے ماں کی تحریک و سرپرستی میں کام کرتے ہیں۔ اس لیے اس واقعہ سے عورت کی سربراہی اور امامت و خلافت کا جواز پیش کرنا درست نہیں۔ مگر چونکہ اس سے صورتِ امامت نمودار تھی اس لیے حدیث لن یفلح قوم الخ کے راوی حضرت ابو بکرہؓ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث لن یفلح قوم الخ ہی کی رو سے غایت تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ام المومنینؓ کے لشکر میں شمولیت نہ فرمائی۔ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی اس حدیث کی صوری مخالفت اور اس فساد کی وجہ سے جو اس واقعہ جمل میں واقع ہوا اتنی غمگین اور پریشان تھیں اور اکثر یہ فرمایا کرتیں:۔

"کاش میں اس واقعہ کے پیش آنے سے بیس برس پہلے ہی مر جاتی۔"

(۲) بعض لوگ یہ بے بنیاد اور بے سروپا الزام لگاتے ہیں کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے مقابلہ میں جمعیت علماء اسلام کے اکابر علماء نے فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی، اگر عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز ہوتی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدث کبیر حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے علماء فاطمہ جناح کی تائید و حمایت نہ کرتے۔

اس شبہ کا جواب صرف اور صرف یہ ہے، سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

معترضین پر لازم ہے کہ وہ دجل و فریب سے کام نہ لیں اور ماضی قریب کی تاریخ کی ورق گردانی کریں اور ایوبی دور کا سرکاری ریکارڈ ملاحظہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جمعیت علماء اسلام کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے رہے یا حمایت! حقیقت یہ ہے کہ اس موقعہ پر جمعیت علماء اسلام کے اکابر نے ایوب خان اور فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ انور لاہوریؒ کو صدارتی امیدوار نامزد کیا تھا اور جمعیت کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت اس لیے کر رہے تھے کہ عورت کی سربراہی شرعاً جائز نہیں۔

تنبیہ: شریعت مطہرہ نے عورت کو ریاست عامہ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر کے اس پر عین شفقت اور مہربانی فرمائی ہے کیونکہ عورت کے نازک اور ضعیف کندھوں پر ریاست عامہ کا عظیم بوجھ ڈالنا حکمت کا تقاضا ہے نہ عقل و دانش کا۔

امامت کبریٰ (خلافت) کے مستحق کا حکم

سوال :- مملکت اسلامیہ میں ایک شخص متقی پرہیزگار اور عالم دین ہے لیکن انتظامی امور میں تجربہ نہیں رکھتا جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص عالم اور متقی و پرہیزگار تو نہیں ہے لیکن مملکت کے انتظامی امور میں وسیع تجربہ رکھتا ہے، تو شرعاً ان دونوں میں سے کون خلافت کا زیادہ مستحق ہے؟

الجواب :- کتب کلام میں مذکور ہے کہ امام (خلیفہ) کا معصوم ہونا شرط نہیں اسی طرح اس کا اپنے ہمعصروں میں سب سے افضل ہونا بھی شرط نہیں[1]، لہٰذا ایسا شخص جو کہ ماہر مجرب اور مملکت کے انتظامی امور کا تجربہ رکھتا ہو اگرچہ غیر عالم اور غیر متقی ہی کیوں نہ ہو اس کو امام (خلیفہ) بنانا درست ہے، تاہم جو شخص حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہو اس کی امامت (خلافت) ناجائز ہے۔

[1] لما قال العلامة التفتازانی رحمه الله ، ولا یشترط فی الامام ان یکون … ولا ان یکون افضل من اهل زمانه لان المساوی فی الفضیلة بل المفضول الاقل علماً وعملاً ربما کان اعرف بمصالح الامامة ومفاسدها واقدر علی القیام بمواجبها خصوصاً اذا کان المفضول ادفع للشر وابعد عن اثارة الفتنة ۔

(شرح العقائد ص[illegible] الخلافة والامامة)

آئین پاکستان میں گستاخیٔ رسول ایکٹ میں ترمیم کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب! پاکستان آئین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے موت کی سزا تجویز کی گئی ہے جس میں اب ارباب اقتدار ترمیم کرکے اس سزا کو کم یا ختم کرنا چاہتے ہیں، تو کیا شرعاً ارباب اقتدار کو یہ سزا کم یا ختم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کسی گستاخ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کفر میں شک کرے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ کہنا ایک

[1] قال العلامة سلیم رستم باز رحمه الله : یجوز تقلید الفاسق وتنفذ قضایاه اذا لم یجاوز فیها حد الشرع ۔ (شرح المجلة ص۱۱۶۴ للمادة ۱۷۹۴ فصل فی القضایا)

ومثله فی رد المحتار ج۱ ص۵۴۸ باب الامامة۔

ناقابل معافی جرم ہے اس لیے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
مرتد اور واجب القتل ہے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر
(ج ۳ ص ۳۱۷ باب المرتد) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالی دینا بالاجماع کفر ہے۔
اور الدر المختار میں ہے، صح فی آخر الشفاء ان حکمہ کالمرتد۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے گستاخ کا حکم مرتد کا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری کیے جائیں گے۔ (الدر المختار
علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۷ باب المرتد)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال ابو بکر بن المنذر اجمع عوام اهل العلم علی
ان من سب النبی صلی اللہ علیه وسلم یقتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث
واحمد واسحاق وهو مذهب الشافعی وهو مقتضی قول ابی بکر رضی اللہ عنه ولا تقبل
توبته عند هؤلاء وبمثله قال ابو حنیفة واصحابه والثوری واهل الکوفة
والاوزاعی فی المسلم لکنهم قالوا هی ردة وروی مثله الولید بن مسلم عن مالک
وروی الطبری مثله عن ابی حنیفة واصحابه فیمن ینقصه صلی اللہ علیه وسلم
او برئ منه او کذبه اهـ والحاصل انه نقل الاجماع علی کفر الساب ثم نقل عن
مالک ومن ذکر بعده انه لا تقبل توبته فعلم ان المراد من نقل الاجماع علی
قتله قبل التوبة ثم قال وبمثله قال ابو حنیفة واصحابه ای قالوا انه یقتل یعنی
قبل التوبة لا مطلقا الخ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ بالاجماع کافر، مرتد اور
واجب القتل ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ سے
قتل سے بچ جاتا ہے یا نہیں۔ نیز رد المحتار میں ہے: اجمع المسلمون ان شاتمہ
کافر وحکمہ القتل ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔ یعنی گستاخ رسول کافر
ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرتا ہو وہ بھی کافر ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری
میں ہے کہ اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع کفر اور ارتداد ہے (ج ۲ ص ۲۶۳ باب المرتد)

ان حوالہ جات مذکورہ اور عبارت سطور سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول بالاجماع
کافر اور مرتد ہے۔ اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر اور خارج عن الاسلام ہے۔ اور
مرتد کی سزا قتل ہے لہٰذا گستاخ رسول کی سزا بھی قتل ہی ہے۔ حدیث میں ہے۔ من

اگرچہ ۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: لا تصح ردة السکران الا الردة بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یقتل ولا یعفی عنہ ۔ کذا فی البزازیة کل کافر تاب فتوبتہ مقبولة فی الدنیا والآخرة الا جماعة الکافر بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء یعنی رسالت اپنی تعریض اگرچہ حالت سکر میں ہو اور سباب الشیخین کی توبہ قبول نہیں (جلد اول ص ۲۸۱) نیز فتاویٰ البزازیہ علیٰ ہامش الہندیہ میں ہے کہ استخفاف انبیاء کفر ہے ۔ (جلد ۶ ص ۳۳۴) ۔ اور فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ میں ہے اذا عاب الرجل النبی علیہ السلام فی شیء کان کافراً ۔ الیٰ قولہ وذکر فی الاصل ان شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر ۔ (ج ۳ ص ۵۲۴) یعنی استخفاف واہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر وارتداد ہے ۔

سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! آجکل سیاسی جلسے اور جلوسوں میں نعرے بازی ہوتی ہے مثلاً مسلم لیگ زندہ باد، پیپلز پارٹی زندہ باد، پختونستان زندہ باد، جئے سندھ وغیرہ کے نعرے بکثرت لگائے جاتے ہیں تو کیا ایسی نعرہ بازی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ ہر وہ نعرہ جس سے کسی خلاف شرع امر کی تائید وتاکید ہوتی ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور جن نعروں میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں تو ان میں شرعاً کوئی قباحت نہیں تاہم جو نعرے تعصب اور قوم پرستی کی ترغیب دیتے ہوں موجب اجتناب ہیں ۔

لما قال العلامة المفتی کفایت اللہ دہلوی ۔ قومی نعرہ ’’ہندوستان زندہ باد، ہندوستان آزاد ہونا چاہیے‘‘ لگانا جائز ہے

{کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۹۱ کتاب السیاسیات
فصل چہارم، قومی ترانہ اور قومی نعرہ}

مسلمان کی تعریف

مملکت خداداد پاکستان کی قومی اسمبلی میں جب جمہوری آئین بنانے کے لیے
کام ہو رہا تھا تو اپوزیشن کے اندر اور باہر علماء کرام اور دینی جماعتوں کے نمائندوں
نے حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ آئین پاکستان میں جہاں صدر مملکت کے لیے
مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے وہاں مسلمان کی تعریف بھی لازمی
درج ہونی چاہیے۔ لیکن حکمران طبقے نے علماء کرام کے اس مطالبہ کو مسترد
کر دیا جس پر مرزائی، پرویزی اور دیگر لادینی عناصر بہت خوش تھے۔
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب (دامت برکاتہم) نے اس موضوع پر جو قلم اٹھایا
اور "آئین پاکستان میں مسلمان کی تعریف (مسلم) اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے؟"
کے نام سے ایک مضمون ماہنامہ الحق میں شائع کیا۔ مضمون کی اہمیت اور
جامعیت کے پیش نظر فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قومی اسمبلی میں جمہوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتب فکر
نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت
اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم
کی تعریف بھی ہونی چاہیے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی
سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کا ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام
اور ملل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد
تشکیل پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود

کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین اسلام نما گروہوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزب اقتدار نے جس زور و شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز "مرزائیت نوازی" اور الحاد پروری کے اور کچھ بھی نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کی داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرین حدیث پرویزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی تلخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکر خدا و رسول کمیونسٹ جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و وزن بھی ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزب اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے ذہنی اختلافات کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے ان کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے۔[1]

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کہہ رہا

---

[1] قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کا ذکر کرتے ہوئے تعریف مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علمائے کرام نے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنا لیا گیا اور جو ترمیمات کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ "م س"

ہے سبب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے تمام تر ختم نبوت
میں شگافات ڈال لئے، نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور افتراق کا بیج
ڈال لینے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خط امتیاز
کھینچنے پر یہ لوگ چیں بجبیں ہیں جبکہ ان کے پیر و مرشد اعلیٰ جناب قادیانی نے اپنے نہ
ماننے والوں کو قطعی کافر، جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور جس نے ان
کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ اور بات ہے ... کا مصداق بنا ہو، چنے
زمانے والے تمام عالم اسلام سے منقطع اور انہوں نے تعلقات قائم کرنا حرام سمجھا ہے
اور جو لوگ اس تحریم کے قائل ہوں بانی پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحق جنازہ و دعا نہیں سمجھتے ہوں،
جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و
امتیازی خصوصیات اور تنظیمات کا طریقہ بنا چکا ہو (ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ
کی تصانیف رسائل الفضل، آئینہ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر)

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس ملک میں
قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ پڑھنے کو اسلام کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنا
پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج
سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بالخصوص پاکستان کے لئے خطرہ
کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرہ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ
سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہمیں بہت سے درون خانہ اسرار و رموز کا
علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے کامیاب ہونے
کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ وقائع اتفاقاً نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے اپنی منت

معنی حاصل کھینچنے کے لئے آئین میں "مسلم" کی واضح حیثیت ظاہر کرانے پر زور نہ دیا جائے تو آئینی کمیٹی اور پورے ایوان کو بجائے مخالفت کے اس ملک کے مفاد میں اس کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ مرزائیت اور اسلام کے الگ الگ تشخص آج کا مسئلہ نہیں ہمارے دانا و بصیر مفکر علامہ اقبالؒ نے اس وقت بھی ان خطرات کو محسوس کر کے واضح طور پر مسلمان کی تعریف پر زور دیا تھا جب کہ اس کی ہلاکت آفرینی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے لکھا تھا کہ :-

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم کی ختم نبوت پر ایمان ـــــ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔"

(حرف اقبال ص ۱۲۲)

اس دجل و تلبیس اور ملت کو اضطرابی کیفیت اور انتشار و نفاق کے خطرات سے نکالنے کا علاج بھی علامہ اقبالؒ نے ہی بتلا دیا تھا کہ :-

"میرے سامنے قادیانیوں کے لئے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔" (حرف اقبال ص ۱۲۳)

یہ ارشادات بھی اسی سے وابستہ ہیں کہ مرزائیت اسلام کے لئے دام ہمرنگ زمین ہی ہے کہ بانی تحریک

بنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دینے میں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ:۔

"ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئیے۔ بانیٔ تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار، اپنی جماعت کا نیا نام، مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندوؤں کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔" (حرف اقبال ص ۱۳۴)

اس علیحدگی اور مقاطعہ و منافرت کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسن ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر کہیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شر پسندی ہو۔ ان دو طرفہ معاملات کی آخر وہ ملت مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی اہمیت دنیا و دین متاع اولین و آخرین روح کائنات سرور عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ردائے ختم نبوت اور قبائے ختم المرسلینی پر ڈاکہ ڈالا اور ملت مسلمہ کی غیرت ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخدلی سے صلہ دیا جا سکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصار اسلام میں پے در پے نقب لگا لینے کے بعد بھی مرزائیت مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمائیوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ

ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آزردہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبالؒ ہی کے الفاظ پر ختم کرکے دوسری فرصت پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

"میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملت اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ ابھی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے۔ حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار کر رہی ہے۔"

(حرف اقبال ص [illegible]) (جون [illegible])

کتاب
الکراھیۃ
والاباحۃ

"لباس التقویٰ ذٰلک خیر"

باب الاکل والشرب

(کھانے پینے کے آداب واحکام)

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدم کیا جائے؟

سوال: کم عمر اور عمر رسیدہ لوگ اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو پہلے موقع دیا جائے گا؟

الجواب: کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مسنون طریقہ ہے، چونکہ احادیث نبوی میں بچوں اور اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور محبت سے پیش آنے کا حکم آیا ہے، علاوہ ازیں بچے اکثر کھانے پینے کے زیادہ حریص اور مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کھانا کھانے سے قبل پہلے بچوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے، اس کے بعد عمر رسیدہ بزرگوں کو موقع دیا جائے، اور کھانا کھانے کے بعد بزرگوں کا اکرام مدنظر رکھتے ہوئے پہلے انہیں موقع دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری: وفی واقعات الناطفی الادب فی غسل الایدی قبل الطعام ان یبدأ بالشبان ثم بالشیوخ۔

(البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراھیة)[1]

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا

سوال: بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو کیا صرف انگلیاں دھونے سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

---

[1] وفی الہندیة: ویستحب غسل الایدی قبل الطعام ان یبدأ بالشبان ثم بالشیوخ وبعد الطعام علی العکس۔ (الفتاوی الہندیة ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھیة فی الاکل)

ومثلہ فی الخانیة علی ہامش الہندیة ج۳ ص۴۰۰ کتاب الحظر والاباحة۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھویا کرتے تھے، اب اگر کوئی شخص کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھوئے تو بلاشبہ اس سے صفائی تو حاصل ہو جائے گی لیکن سنت ادا نہیں ہوگی، سنت کی ادائیگی کے لیے پورے ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے جبکہ انگلیاں دھونا ہاتھ دھونا نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ: قال نجم الائمۃ البخاری وغیرہ غسل الید الی الرسغ واصابع الیدین لا یکفی لسنۃ غسل الیدین قبل الطعام۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھیۃ فی الاکل) لہ

دسترخوان پر روٹی دیکھ کر سالن کا انتظار کرنا

سوال: اگر دسترخوان پر روٹی حاضر ہو لیکن تا حال سالن نہیں دیا گیا ہو تو روٹی کھانا شروع کیا جائے یا سالن کا انتظار کیا جائے؟

الجواب: روٹی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا اکرام ضروری ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ روٹی حاضر ہونے کی صورت میں سالن کے انتظار میں نہ بیٹھے بلکہ روٹی کے اکرام کے پیش نظر روٹی کھانا شروع کی جائے جب سالن حاضر ہو تو وہ بھی استعمال کر لیا جائے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وینبغی ان لا ینتظر الادام اذا حضر الخبز ویاخذ فی الاکل قبل ان یاتی الادام۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراھیۃ) لہ

لہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیہ برکۃ وفی البرھانیۃ والسنۃ ان یغسل الایدی قبل الطعام وبعدہ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب)

لہ لما قال فی الھندیۃ: ومن اکرام الخبز ان لا ینتظر الادام اذا حضر کذا فی الاختیار فی شرح المختار۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھیۃ فی الاکل)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۶۵ کتاب الکراھیۃ۔

کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے

سوال:۔ آجکل لوگوں میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کا رواج عام ہو چکا ہے خصوصاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بھی کھڑے ہو کر کھانا کھایا جاتا ہے، کیا کھڑے ہو کر کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہمارا موجودہ معاشرہ چونکہ مغرب سے زیادہ متأثر ہے اس لیے مغرب ہی کے عادات و اطوار ہم نے اپنا رکھے ہیں، کھڑے ہو کر کھانا پینا مغربی اقوام کا طریقہ ہے جو کہ سنت اور ادب کے خلاف ہے، تاہم فقہاء نے کھڑے ہو کر کھانے کو مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ذکر کیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن قتادة عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ نہیٰ ان یشرب قائماً قتلنا الأکل فقال ذاک اشر و اخبث۔

(الصحیح المسلم ج ۲ ص ۱۷۳ باب فی الشرب قائماً) [1]

کھانا کھاتے وقت خاموشی کا حکم

سوال:۔ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز ہے یا سکوت کرنا بہتر ہے؟ و مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا افضل ہے یا اس کے خلاف کیا جائے؟

الجواب:۔ کھانا کھاتے وقت خاموش رہنے کو فقہاء کرام نے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی عادت ہے، اس لیے اچھی اور دینی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کھانا کھایا جائے۔ میزبان کے لیے مہمان کی مہمان نوازی اور عزت افزائی ضروری ہے لہٰذا اگر مہمان ساتھ بیٹھ کر کھانے پر خوش ہوتا ہو تو ساتھ کھانا افضل ہے ورنہ مہمان کی ذاتی طور پر خدمت کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

لما فی الهندیة: یکره السکوت حالة الأکل لانه تشبه بالمجوس..... ولا یسکت

---

[1] قال الامام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ: لیس فی ھذہ الاحادیث اشکال ولا فیها بحمد اللہ ضعف بل کلها صحیحة والصواب ان النهی محمول علی التنزیه۔ (شرح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۱۷۳ باب فی الشرب قائماً)
ومثله فی کبیری ص ۳۶ آداب الوضوء۔

علی الطعام ولکن یتکلم بالمعروف وحکایات الصالحین۔ (فتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۴۵ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات) ۔ لے

تکیہ لگا کر کھانا پینا

سوال:۔ بعض لوگ تکیہ لگا کر کھانے پینے کے عادی ہوتے ہیں، آیا تکیہ لگا کر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کھانے پینے کے دوران اگر مسنون طریقہ مدنظر رکھا جائے تو ضرورت بھی پوری ہوگی اور ثواب بھی مل جائے گا۔ جہاں تک تکیہ لگا کر کھانے پینے کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر تکبر کا خدشہ نہ ہو تو تکیہ لگا کر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں تاہم خلاف ادب ہونے کی بناء پر اس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما فی الھندیۃ: لا بأس بالاکل متکئاً اذا لم یکن بالتکبر وفی الظہریۃ مولفتا۔ ۲

(فتاویٰ الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۶ الباب العاشر فی الکراھیۃ فی الاکل) ۲

تین انگلیوں سے کھانا

سوال:۔ بعض لوگ کھانا کھاتے وقت ہاتھ کی پانچوں انگلیاں استعمال کرتے ہیں، تو کیا اس طریقے سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی لہٰذا تین انگلیوں سے کھانا مسنون طریقہ ہے، البتہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں تین انگلیوں سے کھانے میں حرج ہو تکلیف کی وجہ سے یا سالن نرم ہونے کی وجہ سے تو کھانے میں تین سے زائد انگلیاں استعمال کرنا بھی مرخص ہے۔

لے لما فی الھندیۃ: وینبغی ان یخدم الضیف بنفسہ اقتداءً بابراھیم علی نبینا وعلیہ السلام۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۴۵ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات۔ کتاب الکراھیۃ)۔

۲ قال العلامۃ ابن عابدین: لا بأس بالاکل متکئاً او مکشوف الرأس وھو المختار۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۰ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی البیع)

ومثلہٗ فی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۴۰۳ کتاب الحظر والاباحۃ۔

لما ورد فی الحدیث: عن کعب بن مالک عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل بثلاث اصابع ۔ (الصحیح المسلم ج ۲ ص ۱۷۵ باب لعق الاصابع والقصعۃ)[1]

ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مسنون طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! گرمی کے موسم میں پیاس کی شدت کے باعث انسان ایک ہی وقت میں کئی گلاس پانی پی جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینا ہوگا یا ہر گلاس کے بعد ایک مرتبہ سانس لینا کافی ہوگا اور اس سے سنت کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پانی کو تین سانسوں میں پیا جائے صورت مسئولہ میں چونکہ ہر گلاس مستقل پانی پینا ہے اس لیے ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینے سے ہی سنت کی ادائیگی ہوگی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: ہر گلاس کو تین سانس میں پیئو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے پیوے تو وہ مجموعی طور پر کئی بار کا پینا ہوگا اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۱۰۲ کتاب الحظر والاباحۃ۔ کھانے پینے کی حلال و حرام چیزیں)

سود خور کی دعوت قبول کرنا

سوال:۔ ایک شخص گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور سودی لین دین کے علاوہ بعض اوقات دیگر ناجائز ذرائع سے بھی مال حاصل کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کی دعوت میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال الامام النووی رحمہ اللہ: واستحباب الاکل بثلاث اصابع ولا یضم الیہ الرابعۃ والخامسۃ الا لعذر بان یکون مرقا وغیرہ فلا یمکن بثلاث وغیر ذالک من الاعذار۔
(شرح صحیح المسلم للامام النووی ج ۲ ص ۱۷۵ باب لعق الاصابع والقصعۃ)

الجواب: اگر یہ بات واضح اور یقینی ہو کہ اس شخص کا پورا مال حرام اور ناجائز ذرائع سے کمایا گیا ہے تو دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ اگر یہ بات یقینی نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا کچھ مال تو حرام ہے لیکن مال کا اکثر حصہ حلال ہے تو پھر شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کے مال میں کچھ نہ کچھ ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

قال العلامۃ قاضیخانؒ: وان کان غالب المہدی من الحلال لا بأس بان یقبل الہدیۃ ویأکل مالم یتبین انہ حرام لان اموال الناس لا یخلوا عن قلیل حرام فیعتبر الغالب۔
(فتاوی خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۳ ص۴۰۰ کتاب الحظر والاباحۃ)

جس دعوت میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا اہتمام ہو اس میں شرکت کا حکم

سوال: بعض لوگ شادی بیاہ کے موقع پر دعوتِ ولیمہ میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پورا اہتمام کرتے ہیں جس میں احباب و اقارب کو مدعو کیا جاتا ہے، تو کیا ایسی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قبولِ دعوت کو علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے، لیکن آجکل چونکہ لادینیت اور فحاشی کا دور دورہ ہے لہٰذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ وہاں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پروگرام ہوگا تو ایسی دعوت میں نہیں جانا چاہیئے۔ البتہ اگر وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہو تو واپس آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ حکم عوام الناس کے لیے ہے اور جہاں تک خواص کے واپس آجانے کا تعلق ہے تو ان کے واپس آنے میں مصلحت یہ ہے کہ الداعی پر ان کی ناراضگی واضح ہو کر وہ اپنے عملِ بد سے باز آجائیں۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: او لو کان ھناک لعب وغنا قبل ان یحضرہ فلا یحضر

لما فی الہندیۃ: ولا یجوز قبول ہدیۃ امراء الجور لان الغالب فی مالہم الحرمۃ الا اذا علم ان اکثر مالہ حلال بان کان صاحب زرع او تجارۃ فلا بأس بہ لان اموال الناس لا تخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب وکذا اکل طعامہم۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۳۴۲ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات۔ کتاب الکراہیۃ)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۶ ص۳۶۰ النوع الرابع فی الہدایا والضیافات۔

لانه لایلزمه الاجابة اذا کان هناک منکر۔ (البحرالرائق ج ۸ ص۱۸۸ کتاب الکراهیة) له

چونا کھانے کا حکم

سوال: پان، نسوار وغیرہ میں چونا ملایا جاتا ہے اس کے کھانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: چونا بقدر ضرورت پان وغیرہ میں ملا کر کھانا مرخص ہے۔

لما قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: یباح اکل النورة مع الورق الماکول فی دیار الهند لانه قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذکور لا یحصل بدونها۔ (نصاب الاحتساب بحواله مجموعة الفتاوی ج ۲ ص۱۹۹) له

افیون کھانے کا حکم

سوال: افیون کھانا اور ادویات میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: افیون مسکر اشیاء میں سے ہے جس کا بغیر ضرورت شدیدہ کے کھانا حرام ہے تاہم اگر مباح و حلال اشیاء اور ادویات میں کوئی تداوی کے لیے مفید نہ ہو اور مسلمان طبیب نے بطور دوائی کے کھانے کا کہا ہو تو اس صورت میں کھانا مرخص ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل بن مصطفی الطرابلسیؒ: اتفق مشائخنا ومشائخ الشافعی علی تحریم الحشیش وافتوا باحراقه وامروا بتادیب بائعه والتشدید علی آکله فوق التعزیر۔ (الفتاوی الکاملیة ص۲۰۲)

وفی الهندیة: یجوز للعلیل شرب الدم والبول واکل المیتة للتداوی اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاءه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) ۳

له لما فی الهندیة: هذا کله بعد الحضور اما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر لانه لا یلزمه حق الدعوة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص۳۵۹ کتاب الکراهیة۔

ته قال العلامة عبدالحی اللکھنویؒ: نعم وفی نصاب الاحتساب یباح اکل النورة مع الورق الماکول فی دیار الهند لانه قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذکور لا یحصل بدونها وهو الحمرة۔ (نفع المفتی والسائل ص۱۲۹ کتاب الکراهیة)

ته قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله والتتن الذی حدث) وهو محرم فی حرمة البنج والافیون لا للسکر واه۔ (رد المحتار ج ۶ ص۴۵۹ کتاب الاشربة)

ومثله فی نصاب الاحتساب بحواله مجموعة الفتاوی ج ۲ ص۱۹۹ کتاب الکراهیة۔

پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں جانا

سوال :- پیاز، لہسن اور دیگر بدبودار حلال اشیاء کھا کر مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- پیاز، لہسن وغیرہ اشیاء کا کھانا فی ذاتہٖ جائز اور مباح ہے تاہم مساجد اور ایسی مجالس جن میں خلقِ خدا کو ایذاء پہنچنے کا خدشہ ہو کھا کر جانا جائز نہیں ۔

لما قال الشیخ فضل اللہ الشہیر بشبیر احمد العثمانیؒ : تحت قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل من ہذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یاتین المساجد، لیس فی ہذا تخصیص لمسجد فیعمل بعمومہ علی الحاق المجامع بالمساجد کمصلی العید والجنازۃ ومکان الولیمۃ ونحوہا الامکنۃ علی بحثہ کلہا۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۵۱/۱۵۲ باب نہی من اکل ثوماً) ۔ [1]

بھنگ کے استعمال کا حکم

سوال :- بھنگ کا استعمال بطورِ نشہ اور تداوی کے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- بھنگ کا شمار چونکہ مسکر اشیاء میں ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً ممنوع ہے۔ تاہم بوقتِ ضرورت کسی مسلمان طبیب کے مشورے سے بقدرِ ضرورت استعمال میں مرخص ہے بشرطیکہ حلال اشیاء میں معالجے کے لیے کوئی شے نہ ہو۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر علی بن محمد الحدادی الیمنیؒ : ولا یجوز اکل البنج والحشیشۃ والافیون وذلک کلہ حرام۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج۲ ص۲۰۲ کتاب الاشربۃ) [2]

---

[1] روی الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ : عن ابی سعید الخدریؓ قال لم نعد ان فتحت خیبر فوقعنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک البقلۃ الثوم والناس جیاع فاکلنا منہا اکلاً شدیداً ثم رحنا الی المسجد فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الریح فقال من اکل من ہذہ الشجرۃ الخبیثۃ شیئاً فلا یقربنا فی المسجد فقال الناس حرمت حرمت فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایہا الناس انہ لیس بی تحریم ما احل اللہ لی ولکنہا شجرۃ اکرہ ریحہا ۔

(الصحیح لمسلم ج۱ ص۲۰۹ باب نہی من اکل ثوماً الخ)

ومثلہ فی شرح مسلم للنوویؒ ج۱ ص۲۰۹ باب نہی من اکل ثوماً ۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وہو صریح فی حرمۃ البنج والافیون لا للدواء ۔ (ردالمحتار ج۵ ص۳۵۵ کتاب الاشربۃ)

ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۲۰۸ کتاب الاشربۃ ۔

بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا

سوال: کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمان کا مال جان شرعاً معصوم ہے اور بغیر مالک کی اجازت کے لینا جائز نہیں اور نہ اس مال سے بغیر اجازت کے نفع اٹھانا جائز ہے۔

لما رواہ الامام علی بن عمر الدارقطنیؒ: عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع بمنی فسمعته یقول لا یحل لامرء من مال اخیه شیء الا ما طابت به نفسه۔ (سنن دارقطنی ج۳ ص۲۵ کتاب البیوع رقم حدیث ۸۹)[۱]

کافر کے ساتھ کھانے کا حکم

سوال: کیا کسی غیر مسلم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے کو معمول بنانا درست نہیں تاہم کبھی کبھار ایسا کر لینا مرخص ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والاکل والشرب فی اوانی المشرکین مکروہ ولا باس بطعام المجوس الا ذبیحتهم وفی الاکل معهم وعن الحاکم عبد الرحمن لو ابتلی به المسلم مرة او مرتین لا باس به اما الدوام علیه فمکروہ۔

(خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۴۳ کتاب الکراهیة)[۲]

---

[۱] لما ذکرہ الشیخ ولی الدین ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطیبؒ: وعن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لا تظلموا الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منه۔ (مشکوٰة المصابیح ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعارية، الفصل الاول)

ومثله فی نصب الرایة ج۴ ص۱۶۹ کتاب الغصب۔

[۲] وفی الهندية: الاکل مع المجوس ومع غیرہ من اهل الشرک انه هل یحل ام لا عن الحاکم عبد الرحمن الکاتب انه ان ابتلی به المسلم مرة او مرتین فلا باس به واما الدوام علیه فیکرہ۔ (الفتاوی الهندية ج۵ ص۳۴۷ الباب الرابع عشر فی اهل الذمة ... الخ)

خلافِ شریعت دعوت میں شرکت کا حکم

سوال:۔ آجکل شادی بیاہ اور خوشی کی دیگر تقریبات کا انعقاد اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور طور طریقوں کے خلاف کیا جاتا ہے جن میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بے پردگی میں میل جول، ناچ گانا، ہندوؤں اور عیسائیوں کے مختلف طور طریقے قابلِ ذکر ہیں۔ اگر کسی کو ان خلافِ شرع کاموں سے روکا جائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے اس کے بغیر تو خوشی کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ بعض اہلِ علم اور دیندار طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرتے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان خرافات کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ کام ناجائز ہیں تو فلاں عالم یا دیندار شخص نے کیوں شرکت کی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرنا خصوصاً علماء اور دیندار طبقہ کا شرکت کرنا اور کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنا ناجائز ہے، اور جہاں احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور منکرات موجود ہوں وہاں اکل و شرب یعنی کھانا پینا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اس قسم کی تقریبات میں کسی عالم یا دیندار شخص کی شرکت کی بنا پر کوئی خلافِ شرع کام جائز نہیں ہو سکتا۔

قال العلامة علاء الدين الحصكفي رحمه الله: دعي الى وليمة وثمة لعب او غناء قعد وأكل لو المنكر في المنزل فلو على المائدة لا ينبغي ان يقعد بل يخرج معرضاً الى قوله فان قدر على المنع فعل والا صبر ان لم يكن ممن يقتدى به فان كان مقتدى ولم يقدر على المنع خرج ولم يقعد لان فيه شين الدين الخ (الدر المختار ج ۵ ص ۲۲۲ كتاب الحظر والاباحة) ؎[1]

---

[1] وفي الهندية: ومن دعي الى وليمة فوجد ثمة لعبا او غناء ..... ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغي ان يقعد وان لم يكن مقتدى به وهذا كله بعد الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلا يحضر الخ

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۳ كتاب الكراهية الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات)

باب التداوی

(علاج معالجہ کے احکام و مسائل)

انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا حکم

سوال :- دورِ حاضر میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا دور دورہ ہے اکثر لوگ وصیت کرجاتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے کچھ اعضاء مثلاً آنکھیں، گردے وغیرہ نکال کر کسی ضرورتمند کو لگا دیئے جائیں، تو کیا شریعت مقدسہ میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- اپنے اعضاء کو علاجاً استعمال کرنے کیلئے دوسرے انسان کیلئے وصیت کرنا اور ان اعضاء کی پیوندکاری کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ یہ بیماری آجکل کافی عروج پر ہے جس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم متاخرین فقہاء نے حالتِ اضطرارِ شدیدہ کے وقت مرخص قرار دیا ہے۔

لما قال الامام محمد بن احمد السرخسیؒ: لا یجوز الانتفاع به بحال ما والآدمی محترم بعد موته علی ما کان علیه فی حیاته فکما یحرم التداوی بشیء من الآدمی الحی اکراماً له فکذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت۔ (شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۲۸ باب دواء الجراحة) [1]

انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم

سوال :- دورِ حاضر میں اکثر امراض میں انگریزی ادویات استعمال ہوتی ہیں جن میں الکحل بھی استعمال ہوتا ہے، شرعی نکتہ نگاہ سے ان ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- انگریزی ادویات کے بارے میں متأخرین علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظنِ غالب سے ثابت ہو تو بغیر

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانیؒ: ولو سقط سنه یکره ان یاخذ سن المیت فیشده مکان الاولیٰ بالاجماع۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)
ومثله فی الهندیة ج ۵ ص ۳۵۴ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات الخ۔

شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال مرخص ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ: وکرہ شرب دردی الخمر والامتشاط بہ لان فیہ اجزاء الخمر فکان حرامًا نجسًا والانتفاع بمثلہ حرام۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۴۸ کتاب الاشربۃ)[1]

پوسٹ مارٹم کا حکم

سوال: حضرت مفتی صاحب! اگر کوئی قتل ہو جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے تو ہسپتال میں اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جس میں اعضاء کی قطع برید ہوتی ہے تو شریعت مقدسہ میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جس طرح انسان کا احترام اس کی زندگی میں مسلّم ہے اسی طرح موت کے بعد بھی قابلِ احترام ہے، جس طرح زندہ انسان کو ایذا دینا موجبِ جرم و گناہ ہے اسی طرح مردہ انسان کو بھی ایذا دینا موجبِ جرم و گناہ ہے اس لیے فقہاء کرام نے بعد الموت انسانی اعضاء کی قطع برید کو خلافِ شرع قرار دے کر پوسٹ مارٹم کو ایک قبیح و ناجائز عمل کہا ہے۔

لما قال الباجیؒ: یرید ان لہ من الحرمۃ فی حال موتہ مثل ما لہ منہا حال حیاتہ وان کسر عظامہ حال موتہ یحرم کما یحرم کسرہا حال حیاتہ۔ (موطا امام مالک حاشیۃ ص ۲۲۰ ما جاء فی الاختفاء وھو النبش)[2]

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (وکرہ شرب دردی الخمر) ای (والامتشاط) بہ لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مر۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۵۳ کتاب الاشربۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۱۹ کتاب الاشربۃ۔

[2] رواہ الامام ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیًا۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۰۱ باب الحفار یجد العظم ھل یتنکب ذلک المکان)
ومثلہ فی سنن ابن ماجۃ مع حاشیۃ ج ۱ ص ۱۱۶ باب ما جاء فیمن مات مریضًا۔

خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا حکم

سوال:۔ آجکل کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی کی اشاعت بکثرت ہو رہی ہے، شرعی لحاظ سے خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خاندانی منصوبہ بندی کے اہداف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ یہ تمام تر پروگرام رزق کی تنگی کے خوف سے ہو رہا ہے جو خالق کائنات جل مجدہ کی صفت خاصہ یعنی رزاقیت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ اس لیے منصوبہ بندی کے بنیادی نظریہ (رزق کی تنگی کا خوف) کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنا شرعاً حرام ہے، تاہم کسی شرعی عذر کی بناء پر مانع حمل ادویات کا استعمال اور دیگر ذرائع اختیار کرنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: شرب الدواء لأجل اسقاط الحمل قبل ان يصير مصورة يجوز عند الضرورة والكف عن هذا خير اولٰى۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۲۱۶ كتاب النكاح الفصل سادس والعشرون)[له]

انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم

سوال:۔ افزائش نسل کے لیے گائے بھینس وغیرہ کو انجکشن لگوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ حیوانات میں نسب کا لحاظ رکھنا شرعی لحاظ سے ضروری نہیں اس لیے کہ ان جانوروں میں اصل ماں ہے اور بچہ بھی حلت وحرمت میں ماں کا

له لما قال العلامة ابن عابدين: تحت قوله (ويكره) أن تسقى لاسقاط الحمل وجاز لعذر حيث لا يتصور (؟) كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها وليس لابي الصبي ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح ما لم يتخلق ثم لا يستنزل الدم ما دام الحمل مضغة او علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً۔ (رد المحتار ج۵ ص۳۷۹ كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع)
ومثله في الطحطاوي على الدر المختار ج۴ ص۲۰۱ كتاب الحظر والاباحة فصل في البيع۔

تابع ہے بنا بریں جانوروں کو افزائش نسل کے لیے انجکشن لگانا کوئی قبیح عمل نہیں۔

لما قال الامام السید احمد بن محمد الحموی المصریؒ: والمولود بین الاھلی والوحشی یتبع الأم لأن الأصل فی التبعیۃ الأم حتی ان نزی الذئب علی الشاۃ یضحی بالولد۔ (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ج[illegible] ص[illegible]) [1]

بیمار کو خون دینے کا حکم

سوال: بوقت ضرورت کسی بیمار کی جان بچانے کیلئے انسانی خون سے انتفاع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: بوقت ضرورت (حادثہ یا شدید بیماری کی صورت میں) جان بچانے کے لیے انسانی خون سے استفادہ مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ الشیخ محمد کامل بن مصطفیٰ الطرابلسی الحنفیؒ: قال فی التھذیب یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۲۶۲ کتاب الکراھیۃ) [2]

تعویذ کا شرعی حکم

سوال: دفع ضرر و جلب منفعت کے لیے قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ سے تعویذ کر کے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر شرعی الفاظ کے علاوہ آیات قرآنی و ادعیہ ماثورہ سے تعویذ کرنے یا کرانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ یہ ایک مسنون طریقہ ہے اور پہننا بھی جائز ہے۔

لما قال الامام اللغوی ابو الفتح ناصر الدین المطرزیؒ: قال القتیبی وبعضھم یتوھم أن المعاذات ھی التمائم ولیس کذلک انما التمیمۃ الخرزۃ ولا بأس بالمعاذات

---

[1] لما قال الامام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص رحمہ اللہ: ولو نزت حمارۃ وحشیۃ من حمار اھلی أکل ولدھا لأن الولد تابع لأمہ دون أبیہ۔
(احکام القرآن للجصاص ج۳ ص[illegible] سورۃ النحل)

[2] لما فی الھندیۃ: یجوز للعلیل شرب البول والدم وأکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح ما یقوم مقامہ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۸ ص۲۰۳ کتاب الکراھیۃ، فصل فی البیع۔

او کتب فیها شیء من القرآن او اسماء الله تعالیٰ۔ (المغرب فی ترتیب المعرب ج۲ ص۱۰۲)[1]

مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی حاملہ عورت فوت ہوجائے اور طبی نقطۂ نظر سے اس بات کی تصدیق ہوجائے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ابھی زندہ ہے تو کیا اس کا پیٹ چاک کرکے بچہ نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے انتہائی مجبوری کے تحت مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کرکے بچہ نکالنے کو مرخص کہا ہے مگر اس شرط پر کہ بچہ پیٹ میں حرکت کررہا ہو یعنی اس کا زندہ ہونا یقینی ہو، چونکہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کی وجہ سے مذکورہ بالا صورت میں الٹراساؤنڈ کے ذریعے بچے کا زندہ ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے لہٰذا جب الٹراساؤنڈ کے ذریعے معلوم ہوجائے کہ بچہ واقعی زندہ ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ کو نکالنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: حامل ماتت وولدها حی یضطرب شق بطنها ویخرج ولدها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۳۸ باب الجنائز مطلب فی دفن المیت)[2]

شوہر کو راغب کرنے کے لیے تعویذات کا سہارا لینا

سوال:۔ بیوی شوہر کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کسی تعویذ کا سہارا لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصلاحِ بین الزوجین کے لیے عملیات یا دیگر تعویذات کا سہارا لینا شرعاً

---

[1] لما اخرج ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ: عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یعلمهم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات الله التامة من غضبه وشر عباده ومن همزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبدالله بن عمر یعلمهن من عقل من بنیه ومن لم یعقل کتبه فاعلقه علیه۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۸۳ باب کیف الرقی)

ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۳۶۳ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی اللبس۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کرکے بچہ نکال لینا اس وقت جائز ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہوا معلوم ہو ورنہ اگر بچہ بھی مرگیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاوی ج۴ ص۲۰۰ کتاب الحظر والاباحة)

قبیح نہیں بشرطیکہ شوہر کو اپنا غلام بنانا مقصود نہ ہو بلکہ بے اتفاقی سے بچنے کی نیت ہو، تاہم کتب فتاویٰ میں جو عدم جواز کا فتویٰ موجود ہے وہ غیر شرعی تعویذات و تسخیرات وغیرہ یا دیگر بدنیتی پر محمول ہے۔

لما قال العلامة ابوالفتح ناصرالدین المطرزیؒ: بعضهم یتوهم أن المعاذات هی التمائم ولیس کذلك انما التمیمة الخرزة ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالیٰ...... وأما ما کان من القرآن وشیء من الدعوات فلا بأس۔ (المغرب فی ترتیب المعرب ج۱ ص۱۰۲) [1]

تعویذات میں یا بدوح لکھنا

سوال:۔ اکثر عاملین تعویذات میں یا بدوح لکھتے ہیں اس بارے میں بعض علماء سے سنا ہے کہ یا بدوح لکھنا درست نہیں، کیا واقعی ایسا لکھنا ناجائز ہے؟

الجواب:۔ بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تعویذات میں اسماء اللہ لکھنا جائز ہے لہٰذا تعویذات میں یا بدوح لکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة المفتی محمد شفیعؒ: احقر نے اپنے استاذ محترم حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب الکشمیریؒ سے سنا ہے کہ لفظ "بدوح" یا تشدید دال عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ (عزیز الفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ ص۱۳۱) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وبعضهم یتوهم أن المعاذات هی التمائم ولیس کذلك إنما التمیمة الخرزة ولا بأس بالمعاذات إذا کتب فیها القرآن أو أسماء الله تعالیٰ۔ (ردالمحتار ج۵ ص۲۳۲ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی اللبس)

ومثله فی نیل الاوطار ج۵ ص۲۸۷ باب ما جاء فی الاجرة علی التعویذ۔

[2] لما قال العلامة المفتی محمد شفیعؒ: بدوح یہ لفظ عام طور پر بضم بدو تشدید دال مشہور ہے مگر صحیح نہیں بلکہ صحیح لفظ بدوح بفتح با و تخفیف دال ہے تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ (امداد المفتیین المعروف بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۲۲۸ کتاب الحظر)

غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا

سوال: تعویذات میں غیر شرعی الفاظ مثلاً یا فرعون، یا ہامان وغیرہ لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تعویذات میں قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ کے علاوہ غیر شرعی الفاظ مثلاً جن، بھوت یا کسی بڑے کافر کا نام وغیرہ لکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا نرقی فی الجاهلية فقلنا يا رسول الله كيف ترى في ذلك فقال اعرضوا علی رقاکم لا بأس بالرقی ما لم يكن فيه شرك۔ (صحیح مسلم ج۲ ص۲۲۴ باب جواز اخذ الاجرة على الرقية) ؎

بیماری کا علاج کرنا سنت ہے

سوال: بیماری کا علاج کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اگر کوئی بیمار علاج نہ کرنے پر ہلاک ہو جائے تو کیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

لما قال الامام الفقيه ابو الليث السمرقنديؒ: ولو مرض ولم يعالج حتى مات لم يأثم بخلاف ما إذا لم يأكل حتى مات بالجوع يأثم به۔
(فتاوی نوازل ص۳۰ کتاب الکراهية) ؎

؎ وقال العلامة الحصكفيؒ: والتميمة المكروهة ما كان بغير العربية۔ قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله التميمة المكروهة) قول الذي رأيته في المجتبى التميمة المكروهة ما كان بغير القرآن ...
(رد المحتار ج۶ ص۳۶۳ كتاب الحظر والاباحة فصل في اللبس)
ومثله في حاشية جامع الترمذي للشيخ محمد عبد الرحمن المباركفوريؒ ج۲ ص۲۶ باب ما جاء في التعليق)

؎ قال العلامة ابن البزاز الكردريؒ: امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً أثم بخلاف من امتنع عن التداوي حتى مات مريضاً لأن عدم الهلاك بالأكل مقطوع وبالاستشفاء بالمعالجة مظنون۔
(الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج۶ ص۳۶۵ نوع في التداوي كتاب الكراهية)
ومثله في الاختيار لتعليل المختار ج۴ ص۱۷۶ كتاب الكراهية۔

خاندانی منصوبہ بندی کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جائزہ

سوال: مکرمی جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب، سلام مسنون!

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ماہرینِ اقتصادیات و عمرانیات کے پیشِ نظر ایک ہولناک مسئلہ کی صورت میں جلوہ گر ہے، اگر اس مسئلے پر محض اقتصادی یا عمرانی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے تو تحدید النسل ناگزیر معلوم ہوتی ہے تاہم ایک مسلم معاشرے میں کسی تحریک کے آغاز سے پیشتر اس کی شرعی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

میں ایک تحقیقی ادارہ سے وابستہ ہوں اور "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" کے موضوع پر کام کر رہا ہوں، میرے پیشِ نظر کوئی سیاسی مصلحت نہیں، ہر قسم کے دباؤ سے بے نیاز محض دین کی خدمت کے جذبے کے تحت میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ہر وقت علماء کرام کی راہنمائی کی ضرورت ہے، اُمید ہے آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر میری راہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالیں گے۔

الف۔ آپ کے خیال میں "خاندانی منصوبہ بندی" مذہبی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

ب۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج۔ فقہاء کرام نے کن صورتوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کو عزل پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دی ہے؟

د۔ آیا تحریک کی صورت میں ضبطِ تولید کے مختلف طریقوں کی ہمہ گیر اشاعت شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

ھ۔ اگر نہیں تو اس سے کون سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے؟ نیز ان خرابیوں کے تدارک کے لیے آپ کی تجاویز؟

و۔ عزل کے علاوہ ضبطِ تولید کے دیگر جدید طریقوں پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آنجناب کا سوالنامہ ملا، خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہماری رائے جو شرعی نصوص اور فقہاء امت کی آراء پر مبنی ہے حسب ذیل ہے۔

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ہولناک نتائج کی بنا پر تحدید نسل کرنا جبکہ جبراً و

حاکمانہ طور سے ہو یا تحریک کے طور سے ہو مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔ ایک موحد اور
مسلم قوم کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ املاک اور تنگدستی کے خطرہ کی بنا پر مشرکین عرب کی
طرح (خشی) میں مبتلا ہو، نیز حبیب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین جیسے کی
خاتیت الہیٰ، ہمدردی اور شفقت علی الخلق میں کوئی شبہ نہیں ہے انہوں نے عرب جیسے
ریگستان اور بے آب و گیاہ ملک میں تحدید النسل کا حکم یا مشورہ نہ دیا حالانکہ وہاں قحط
کا خطرہ بلکہ اس کا تحقق ہونا ان کو محسوس تھا بلکہ بجائے تحدید کے تکثیر نسل کا مشورہ دیتے
ہوئے فرمایا: تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ تو ایک مسلمان معاشرہ
کے لیے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کی اتباع چھوڑ کر ہر معاملہ میں مغرب کی اندھی تقلید کرے اور تقلید بھی اس
درجہ کی کہ اگر آج ہی مغرب کی طرف سے تکثیر نسل کا اشارہ ہو جائے تو فوراً اس کے
صواب اور حق ہونے پر مُصر ہوں گے۔

الغرض اس مسئلہ کا حل اقتصادی و عمرانی نقطۂ نظر سے تحدید نسل نہیں جو اللہ تعالیٰ
کی شانِ رزاقیت پر اعتماد اور توحید کے خلاف ہے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے اس زمین اور کائنات میں رزق و معاش کے جو بے انتہا اور بے حد و حساب خزانے
ودیعت فرمائے ہیں خدا کی عطا کی ہوئی عقل و ادراک سے کام لے کر رزق بڑھانے اور
زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرنے کے ذرائع اور طریقے اختیار کیے جائیں، بنجر
زمین کو قابل کاشت بنایا جائے، زمینداروں کی زرعی ترقی کے لیے جدید طریقوں سے
راہنمائی کی جائے، زمین کی غیر ضروری پیداوار از قسم تمباکو، افیون وغیرہ کی تحدید یا ان
کا خاتمہ کیا جائے جس پر انسان کی بنیادی ضروریات کا کوئی مدار نہیں۔

اس تمہیدی بحث کے بعد بالترتیب آپ کے سوالوں کے جوابات مختصراً عرض
کیے جاتے ہیں:-

الف۔ حاکمانہ اور جبری طور سے نیز ہمہ گیر اور اجتماعی تحریک کے طور سے ناجائز ہے۔ اور
بلا جبر و اکراہ انفرادی طور سے کسی شدید ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

ب۔ جائز تو ہے مگر خلاف اولیٰ ہے لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے جبکہ یہ امر مفاسد پر مشتمل نہ ہو
جو مباحات مفاسد کا ذریعہ بنیں وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں، اسی طرح مانع

محرکات اور بواعث بھی از روئے شرع مذموم نہ ہوں۔

ج ۔ ضرورت مند اور معذور اشخاص کے لیے عزل جائز ہے اور اہل مغرب کی تقلید کی وجہ سے یا اقتصادی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہے جیسا کہ کثرت سے ہو رہا ہے، اور جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل دے رہے ہیں ان کے نزدیک اس ایک معاشی مسئلہ کا حل ہونا ذہنی غلامی کا ثبوت ہے۔

د ۔ ضرورت مند اور معذور کے لیے انفرادی طور پر بلا جبر و اکراہ جائز ہیں جبکہ مفاسد پر مشتمل نہ ہوں، لیکن مفاسد پر اشتمال یقینی ہے، اس لیے اسے تحریک کی شکل میں چلانا بہرحال ناجائز ہے۔

س ۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت اور صفت تقدیر سے غفلت اور کثرت زنا کی لعنت اس کے اہم مفاسد ہیں جن کا تدارک اگرچہ زبانی طور سے تو ممکن ہے لیکن عملی طور سے ناممکن ہے۔

ص ۔ صاحب عذر اور ضرورت مند کے لیے دوسرے طرق بھی انفرادی طور پر جائز ہیں البتہ جو طریقے مفاسد پر مشتمل ہوں، جیسے نس بندی کی صورت یا مستقل طور پر قوت تولید زوج یا زوجہ کا ختم کرانا جو از قبیل تغییر خلق اللہ ہے اس کا ارتکاب ناجائز ہے اس قسم کے مفاسد پر اشتمال ضروری ہے، لہٰذا ہم اس تحریک کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں۔ اور جو لوگ نصوص کتاب و سنت اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کو کھینچ تان کر اپنی مطلب برآری کے لیے اس تحریک کا جواز ڈھونڈ نکالتے ہیں ان کی تحقیقات کا، جو کہ در اصل تاویل و تحریف ہے، کوئی اعتبار نہیں۔

جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا

سوال:- جند بیدستر جو کہ ایک آبی جانور کے خصیوں کی منجمد خشک شدہ رطوبت ہے اور طبی ماہرین اسے ادویات میں بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جبکہ بعض اوقات اس کا استعمال متبادل دوائی نہ ملنے کی وجہ سے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امداد الفتاوی میں لکھا ہے کہ جند بیدستر پاک نہیں بلکہ ناپاک ہے اگرچہ حرام ہے۔ شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس بارے میں تفصیل درکار ہے؟

الجواب:- دریائی جانور سب پاک ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے، مذبوح ہوں یا غیر مذبوحہ، البتہ ان میں سے سوائے مچھلی کے کسی اور کا کھانا مذہب حنفی میں درست نہیں مگر ادویات میں تمام دریائی حیوانات کا یا ان کے کسی بھی اجزاء کا خارجی استعمال درست ہے الا یہ کہ مینڈک کا مارنا کراہت سے خالی نہیں۔ لورود النهی فیہ۔ ہاں اگر مرا ہوا ہو تو خارجی استعمال میں کوئی حرج نہیں، یہ حکم صرف دریائی مینڈک کا ہے، جند بیدستر کا داخلی استعمال کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو دو وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ جند دریائی جانور ہے، دوسرے اس لیے کہ خصیہ ہے جس کی ممانعت حدیث میں منصوص ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف آخری وجہ سے اور بوجہ پاک ہونے کے خارجاً درست ہے بلکہ عطر میں ڈالنا جائز ہے۔ (اصلی بہشتی زیور حصہ ۹ ص ۱۲ از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

وفي الهندية: (واما حكمها) فطهارة المذبوح وحل اكله من الماكول وطهارة غير الماكول للانتفاع لا بجهة الاكل۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۸۶ كتاب الذبائح الباب الاول) [1]

---

[1] وفي الهندية: الحيوان في الاصل نوعان نوع يعيش في البحر ونوع يعيش في البر اما الذي يعيش في البحر فجميع ما في البحر من الحيوان يحرم اكله الا السمك خاصة فانه يحل اكله الخ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۲۸۹ كتاب الذبائح الباب الثاني في بيان ما يؤكل لحمه من الحيوان وما لا يؤكل)

باب اللباس

(لباس کے احکام و مسائل)

سونے چاندی کی گھڑی پہننا

سوال:۔ سونے، چاندی یا لوہے اور تانبے کی بنی ہوئی گھڑی پہننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گھڑی اگر خالص سونے یا چاندی کی بنی ہوئی ہو تو مردوں کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن اگر اندر سے سونا یا چاندی کی ہو اور باہر سے لوہا وغیرہ کی ہو تو مرد و خواتین کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ لوہے وغیرہ کا استعمال صرف انگوٹھی میں ممنوع ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: (ولا يتحلى) الرجل (بذهب وفضة) مطلقاً ... (ولا يتختم) إلا بالفضة لحصول الاستغناء بها فيحرم (بغيرها كحجر) وذهب وحديد وصفر) ورصاص وغيرها لما مر فإذا ثبت كراهة لبسها للتختم۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۵۹ كتاب الحظر والاباحة، فصل في اللبس) ؎

عورتوں کے لیے سفید کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ خواتین کے لیے رنگین کپڑوں کے علاوہ سفید کپڑے زیب تن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ میں عورتوں کے لیے کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننے کی کوئی پابندی نہیں، تاہم ان کے لیے ایسے لباس سے اجتناب ضروری ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وكره لبس المعصفر والمزعفر والأحمر والأصفر للرجال

؎ وقال العلامة ابوالبركات النسفيؒ: ولا يتحلى الرجل بالذهب والفضة إلا بالخاتم ... وحرم التختم بالحجر والحديد والصفر والذهب۔ (كنز الدقائق ص۲۲۲ كتاب الكراهية فصل في اللبس)
ومثله في الجوهرة النيرة ج۲ ص۲۸۲ كتاب الحظر والاباحة۔

معاً وفيه انه لا يكره وتنتبه ردء كلا بأس بسائر الالوان. (رد المحتار على الدر المختار ج ۵ ص ۲۲۸ كتاب الحظر والاباحة. فصل في اللبس) [1]

خواتین کا باریک لباس پہننا

سوال: در زمانہ حال میں اکثر خواتین اتنا باریک لباس زیب تن کرتی ہیں جس میں ان کے جملہ اعضاء نمایاں نظر آتے ہیں اور بعض اوقات ان پر کسی غیر محرم کی نگاہ بھی پڑ جاتی ہے۔ از روئے شرع ایسے لباس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے اور ایسے ملبوسات کے استعمال سے منع فرمایا ہے جو بے حیائی کا موجب ہوں، لہٰذا خواتین کا ایسا لباس پہننا جس میں جسم کے پوشیدہ اعضاء کی وضاحت ہوتی ہو حرام و ناجائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: اقول مفاده ان رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفاً لا ترى البشرة منه۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۶ كتاب الحظر والاباحة. فصل في النظر واللبس) [2]

مردوں کے لیے تیلہ کے استعمال کا حکم

سوال: خالص تیلہ جو سونے چاندی کا بنا ہو مردوں کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: خالص تیلہ جو سونا چاندی کا بنا ہو اس سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال کرنا مردوں کے لیے ناجائز ہے، تاہم مروجہ تیلہ جو سونا چاندی پر مشتمل نہ ہو کی بنی ہوئی

---

[1] قال العلامة السيد احمد الطحطاويؒ: قوله والمزعفر والمعصفر، يعني المزعفر والمعصفر مكروه وأما الاصفر من غير الزعفران فلا كراهة فيه ولا بأس بسائر الالوان من الابيض والازرق والاخضر. اهـ (طحطاوي حاشية الدر المختار ج ۴ ص ۱۸۰ كتاب الكراهية. فصل في اللباس)

[2] رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاريؒ: عن ام سلمةؓ قالت: استيقظ النبي صلى الله عليه وسلم فقال ..... فربّ كاسية في الدنيا عارية في الآخرة. (الصحيح البخاري ج ۱ ص ۲۲ باب العلم والعظة بالليل) ومثله في تبيين الحقائق ج ۶ ص ۱۲ كتاب الكراهية. فصل في اللبس۔

اشیاء کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: یکرہ أن یلبس الذکور قلنسوۃ من الحریر أو الذھب أو الفضۃ أو الکرباس۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۶۳ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس) لہ

دانت جوڑنے کے لیے سونا چاندی استعمال کرنا

سوال: ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونا، چاندی کا استعمال ہوتا ہے، تو کیا اس طرح سونا، چاندی کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونے کا استعمال ناجائز ہے اس لیے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے، تاہم صرف چاندی کا خول چڑھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما قال الامام المجتھد محمد بن حسن الشیبانیؒ: ولا تشد الاسنان بالذھب وتشد بالفضۃ۔ (الجامع الصغیر ص۳۱۶ کتاب الکراھیۃ) لہ

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم

سوال: مرد و زن کو لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ نیز سونے چاندی کی انگوٹھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: لوہے کی انگوٹھی مرد و زن کو پہننا مکروہ ہے، اور سونے کی انگوٹھی صرف مردوں کیلئے پہننا حرام ہے جبکہ چاندی کی انگوٹھی بمقدار مسنون جائز ہے اور خواتین کے لیے مطلق جائز ہے تاہم محتاج الیہ کے علاوہ مردوں کو انگوٹھی پہننا مستحسن نہیں۔

لما قال الامام عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: ویجوز شد الفص بالذھب والفضۃ

لہ وفی الھندیۃ: یکرہ ان یلبس الذکور قلنسوۃ من الحریر والذھب والفضۃ والکرباس۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۳۲ باب تاسع فی اللبس)
ومثلہ فی الفتاوی السراجیۃ ص۷۵ کتاب الکراھیۃ۔

لہ قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویشد الاسنان بالفضۃ ولا یشدھا بالذھب۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۷۷ کتاب الکراھیۃ، الفصل السابع فی اللبس)
ومثلہ فی الفتاوی الکاملیۃ ص۲۹۹ کتاب الکراھیۃ۔

ولا یجوز للرجال الا الخاتم ..... من الفضة (و قال فی شرح کتابہ) ثم التختم لمن یحتاج الیہ کالسلطان والقاضی ومن فی معناهما ومن لا حاجة لہ الیہ فترکہ افضل ..... و یکرہ التختم بالحدید والصفر للرجال والنساء لانہ حلیة اهل النار وقد نهی عنہ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۴ ص۱۵۹ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس)

عورت کیلئے پازیب پہننے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل بڑے گھرانوں کی خواتین میں پازیب پہننے کا رواج ہے عورت جب پازیب پہن کر راستے میں چلتی ہے تو اس کی چھن چھن کی آواز کانوں میں پڑتی ہے جس کی وجہ سے آوارہ قسم کے لڑکے ایسی عورتوں پہ آوازے کسنے لگتے ہیں جو کہ فساد کا ذریعہ ہے کیا شرعاً عورت کے لیے پازیب کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے عورت کو حجاب (پردہ) کا حکم دیا ہے اور ہر اس عمل سے منع کیا ہے جو بے حیائی کا باعث بنتا ہو، چونکہ عورت کے پازیب پہننے میں ایک قسم کی بے حیائی ہے اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑے بڑے فتنے و فساد پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ پازیب حجاب شرعی کے بھی منافی ہے اس لیے اس کا استعمال ہر چھوٹی بڑی خاتون کے لیے ناجائز و حرام ہے۔

لما قال اللہ تعالٰی: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ۔ (سورة النور آیت ۳۱ پ۱۸)

---

[1] قال الامام ابو البرکات ابو عبد اللہ بن احمد النسفیؒ: ولا یتحلی الرجل بالذهب والفضة الا بالخاتم والمنطقة وحلیة السیف من الفضة والا لغیر السلطان والقاضی ترک التختم بالحجر والحدید والصفر (کنز الدقائق ص۲۳۳، ۲۳۴ کتاب الکراهیة)

* ومثلہ فی الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة۔

[2] وعن بنانة مولاة عبد الرحمٰن بن حیانؓ الانصاری کانت عند عائشةؓ اذ دخلت علیها بجاریة وعلیها جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنها علی الا ان تقطعن جلاجلها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکة بیتاً فیہ جرس۔ (رواہ ابوداؤد) (مشکوٰة ج۲ ص۳۸۴ کتاب اللباس۔ باب النعال)

ومثلہ فی امداد الفتاوی ج۴ ص۱۳۶ کتاب الحظر والاباحة۔

بدن پر تصاویر یا نام لکھوانا جائز نہیں

سوال :- پیشانی یا جسم کے کسی عضو پر تصاویر بنانا یا نام کھدوانے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب :- بدن پر نام گدوانا یا پیشانی پر تصاویر بنانا تخلیق خداوندی میں تغیر کے مترادف ہے جو کہ ناجائز عمل ہے اس لیے بدن پر نام گدوانے یا تصاویر بنانا حرام ہے لیکن اگر ایک دفعہ نام لکھا گیا ہو تو اس کو مٹانے کے لیے چمڑا کاٹنا بھی ضروری نہیں اور اس سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

لما رواه الامام محمد بن اسماعيل البخاريؒ : عن عون بن ابي جحيفة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الدم وثمن الكلب وكسب البغي ولعن آكل الربا وموكله والواشمة والمستوشمة والمصور۔

(صحيح البخاري ج۲ ص۸۸۱ باب من لعن المصور)[1]

بالوں کو سیاہ خضاب لگانا

سوال :- سفید بالوں کو سیاہ خضاب لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- سفید بالوں خصوصاً داڑھی کو سیاہ خضاب لگانے کے متعلق فقہاء کرام کی عام روایات سے ممانعت کا رجحان غالب معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم دشمن پر رعب ڈالنے کی خاطر مجاہدین کے لیے رخصت موجود ہے۔

قال العلامة علي بن سلطان محمد القاريؒ : ذهب اكثر العلماء الى كراهة الخضاب بالسواد وجنح النوويؒ الى انها كراهة تحريم وان من العلماء من رخص فيه في الجهاد ولم يرخص في غيره۔ (مرقاة المفاتيح ج۸ ص۲۲۳)[2]

---

[1] رواه الامام ابوالحسين مسلم بن الحجاج القشيريؒ عن ابن عمرؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة۔ (الصحيح لمسلم ج۲ ص۲۰۵ باب تحريم فعل الواصلة الخ)

ومثله في سنن النسائي ج۲ ص۲۸۵ وصل الشعر بالخرق۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ : (قوله ويكره بالسواد) اي لغير الحرب قال في الذخيرة اما الخضاب بالسواد للغزو ليكون اهيب في عين العدو فهو محمود بالاتفاق۔

(رد المحتار ج۵ ص۲۷۱ كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

ومثله في الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۵۹ الباب العشرون في الزينة والخضاب۔

بچوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ چھوٹے بچوں یعنی لڑکوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنائی جاتی ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع (حرام) قرار دیا ہے البتہ عورتوں کے لیے یہ جائز ہے۔ اس لیے سونے کا استعمال جیسے بالغ مردوں کے لیے ممنوع (حرام) ہے اسی طرح نابالغ بچوں (لڑکوں) کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا بھی ممنوع وحرام ہے اور اس کا وبال والدین یا سرپرست کے ذمہ ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی موسی الاشعریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذهب والحریر للاناث من امتی وحرم علی ذکورها۔

(رواہ مشکوٰۃ عن الترمذی ج۲ ص٣٧٥ کتاب اللباس الفصل الثانی) [1]

پگڑی کے شملے کی مقدار کا تعین

سوال:۔ شریعت مطہرہ میں پگڑی کے شملے کی مقدار کیا ہے اور کہاں چھوڑنا چاہیے، یعنی آگے کی طرف ہو یا پیچھے کی طرف ہو؟

الجواب:۔ عمامہ (پگڑی) باندھنا سنت نبوی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کا شملہ اکثر پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان ہوتا تھا، اور شملہ کی مقدار میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں، بعض کی رائے ایک شبر ہے اور بعض کی رائے نصف الظہر ہے، اور بعض نے موضع الجلوس تک رکھنے کا قول فرمایا ہے۔

کما فی الہندیۃ: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامۃ بین کتفیہ الی وسط الظہر کذا فی الکنز، واختلفوا فی مقدار ما ینبغی ذنب العمامۃ منہم

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمہ اللہ: ومنها الذهب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الذهب والحریر فی التحریم علی الذکور۔
(بدائع الصنائع ج۵ ص١٣٢ کتاب الاستحسان)

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: وکرہ الباس الصبی ذهبا او حریرا فان ما حرم لبسه وشربه حرم الباسه واشرابه۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص٣٦٢ کتاب الکراہیۃ)

من قرن شعر وعتیهم من قرنے فی وسط الظهر وعنبهم من قال الی موضع الجلوس۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۳ الباب التاسع فی اللبس) ے

مسلمانوں کے لیے ٹائی باندھنا جائز نہیں | سوال:۔ بعض جدت پسند مسلمان تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر یا عام معاشرہ میں ٹائی کا استعمال بڑے شوق سے کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان کے لیے ٹائی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹائی کا استعمال مسلمان کے قطعاً شایانِ شان نہیں، علماء کرام فرماتے ہیں کہ ٹائی صلیب کی نشانی ہے اور صلیب چونکہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے، لہٰذا مسلمان کے لیے اس کا استعمال کفار سے مشابہت کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قوم کے لیے غیر مسلموں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی جس قوم کے ساتھ اٹھے گا دنیا میں جس کی مشابہت اختیار کی ہوگی، لہٰذا ٹائی کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (سورۃ هود آیت ۱۱۳ پ۱۲)

دانتوں کے اردگرد چاندی کا خول لگانا | سوال:۔ بعض لوگ اپنے دانتوں کو مضبوط اور خوبصورت بنانے کے لیے

لہ قال العلامة ابن نجيم المصري: ويستحب ارسال ذنب العمامة بين كتفيه إلى وسط الظهر وقيل إلى موضع الجلوس وقيل مقدار شبر۔
(البحر الرائق علی هامش الهندية ج۴ ص۳۲۸ كتاب الكراهية الباب التاسع فی اللبس)
ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۳۵۵ كتاب الكراهية، فصل فی اللبس۔

لہ ما ورد فی الحديث: عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۰۳ كتاب اللباس)
وایضاً: عن عائشة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان لا يترك فی بيته شيئاً فيه تصليب الا قضبه۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۱۶ باب الصليب فی الثوب)

ان کے علاوہ دیگر سونے چاندی کا خول لگاتے ہیں اور وہ خول اس طریقہ پر لگایا جاتا ہے کہ اسے دوبارہ دور نہیں کیا جا سکتا، تو کیا اس طرح چاندی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام میں مردوں کے لیے سونے کا استعمال خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو ممنوع قرار دیا ہے اور جہاں تک چاندی کا تعلق ہے تو شریعت نے مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے، لہذا دانتوں کی مضبوطی کے لیے چاندی کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابی بکر الکاسانیؒ: ومثل سن المتحرک بالذهب لا یجوز..... ولو شدها بالفضة یجوز بالاجماع۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۳۲ کتاب الاستحسان) [1]

داڑھی پر مہندی لگانا

سوال: بعض لوگ سفید داڑھی پر مہندی لگاتے ہیں، تو کیا داڑھی پر مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: سر یا داڑھی کے سفید بالوں پر مہندی یا سرخ خضاب لگانا شرعاً جائز ہے بلکہ فقہاء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔

لما فی الهندیة: وعن الامام ان الخضاب حسن لکن فی الحناء والکتم والوسمة وارادبه اللحیة وشعرالرأس۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۹ الباب التاسع عشر فی الختان والخضاب) [2]

شلوار یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا

سوال: بعض لوگ شلوار یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں البتہ

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ولا یشد الاسنان بالذهب ویجوز بالفضة لا یتخذ منه الذهب ویتخذها من الفضة۔ (البحرالرائق ج۸ ص۱۹۶ کتاب الکراهیة)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۶ الباب التاسع فی اللبس ...الخ

[2] قال العلامة قاضی خانؒ: والخضاب بالحناء والوسمة حسن۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۴۱۲ کتاب الکراهیة)

ومثله ورد فی الحدیث: عن عبد الله بن موهب قال دخلت علی ام سلمةؓ فاخرجت الینا شعراً من شعر النبی صلی الله علیه وسلم مخضوباً۔ (الصحیح للبخاری ج۲ ص۸۷۵ باب ما یذکر فی الشیب)

نماز کے دوران اوپر اٹھا لیتے ہیں، تو کیا شلوار یا پائجامہ کا اٹھانا صرف نماز کے ساتھ خاص ہے یا ہر وقت ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ تکبر چونکہ باری تعالیٰ کا خاصہ ہے لہٰذا بندوں کے لیے تکبر کی چال چلنا اور اس کا استعمال مناسب نہیں، شلوار، پائجامہ، چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا عام طور پر تکبر اور غرور کی نشانی ہوتی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، شلوار اور پائجامہ وغیرہ جس طرح نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور ممنوع ہے ویسا ہی نماز کے باہر بھی حرام اور ممنوع ہے۔

لما ورد في الحديث: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۳۹۵ کتاب اللباس) [1]

ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں ریشمی لنگیاں بطور پگڑی استعمال کی جاتی ہیں، تو مردوں کے لیے ریشمی لنگیاں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور سونا اپنی امت کے مردوں پر حرام فرمایا ہے، لہٰذا ریشم کا استعمال خواہ کپڑوں کی شکل میں ہو یا لنگی کی شکل میں ہو، حرمت میں یکساں ہے۔

لما ورد في الحديث: عن أبي موسى الأشعري أن النبي صلى الله عليه وسلم قال أحل الذهب والحرير للإناث من أمتي وحرم على ذكورها۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۳۷۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی) [2]

---

[1] في الهندية: ينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين إلى نصف الساق وهذا في حق الرجال وأما النساء فيرخين إزارهن أسفل من الكعب ليستر ظهر قدمهن۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۳۳ الباب التاسع في اللبس)
ومثله في الصحيح البخاري ج۲ ص۸۶۱ كتاب اللباس باب من جر إزاره من غير خيلاء۔

[2] قال ابن نجيم المصري: حرم للرجل لا للمرأة لبس الحرير إلا قدر أربع أصابع۔
(البحر الرائق ج۸ ص۱۸۹ كتاب الكراهية، فصل في اللبس)
ومثله في تنوير الأبصار على صدر رد المحتار ج۶ ص۳۵۳ كتاب الكراهية فصل في اللبس۔

سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا

سوال :- آجکل بعض لوگ کھانے پینے کے لیے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جو کہ چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا از روئے شریعت ایک مسلمان کے لیے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تکلف اور تجبر کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہٰذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذیفةؓ قال نهانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیه۔
{الصحیح البخاری ج۲ ص۸۶۸ کتاب اللباس باب افتراش الحریر من غیر لبس}

عورتوں کے لیے لوہے کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں

سوال :- بعض عورتیں سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ لوہے یا دیگر دھاتوں کے زیورات مثلاً انگوٹھی وغیرہ بھی استعمال کرتی ہیں، کیا عورتوں کیلئے لوہے وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اسلام میں خواتین کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال اگرچہ مشروع ہے لیکن اس کے علاوہ لوہے، پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی اور دیگر زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں ؟

قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا یتختم بغیرها کحجر وذهب وحدید وصفر ورصاص وزجاج وغیرها لما مر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۲۳۰ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس)[1]

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: وکره الاکل والشرب والادهان والتطیب فی اناء ذهب وفضة للرجل والنساء (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۵ کتاب الکراهیة) — ومثله فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۳۲ کتاب الاستحسان

[2] لما قال فی الهندیة: والتختم بالحدید والصفر والنحاس مکروه للرجال والنساء فاتقهم۔
لا الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة۔ ومثله فی البحر الرائق ج۸ ص۱۹۱ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس۔

کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا

سوال:- کپڑوں میں اگر عام بٹن کی بجائے سونے کے بٹن استعمال کیے جائیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام میں مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مردوں پر ان دونوں (ریشم اور سونے) کا استعمال حرام قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد اگر حریری (ریشم) یا سونے کے بٹن کپڑوں میں استعمال کرے تو اگرچہ یہ خلاف سنت ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: وفي التاتارخانية عن السير الكبير: لا بأس بأزرار الديباج والذهب. (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۵ كتاب الحظر والاباحة فصل في اللبس)[۱]

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا

سوال:- بعض علاقوں میں مرد حضرات سونے کی انگوٹھی استعمال کرتے ہیں خصوصاً شادی کے موقع پر سسرال والوں کی طرف سے لڑکے کو بطور تحفہ سونے کی انگوٹھی دی جاتی ہے، کیا مردوں کے لیے ایسی انگوٹھی کا استعمال مشروع ہے یا نہیں؟

الجواب:- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کو اپنی امت کے مردوں پر حرام قرار دیا ہے، سونا خواہ انگوٹھی کی شکل میں ہو یا دیگر زیورات کی شکل میں، یہ مردوں کے لیے حرام ہے، لہٰذا اسلام میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال في الهندية: التختم بالذهب حرام في الصحيح. (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر في استعمال الذهب والفضة)[۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا بأس بمسمار الذهب يجعل في حجر الفص أي في ثقبه لأنه تابع كالعلم في الثوب فلا يعد لابسا له. (الهداية ج ۴ ص ۴۵۵ كتاب الكراهية فصل في اللبس)

[۲] قال العلامة ابن نجيم: التختم بالذهب حرام. (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۰ كتاب الكراهية فصل في اللبس)
ومثله في البزازية على هامش الهندية ج ۶ ص ۳۶۸ كتاب الكراهية فصل في اللبس.

چاندی کی انگوٹھی کا بلا ضرورت استعمال مناسب نہیں

سوال: بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی کی اجازت صرف قاضی یا حاکم کے لیے ہے ہر شخص کے لیے اس کی اجازت نہیں، کیا واقعی چاندی کی انگوٹھی صرف حاکم اور قاضی کے لیے مشروع ہے یا ہر شخص اس کو استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب: حاکم اور قاضی کو چونکہ دستاویزات وغیرہ پر مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے زمانے میں یہ مہریں انگوٹھی میں ہوا کرتی تھیں اسلئے وہ ایسی انگوٹھی استعمال کرتے تھے لیکن فقہاء نے فرمایا ہے کہ قاضی اور حاکم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی استعمال کرسکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت استعمال نہ کیا جائے اور استعمال کی صورت میں نیت اور تکبر سے بھی احتراز کیا جائے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان تختم بفضۃ قولان تحصل بہ یکرہ وان تحصل بہ المتختم ونحوہ لا یکرہ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۹ کتاب الکراھیۃ. فصل فی اللبس) [1]

سیٹیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا

سوال: آجکل بعض لوگ سونے چاندی کے علاوہ سٹیل، لوہا اور پیتل وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے ہیں، کیا اس قسم کے زیورات کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: زینت کیلئے عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے ہر قسم کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے جبکہ مردوں کے لیے صرف چاندی کا استعمال مشروع قرار دیا گیا ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کا استعمال مکروہ ہے لہٰذا ایسے زیورات استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

لما قال فی الہندیۃ: والتختم بالحدید والصفر والنحاس مکروہ للرجال والنساء والرصاص۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذہب والفضۃ) [2]

---

[1] لما فی الہندیۃ: یجوز التختم بالفضۃ اذا کان علی ھیئۃ الرجال اما اذا کان علی ھیئۃ النساء یکرہ...... ویکرہ للرجل ما سوی الفضۃ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذہب والفضۃ)

ومثلہ فی البزازیۃ علی ھامش الہندیۃ ج ۶ ص ۳۶۵ الباب الکراھیۃ السابع فی اللبس۔

[2] لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ولا یتختم بغیرھا کحجر وذہب وحدید وصفر ورصاص وزجاج وغیرھا بما مر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۰ کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۲ کتاب الکراھیۃ. فصل فی اللبس۔

عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا

سوال:۔ آجکل بعض خواتین مردوں جیسے بال بنواتی ہیں اور اسے ایک فیشن سمجھا جاتا ہے تو کیا عورتوں کے لیے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے خواتین کا ایسی ہیئت بنانا جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو ناجائز و حرام ہے۔ اسی طرح خواتین کا ایسے بال بنانا بھی حرام اور موجب لعنت ہے جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۳۸۰ کتاب النکاح باب الترجل)[1]

بڑے بڑے ناخن رکھنا

سوال:۔ آجکل بڑے بڑے ناخن رکھنے کا رواج ہے خصوصاً خواتین فیشن کے طور پر بڑے بڑے ناخن رکھتی ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے ناخن وغیرہ کٹوانے کو امور فطرت میں شمار کیا ہے اور اس کے لیے دن بھی مقرر کیے ہیں، یعنی ہفتہ میں ایک بار کٹوانا مستحب اور پندرہ دن کے بعد جائز جبکہ چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے جس کی وجہ سے انسان گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لیے خواتین اور مردوں کے لیے فیشن کے طور پر لمبے ناخن رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ: ویستحب قلم اظافیرہ یوم الجمعۃ وکونہ بعد الصلوٰۃ افضل الا اذا اخرہ الیہ تاخیراً فاحشاً فیکرہ لان من

---

[1] وفی صحیح البخاری: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال
(صحیح البخاری ج۲ ص۸۷۴ کتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال)
ومثلہ فی سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۱۲ کتاب اللباس، باب فی لباس النساء۔

کان ظفرہ طویلاً کان رزقہ ضیقاً۔ الخ۔ (تنویر الابصار مع شرحہ الدر المختار ج ۵ ص۲۴۵ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی النظر والمس) ؎

سوال: کیا مردوں کے لیے غیر ضروری

غیر ضروری بالوں کی صفائی کے لیے بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا

بال اُسترے سے صاف کرنا ضروری ہے یا بال صفا پاؤڈر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُسترے سے صاف کرنا لازمی ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے، اس مقصد کے لیے ایسے کیمیکل یا پاؤڈر استعمال کرنا جن سے بال صاف ہو جائیں اگرچہ مرخص ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، تاہم خواتین کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامۃ عبدالحی لکھنویؒ: ھل یجوز قطع شعر العانۃ بالمقراض والاستنار ھو خلاف السنۃ۔ قال الملا علی القاریؒ فی المرقاۃ: قال ابن الملک لو ازال شعرہ بغیر الحلق لا یکون علی وجہ السنۃ وفیہ ان ازالتہ قد یکون بالنورۃ وقد ثبت انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام استعمل النورۃ علی ما ذکرہ السیوطیؒ فی رسالتہ نعم لو ازالہا بالمقرضۃ لا یکون آتیا بالسنۃ علی وجہ الکمال۔ واللہ اعلم

(نفع المفتی والسائل ص۱۳۳ کتاب الحظر والاباحۃ ما یتعلق بالنوم والقیام ... الخ) ؎۲

؎ وفی الھندیۃ: الافضل ان یقلم اظفارہ ویحفی شاربہ ویحلق عانتہ وینظف بدنہ بالاغتسال فی کل اسبوع مرۃ فان لم یفعل ففی کل خمسۃ عشر یوماً ولا یعذر فی ترکہ وراء الاربعین فالاسبوع ھو الافضل الخ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۷ کتاب الکراھیۃ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)
ومثلہ فی فتاوی قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۴۱۰ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی [illegible]

؎۲ الافضل ان یقلم اظفارہ ویحفی شاربہ ویحلق عانتہ ۔۔۔ وبعد اسطر قال ویبتدی فی حلق العانۃ من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ فی العانۃ یجوز۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۸ کتاب الکراھیۃ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)
ومثلہ فی الدر المختار ورد المحتار ج۵ ص۲۴۵ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع۔

وسمہ استعمال کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب (۱) میں باجوڑ ملاوس فانہ دکند ایجنسی کے شعبہ تعلیمات سے وابستہ ہوں۔ ۱۱ جون ۱۹۹۵ء کو جمعہ کی نماز کے مسائل بیان کرتے ہوئے ایک عالم دین نے خضاب (وسمہ) کی ممانعت قرآنی کے بارہ میں ذکر فرمایا۔ بعد میں ایک آدمی نے اس کی دلیل قطعی اور حوالہ کتاب کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق جلالین شریف کے حاشیہ سے کسی سند کو ثابت کیا (پارہ ۲۰ رکوع ۱۸)۔ مزید قطعی ثبوت کے لیے آنجناب سے رجوع کر رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ آنجناب اس بارے میں شرعی فیصلہ رکھتے ہیں سے آگاہ فرمائیں گے۔

(۲) انگریزی طرز کے بال کٹوانے، داڑھی منڈانے یا کتروانے کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: (۱) علماء محققین کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خضاب کرنا سرخ یا زرد یا اور کسی رنگ کا سوائے سیاہی خالص کے مستحب ہے اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ ہے۔ فتاوی قاضیخان میں ہے۔ الخضاب بالحناء حسن۔ انتہی۔ اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ غیروا هذا الشيب واجتنبوا السواد یعنی تغیر کرو سفیدی کو اور اجتناب کرو سیاہی سے۔ اور سنن ابی داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: یکون فی آخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحة الجنة یعنی آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے مثل رنگ کبوتر کے سینہ کے وہ لوگ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پائیں گے۔ اور معجم الطبرانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: من خضب بالسواد سود اللہ وجهه یوم القیمة انتہی یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا قیامت کے روز وہ روسیاہ محشور ہوگا۔ اور شیخ محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: خضاب حنا بالاتفاق جائز است و خضاب در سواد حرام است۔ انتہی۔ اور مؤطا امام محمد میں ہے: لا نری بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة بأسا وان ترکه ابیض فلا بأس بذلك کل ذلك حسن۔ انتہی۔

(۲) داڑھی کی مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

داڑھی کو اپنی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ حدیث شریف میں ہے: عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عفوا اللحی واحفوا الشوارب (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰) اپنی داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔ —— اس کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت یہ ہے۔ عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحی —— امام ترمذیؒ نے دونوں روایات کو حسن اور صحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے —— احادیث داڑھی کی مقدار کے بارے میں مطلق ہیں اور مطلق بڑھانے (بڑھانے) کا حکم دیا گیا ہے، جس سے داڑھی لمبی کرنے کا مسنون اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا۔ (الحدیث) جس سے معلوم ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طول وعرض سے کٹواتے تھے۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حدیث غریب کہہ کر اس کی سند پر جرح بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے۔ (رواہ ابو داؤد ... ابن ابی شیبہ)

بہرحال ان تمام روایات واقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی داڑھی کٹوانا بھی چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ کو کٹوا سکتا ہے اور مٹھی بھر سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر کوئی حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے بڑھا بھی سکتا ہے۔ دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لمعات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوانے کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کاٹ دے تو جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

امام شعبیؒ اور امام ابن سیرینؒ بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے مٹھی سے زیادہ کا کٹوانا جائز معلوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف بعض سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے۔ جیسے حضرت حسن بصریؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بارہ میں بھی یہی منقول ہے۔ یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تصریح کی ہے: وکان یعفی لحیتہ ولا یاخذ منہا شیئا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک بڑھاتے تھے۔

اور مونچھ مبارک کٹواتے تھے۔ (احیاء العلوم جلد ۱ صفحہ ۲۸۲)

شیخ ابو بکر مالکیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں: ان ترک لحیتہ فلا حرج علیہ۔
(شرح ابی بکر مالکی جلد ۱ صفحہ ۲۱۶)

ملا علی قاریؒ جو احناف کے پیشوا امام اعظمؒ نے ابن ملک کی ایک روایت میں داڑھی کا بڑھا کر کٹانا زیادہ بہتر کہا ہے: قال ابن الملك اما الاخذ من اطراف اللحية من طولها و عرضها لتناسب محسن لكن المختار ان لا يأخذ منها شيئًا وتقع قوية مختلفة۔
(حاشیہ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱)

اسی طرح شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی حاشیہ مذکور میں ہے:
قال عندی اخذ اللحیۃ ما فوق القبضۃ جائز لکن الاولیٰ ترکها۔

خلاصہ یہ کہ ان روایات اور اقوال سے داڑھی کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے۔ اور جن روایات سے مٹھی سے زائد کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ روایات میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیۃ کو اطلاق پر محمول کرکے اس کو بڑھانا ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور مشائخ کا نمونہ ان کے سامنے موجود تھا۔ جس کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ مگر انہوں نے بھی بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من تشبہ بقوم فهو منهم۔ آپ کے اس فرمان کے مطابق انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں غیر مسلم قوم کے ساتھ تشبہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

پی ٹی (P.T) میں نیکر پہننے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بندہ پاکستان ایئر فورس (P.A.F) رسالپور میں ملازم ہے جہاں تمام ملازمین نیکر پہن کر پی ٹی (فوجی مشق) کرتے ہیں جس سے ران وغیرہ ننگے ہوتے ہیں۔ میں نے افسران بالا کو درخواست دی کہ چونکہ نیکر میں پردہ نہیں رہتا اور اسلام کا حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک مخفی ہونا چاہئے اس لیے مجھے پی ٹی (P.T) کے موقع پر پتلون پہننے کی اجازت دی جائے۔ جواب میں مجھے یہ کہا گیا کہ اس کے لیے قرآن مجید یا حدیث شریف سے حوالہ پیش کروں۔ آپ

استدعا ہے کہ جلد از جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو ایک سے زائد احادیث کا حوالہ بھی دے دیں۔ واضح ہو کہ نیکر ہم اپنی خوشی سے نہیں پہنتے بلکہ کھیل کود یا بعض دیگر فوجی مشغولوں میں نیکر پہننا گورنمنٹ نے لازمی قرار دے رکھا ہے۔ امید ہے اس اہم شرعی مسئلہ میں آپ ضرور رہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب: مسلمان کے لیے ستر عورت کا چھپانا ہر حالت میں فرض ہے اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا قانون اسلامی کی رو سے سخت گناہ ہے۔ قرآن وحدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔ منجملہ ان نصوص کے خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے: قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: عن عبد الرحمن بن ابی سعید الخدری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحد ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۵۴)

مسلم شریف کے ستر عورت کے باب میں جتنی احادیث رسول مذکور ہیں اس کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس باب میں جتنی احادیث رسول ہیں ان سے یہ حکم ثابت ہوا: ففیہ تحریم نظر الرجل الی عورۃ الرجل والمرأۃ الی عورۃ المرأۃ وھذا لا خلاف فیہ وکذلک نظر الرجل الی عورۃ المرأۃ والمرأۃ الی عورۃ الرجل حرام بالاجماع۔ آدمی کا آدمی کے عورت (ستر) کو دیکھنا اور عورت کا عورت کے عورت (ستر) کو دیکھنا حرام ہے اور اس میں کچھ خلاف نہیں ہے، ایسا ہی مرد آدمی کا عورت کے عورت (ستر) کو دیکھنا اور عورت کا آدمی کے عورت (ستر) کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے۔

اب آدمی کے عورت کی تحدید کیا ہے یعنی اس کے بدن کا کتنا حصہ عام حالت میں عورت ہے جس کا چھپانا اس پر فرض ہے؟ تو یہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء اسلام نے بھی اس کی تحدید کی ہے۔ قال نبیہ علیہ السلام: عورۃ الرجل بین سرتہ الی رکبتہ (والحدیث اخرجہ الحاکم فی المستدرک) — نیز امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واما ضبط العورۃ فعورۃ الرجل مع الرجل ما بین السرۃ والرکبۃ — اور الدر المختار میں ہے: ووجوبہ عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح۔ فی قولہ وھی للرجل ما تحت رکبتہ۔ — علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رکبتہ (گھٹنہ) بھی عورت

پردہ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں، فالرکبۃ من العورۃ لروایۃ الدارقطنی ما تحت السرۃ الی الرکبۃ من العورۃ ولحدیث علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الرکبۃ من العورۃ۔

ان نصوص اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو ستر عورت کا چھپانا فرض ہے، دکسی حالت میں بھی اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

مردوں کے لیے زرد رنگ کے لباس کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! آجکل بعض نوجوان زرد رنگ کا لباس پہنتے ہیں، اسلامی نقطۂ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ بعض الوان ورنگ ایسے ہیں کہ اسلام نے ان کے استعمال سے مسلمان مردوں کو منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک زرد رنگ بھی ہے۔ احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس رنگ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے اس لیے فقہاء اسلام نے مردوں کے لیے زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وکرہ لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۵۸ کتاب الکراھیۃ، باب اللبس) لہ

لہ لما نقل العلامۃ المفتی عبدالقادر الرافعی، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ثوبین معصفرین فقال ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھا۔ الخ

وفی روایۃ المسلم رأی علی ثوبین معصفرین فقال أأمک امرتک بھذا قلت اغسلھا قال بل احرقھا۔ الخ

(التقریرات للرافعی ج۲ ص۳۰۶ فصل فی اللبس)

باب التصاویر
(تصویر کے احکام و مسائل)

خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے

سوال:۔ آجکل بازاروں، دکانوں اور مجروں میں خواتین کی تصاویر لگی ہوتی ہیں، تو کیا ان تصاویر کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ذی روح اشیاء کی تصاویر اتارنا اور ان کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا حرام ہے تو پھر اجنبی عورتوں کی تصاویر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا تو بعینہٖ اس خاتون کو دیکھنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتہا لزوجہا کانہ ینظر الیہا۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۸۸ باب لا تباشر المرأۃ المرأۃ)[1]

کسی جاندار کی تصویر کا حکم

سوال:۔ کسی جاندار کی تصویر بنانا اور دیکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی روح اشیاء کی فوٹو گرافی کرنا یا تصویر بنانا تخلیق خداوندی کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے جو کہ گناہ کبیرہ ہے، اس لیے جاندار اشیاء کی تصاویر بنانا شرعاً حرام و ناجائز ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن عائشۃؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب ھٰذہ الصور

---

[1] وفی الباب ما رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأۃ المرأۃ لتنعتہا لزوجہا کانما ینظر الیہا۔ (سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۹۲ باب ما یؤمر بہ من غض البصر) ومثلہ فی مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاول۔

يعذبون يوم القيامة ويقال احيوا ما خلقتم وقال ان البيت الذي فيه الصور لا تدخله الملائكة۔ (الصحيح البخاري ج ۲ ص۸۸۱ باب من لم يدخل بيتاً فيه صورة) [1]

جزدان میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس اپنی تصویر ہے جو کہ پوشیدہ نہیں بلکہ دکھی ہے اور جزدان میں بند کر کے جیب میں رکھی ہوتی ہے، تو کیا جیب میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کشی سے ہر حال میں منع فرمایا ہے جہاں کہیں دیواروں پر یا منادر اشیاء کی تصاویر لٹکائی گئی ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی، لیکن جب تصویر چھوٹی ہو اور جزدان وغیرہ میں بند کر کے جیب میں رکھی گئی ہو تو اس سے نماز کی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

لما قال شیخ الاسلام علاؤ الدین الحصکفیؒ: (ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او فی یدہ او فی بدنہ لانہا مستورۃ بثیابہ او علی خاتمہ بنقش غیر مستبین۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۴۸ مکروہات الصلوٰۃ)

کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تبرکاً لٹکانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی دوکان میں حصول برکت وعافیت کے لیے اپنے مرشد کی تصویر لگا رکھی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] لما رواه الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن نافع ان ابن عمرؓ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان الذین یصنعون الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم۔ (الصحیح لمسلم ج ۲ ص۲۰۱ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان)

ومثلہ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۳۸۵ باب التصاویر، الفصل الاول۔

[2] قال ابراہیم الحلبیؒ: اما اذا کانت مقطوعۃ الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہا رأس او کان فمحی او کانت صغیرۃ لا تبین للناظر اذا کان قائماً وہی علی الارض ای لا تتبین تفاصیل اعضائہا فلا یکرہ حینئذ۔ (کبیری ص۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص۱۰۷ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ۔

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر وبرکت نہیں بلکہ معصیت میں عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں (عام آدمی یا کسی بزرگ کی) تصویر ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ بالا مقصد کے لیے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عائشۃ قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترۃ بقرام فیہ صورۃ فتلوّن وجہہ ثم تناول الستر فہتکہ ثم قال ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یشبہون بخلق اللہ۔ (الصحیح لمسلم ج۲ ص۲۰۱ باب تحریم صورۃ الحیوان) [1]

آرائش کے لیے گھر میں نصف فوٹو لگانا

سوال: ضرورت کے تحت اگر نصف تصویر بنائی جائے اور پھر اس قسم کی دوسری تصویروں کو گھر کی سجاوٹ کے لیے دیواروں پر لگایا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: متاخرین فقہاء کرام نے ضرورت کے تحت نصف تصویر بنانے کی اجازت دی ہے لیکن ضرورت کے لیے بنائی گئی تصویر کو بھی ضرورت میں ہی استعمال کیا جا سکتا ہے، ایسی تصویروں کو گھر کی دیواروں پر بغرض زیب وزینت لگانا جائز نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی طلحۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ۔ (الصحیح لمسلم ج۲ ص۲۰۰ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: عن ابی ہریرۃ قال استاذن جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل فقال کیف ادخل وفی بیتک ستر فیہ تصاویر فاما ان تقطع رؤوسہا او تجعل بساطا یوطأ فانا معشر الملائکۃ لا ندخل بیتا فیہ تصاویر۔ (سنن النسائی ج۲ ص۳۰۱ ذکر اشد الناس عذابا)
ومثلہ فی فتح الباری ج۱۰ ص۳۸۲ باب لا تدخل الملائکۃ بیتا فیہ صورۃ۔

[2] قال الامام النووی: قال العلماء سبب امتناعہم من بیت فیہ صورۃ کونہا معصیۃ فاحشۃ وفیہا مضاہاۃ لخلق اللہ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج۲ ص۲۰۰ باب تحریم تصویر)
ومثلہ فی سنن النسائی ج۲ ص۳۰۱ ذکر اشد الناس عذابا۔

شادی کی تقریبات کی تصاویر بنانا

سوال: بعض لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں فوٹو گرافی کرتے ہیں، تو کیا ایسے مواقع پر تصاویر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی جاندار کی تصویر بنانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے خواہ شادی بیاہ کے موقع پر ہو یا دیگر تقریبات کے مواقع پر، اس میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اور دوسرے بلا ضرورت مال ضائع ہوتا ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز قیامت مصورین کے لیے سخت ترین سزا کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عائشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترۃ بقرام فیہ صورۃ فتلون وجہہ ثم تناول الستر ------ ثم قال ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ الذین یشبہون بخلق اللہ۔

(الصحیح لمسلم ج۲ ص۲۰۱ باب تحریم تصویر)[1]

خانہ کعبہ کی تصاویر میں چھوٹی چھوٹی انسانی تصاویر کا حکم

سوال: بعض مساجد میں خانہ کعبہ کی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں ان میں حاجیوں کی انتہائی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی ہوتی ہیں مگر قریب سے دیکھے بغیر ان کی تصویریں معلوم نہیں ہوتیں، کیا اس قسم کی تصویروں والے کتبے مساجد میں آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو انسانی تصاویر اتنی چھوٹی اور باریک ہوں کہ انتہائی قریب سے دیکھے بغیر پہچانی نہ جاسکتی ہوں، اور قریب سے دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تصویر کے اعضا واضح طور پر نظر نہ آئیں، تو اس قسم کی تصویروں کا حکم عام تصویروں کی طرح نہیں

---

[1] لما ذکر فی الحدیث: عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الذین یصنعون ہذہ الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم۔ (فتح الباری ج۱۰ ص۳۸۲ باب نقض الصور)

وفیہ فی شرح المسلم للنووی ج۲ ص۱۹۹ باب تحریم تصویر۔

جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا اس قسم کے کتبے مساجد اور گھروں میں آویزاں کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولا يكره لو كانت تحت قدميه أو في يده أو في بدنه لأنها مستورة بثيابه أو على خاتمه بنقش غير مستبين۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۸ مكروهات الصلوة)[1]

جدید آلات (ٹی وی، وی سی آر) کا حکم

سوال:- آلات جدیدہ جیسے ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈر، وی سی آر وغیرہ سننا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- آلات جدیدہ کا استعمال بذات خود مرخص ہے لیکن ٹی وی اور وی سی آر میں چونکہ تصویر بینی کے علاوہ بعض فحش پروگراموں کی نمائش بھی ہوتی ہے جن کا دیکھنا ایک شریف آدمی کے لیے بہت مشکل ہے، لہٰذا ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ہی لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: (قوله كره كل لهو) أي كل لعب وعبث، فالثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار، واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۹۵ كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)[2]

---

[1] قال الشيخ إبراهيم الحلبيؒ: أما إذا كانت مقطوعة الرأس يعني ممحوة بأن لم يكن لها رأس أو كانت لغير ذي روح أو كانت صغيرة لا تبدو للناظر إذا كان قائمًا وهي على الأرض أي لا تبدو له تفاصيل أعضائها فلا يكره حينئذ۔ (حلبي كبير ص۳۵۹ مكروهات الصلوة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۰۷ مكروهات الصلوة۔

[2] رواه الإمام محمد بن إسماعيل البخاريؒ: عن عبد الله بن مسعودؓ قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول إن أشد الناس عذابًا عند الله المصورون۔ (صحيح البخاري ج۲ ص۸۸۰ باب عذاب المصورين يوم القيامة)

ومثله في البحر الرائق ج۸ ص۲۰۶ كتاب الكراهية، فصل في البيع۔

تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:- اگر کسی شخص کی گھڑی یا انگوٹھی میں اتنی چھوٹی تصویر ہو جو کہ انتہائی غور سے دیکھے بغیر نظر نہیں آتی ہو تو کیا اس قسم کی گھڑی یا تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- اسلام میں تصاویر رکھنا، دیکھنا اور بنانا سب ممنوع ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اس سے مراد وہ تصاویر ہیں جو ظاہر اور مستبین ہوں، صورت مسئولہ میں یہ تصویر صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی لہٰذا اس سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ایسی گھڑی رکھنا مناسب نہیں۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصكفیؒ: ولا يكره لو كانت تحت قدميه او في يده او في بدنه لانها مستورة بثيابه او على خاتمه بنقش غير مستبين۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۴۸ فصل في مكروهات الصلوٰة) [1]

بچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا

سوال:- جناب مفتی صاحب! گائے بھینس رکھنے والوں میں یہ رواج ہے کہ جب ان کی گائے یا بھینس کا بچہ مر جائے تو اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر لیتے ہیں جسے گائے یا بھینس اپنا بچہ تصور کر کے دودھ آسانی سے دے دیتی ہے، تو کیا شرعاً یہ تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں بچھڑے کی کھال پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ یہ تصویر کے حکم میں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے قدرتی پیدا کردہ جسم کو ایک طرح محفوظ رکھا جاتا ہے، اس لیے یہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ بوقت ضرورت ایسا کرنا مرخص ہے۔

---

[1] قال الشيخ ابراهيم الحلبیؒ: اما اذا كانت مقطوعة الرأس يعني به انه لم يكن لها رأس او كان لها بحيث صغيرة لا تبدو للناظر على بعد وهي على الارض اي لا تتبين تفاصيل اعضائها فلا يكره صلوته۔ (حلبی کبیر ص۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۰۷ الفصل الثاني فيما يكره في الصلوٰة۔

باب الملاهی

(کھیل کود کے مسائل و احکام)

خوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم

سوال:۔ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں ناچ گانا اور ڈھول وغیرہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: خوشی کی تقریبات ہوں یا عام تقریبات اور مواقع ہوں، ناچ گانا اور ڈھول وغیرہ بجانا شرعاً حرام ہے، تاہم شادی بیاہ کے موقع پر صرف دف بجانا جو بغیر گھنگرو کے ہو، مرخص ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: استماع صوت الملاهی کالضرب بالقضیب ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفر ای بالنعمة. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۵۹ الباب الثالث فیما یتعلق بالملاهی) ۔

کیرم بورڈ کھیلنا

سوال:۔ آجکل بعض نوجوان جمع ہو کر کیرم بورڈ نامی کھیل بڑے شوق سے کھیلتے ہیں، کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے؟

الجواب: وہ امور جن میں نہ دنیا کا فائدہ ہو اور نہ آخرت کا بلکہ وقت اور دولت کا ضیاع ہو جیسا کہ کیرم بورڈ وغیرہ، کہ اس میں نہ تو صحت کا فائدہ ہے اور نہ دنیا و آخرت کا، تو ایسے بے معنی اور بلا ضرورت کاموں پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا کوئی دانشمندی کا کام نہیں، اور شریعت مقدسہ نے بھی ایسے لہو و لعب سے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: ویکره اللعب بالشطرنج والنرد وثلاثة عشر لقوله

ـه روى الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ عن ابن عباسؓ او عن انسؓ من ذلک فی قوله تعالیٰ ومن الناس من یشتری لهو الحدیث قال الغناء واشباهه. (الادب المفرد ص ۲۰۳ باب الغناء واللهو)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الحظر والاباحة ۔

علیہ السلام کل لعب حرام الا ملاعبۃ الرجل زوجتہ وقوسہ وفرسہ لانہ یصد عن
الجمع والجماعات وسبب لوقوع فی فواحش الکلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراھیۃ) [1]

شطرنج کھیلنا

سوال:۔ بعض لوگ شطرنج کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، تو کیا شطرنج کھیلنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس کام میں دین اور دنیا کا فائدہ نہ ہو بلکہ تضییع وقت و ضائع ہوتا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، شطرنج چونکہ ایسا ہی ایک کھیل ہے جس میں سوائے تضییع اوقات اور خواہش پرستی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا لہٰذا اس قسم کے کھیل سے بچنا چاہئے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: ویکرہ اللعب بالشطرنج والنرد والاربعۃ عشر لقولہ علیہ السلام کل لعب حرام الا ملاعبۃ الرجل زوجتہ وقوسہ وفرسہ لانہ یصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع فی فواحش الکلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراھیۃ) [2]

جوڈو کراٹے کھیلنا

سوال:۔ آجکل بعض مقامات میں جوڈو کراٹے سیکھنے کے مرکز کھلے ہوئے ہیں، اس کے سیکھنے سے بدن کو قوت اور مضبوطی ملتی ہے اس کھیل میں اگر آدمی اس غرض سے حصہ لے کر صحت اور جسم کو مضبوط بنا کر جہاد میں حصہ لے سکوں تو کیا اس کا کھیلنا جائز ہوگا؟

الجواب:۔ انسان پر دیگر حقوق کے علاوہ اپنی صحت کا بھی حق ہے، اگر انسان کی صحت ہی خراب ہو تو باطل قوتوں کا مقابلہ تو درکنار عبادات بھی بطریق احسن ادا نہیں کر سکے گا،

---

[1] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (وکرہ) کل لہو لقولہ علیہ السلام کل لہو حرام الا ثلاثۃ الخ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۴ کتاب الکراھیۃ)
ومثلہ فی البدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۷ کتاب الاستحسان۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والشطرنج ونحوہا من اشتغل بہ ذھب عناؤہ الدنیوی وجاءہ العناء الاخروی فھو حرام وکبیرۃ عندنا۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۴ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)
ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۷ کتاب الاستحسان۔

ورزش کرنا

سوال:۔ ورزش کی نیت سے کھیل کود کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جس کھیل کود میں دینی یا دنیوی منفعت ہو تو اس کھیل میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن اگر نیت جہاد کی تیاری ہو تو موجب اجر و ثواب ہے۔ تاہم ایسے کھیل سے اجتناب ضروری ہے جس میں کشف عورت یا بے پردگی یا کسی دوسرے حرام کا ارتکاب ہو۔

لما روی الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن عائشةؓ قالت رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یسترنی بردائه وانا انظر الی الحبشة وهم یلعبون۔ (الجامع الصحیح لمسلم ج۱ ص۲۹۱ کتاب صلوٰة العیدین) سے

تاش کھیلنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ڈیروں اور دیگر مقامات میں لوگ تاش کھیلتے ہیں جسے وہ ترپ کہتے ہیں اگرچہ یہ کھیل صرف تفریح کے لیے ہوتا ہے اور اس پر عموماً کوئی خاص شرط وغیرہ بھی نہیں لگائی جاتی لیکن بسا اوقات اس میں چائے، حلوہ وغیرہ کی شرط لگائی جاتی ہے جو کہ بازی ہار جانے والے کے ذمہ ہوتا ہے کیا شرعاً ایسا کھیل جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر ذہنی ورزش یا تفریح کیلئے تاش کھیلا جاتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ ہار جیت پر شرط لگانا صحیح نہیں، اس صورت میں یہ کھیل قمار کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

لما قال العلامة مولانا اشرف علی التھانویؒ: اگر ہار جیت پر شرط نہ ہو تو جائز ہے۔ {امداد الفتاویٰ ج۴ ص۲۶۱ کتاب الحظر والاباحة
خلاف الزام اور لہو و لعب کے احکام}

○

سے لما رواه الامام ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ: عن عائشة انها کانت مع النبی صلی الله علیه وسلم فی سفر قالت فسابقته فسبقته علی رجلی فلما حملت اللحم سابقته فسبقنی فقال هذه بتلک السبقة۔ (سنن ابی داؤد ج۱ ص۳۵۱ باب فی السبق علی الرجل)

ومثله فی رد المحتار ج۶ ص۴۰۳ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ

(امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا بیان)

تبلیغ دین فرض کفایہ ہے

سوال:۔ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

الجواب:۔ خلق خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور نواہی سے منع کرنا[1] فرض کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، فرض عین کی رائے رکھنا خطاً پر محمول ہے، تاہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک کرنا فرض عین ہے۔

لما قال حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ: قال ابوبکر قد حوت هذه الآية معنيين: احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والآخر انه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل احد في نفسه اذا قام به غيره لقوله تعالى ولتكن منكم امة، وحقيقته تقتضي البعض دون البعض فدل على انه فرض على الكفاية اذا قام به بعضهم سقط عن الباقين۔ (احکام القرآن ج۲ ص۲۹ باب فرض الامر بالمعروف)

مستورات کی تبلیغی جماعات کا حکم

سوال:۔ دور حاضر میں تبلیغی جماعت والے مستورات کی اصلاح اور تبلیغ دین کے لیے خواتین کی جماعتیں نکالتے ہیں جبکہ خواتین کے ساتھ ان کے اپنے محارم اور دیگر حدود شرعیہ و پردے کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، کیا ان شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مستورات کا تبلیغ دین کے لیے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مروجہ تبلیغ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور تعلیم و تعلم ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کی شرعی ذمہ داری ہے اور دونوں کو تبلیغ دینا کا حق حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ

---

[1] قال العلامۃ شہاب الدین الآلوسیؒ: ومنشأ الخلاف في ذلك ان معظم الفقهاء على ان الامر بالمعروف والنهي عن المنكر من فروض الكفايات۔ (روح المعانی ج۴ ص۲۲ سورۃ آل عمران)
ومثلہ فی الاکلیل فی استنباط التنزیل ص۵۶ سورۃ آل عمران۔

بیشمار نیک خواتین قرآن و حدیث کے علوم کی ماہر گذری ہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں خواتین اسلام کا جہاد میں شریک ہونا بھی ثابت ہے، اس لحاظ سے خواتین کی جہاد میں شرکت کی بنا پر تبلیغی جماعات میں خواتین کی شرکت جائز معلوم ہوتی ہے۔ تاہم پردہ، محارم اور دیگر حدود شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن انس قال لما کان یوم احد انہزم الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولقد رأیت عائشۃ بنت ابی بکر وام سلیم وانہما لمشمرتان اری خدم سوقہما تنقزان القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علی متونہما ثم تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملآنہا ثم تجیئان فتفرغانہ فی افواہ القوم۔
(الصحیح البخاری ج۱ ص۴۰۳ باب غزوۃ النساء وقتالہن مع الرجال)[1]

سالانہ چلہ لگانے کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی اصلاح و تحصیل علم کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلہ لگاتا ہے تو کیا تحصیل علم و اصلاح کے لیے مزدوری چھوڑ کر چلے کے لیے نکلنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب:- جو ہمیں مجھے زندگی کو شریعت اسلامیہ کے مطابق گزارنے کے لیے ضروری احکامات کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے اس کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل نفلی عبادت سے افضل ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ضروری علوم کے علاوہ مزید علم کی تحصیل اور اصلاح نفس کے لیے سالانہ چلہ لگانا چاہے اور اس سے اہل و عیال کا نان نفقہ متاثر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلے پر جانا بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: طلب العلم والفقہ اذا صحت النیۃ افضل من جمیع اعمال البر وکذا الاشتغال بزیادۃ العلم اذا صحت النیۃ لانہ اعم نفعاً لکن بشرط ان لا یدخل النقص فی فرائضہ۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ج۶ ص۳۶۸ کتاب الکراہیۃ)[2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: وعن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار معہ اذا غزا فیسقین الماء ویداوین الجرحی۔ (الصحیح لمسلم ج۲ ص۱۱۶ باب غزوۃ النساء مع الرجال)
ومثلہ فی شرح کتاب السیر الکبیر ج۱ ص۱۸۴ باب قتال النساء مع الرجال۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: طلب العلم والفقہ اذا صحت النیۃ افضل من جمیع اعمال البر وکذا الاشتغال بزیادۃ العلم اذا صحت النیۃ لانہ اعم نفعاً لکن بشرط ان لا یدخل النقص فی فرائضہ۔ (رد المحتار ج۶ ص[illegible] کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع)

مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب | سوال: تبلیغی جماعت وقت لگانے پر ایک نیکی پر انچاس کروڑ نیکیوں کا ثواب ملنے کا بتایا جاتا ہے، شرعاً اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب: تبلیغ کے لیے وقت لگانے پر انچاس کروڑ تک تضاعف اعمال کا مسئلہ دو احادیث کے قریب قریب سے ثابت ہے لیکن یہ زیادت مطلقاً فی سبیل اللہ نکلنے سے وابستہ ہے اس کو مخصوص تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں۔

لمارواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی فی سننہ، عن سهل بن معاذ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوٰۃ والصیام والذکر تضاعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ عزوجل بسبعمائۃ ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج۱ ص۳۳۹)

ورواہ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃ فی سننہ، عن علیؓ ابن ابی طالب وابی الدرداءؓ وابی هریرۃؓ وابی امامۃ الباهلیؓ وعبداللہ بن عمرؓ وجابر بن عبداللہؓ وعمران بن الحصینؓ کلهم یحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درهم سبع مائۃ درهم ومن غزی بنفسہ فی سبیل اللہ وانفق فی وجہ ذلک فلہ بکل درهم سبع مائۃ الف درهم ثم تلا هذہ الآیۃ واللہ یضاعف لمن یشاء۔ (سنن ابن ماجۃ ص۱۹۸ باب من جهز غازیاً)[1]

---

[1] وقد ذکرہ الشیخ العلامۃ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ، عن عمران بن الحصین عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درهم سبعمائۃ درهم ومن غزی بنفسہ فی سبیل اللہ وانفق فی وجهہ ذلک فلہ بکل درهم یوم القیامۃ سبعمائۃ الف درهم ثم تلا هذہ الآیۃ واللہ یضاعف لمن یشاء۔

وعن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم النفقۃ فی سبیل اللہ تضاعف سبعمائۃ ضعف۔ (الدر المنثور ج۱ ص۳۳۶ سورۃ آل عمران)

ومثلہ فی تفسیر القرآن لابن کثیرؒ ج۱ ص۳۱۷ سورۃ آل عمران۔

تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں

سوال: تبلیغی جماعت کو کفریہ / جبریہ فرقوں سے تعبیر کرنا کیسا ہے، اور کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تبلیغی جماعت فی زمانہ ایک فعال دینی جماعت ہے، اس کی ہر کوشش خلقِ خدا کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہے، اس کو فرقہ جبریہ و کفریہ وغیرہ سے تعبیر کرنا ضلالت اور گمراہی ہے اور ایسا کہنے والے پر کفر کا خطرہ ہے جو موجبِ تعزیر ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: اذا قذف مسلماً بغير الزنى فقال يا فاسق او يا كافر او يا خبيث او يا سارق لانه اذاه والحق الشين به ولا مدخل للقياس في الحدود فوجب التعزير. (الهداية ج۲ ص۵۲۱ كتاب الحدود) ۱ه

تبلیغی چلے کی حقیقت

سوال: آجکل تبلیغی جماعت والے تبلیغ میں چلہ لگانے پر بہت زور دیتے ہیں، کیا تبلیغ کے لیے دنوں کی یہ تعداد قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: روحانی امراض سے شفا کیلئے ضروری ہے کہ طبیعت میں تبدیلی پیدا ہو جائے، چونکہ تبلیغ میں چلہ یعنی چالیس دن لگانے والے میں کافی تبدیلی آجاتی ہے اسلئے تبلیغ والے چلہ لگانے پر زور دیتے ہیں، یہ کوئی واجب، سنت یا فرض نہیں بلکہ صرف روحانی علاج کیلئے چلہ مقرر کیا گیا ہے، جس طرح چالیس دن تک تکبیرِ اولیٰ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح تبلیغ میں چلہ لگانے سے بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

لما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى لله اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له براءتان براءة من النار وبراءة من النفاق. (مشكوة ج۱ ص۱۰۲ باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق. الفصل الثاني)

۱ه قال العلامة سراج الدين علي بن عثمانؒ: ما اذا قال لآخر يا فاسق او يا بليد او يا آكل الربوا..... او يا كافر او يا خبيث او يا فاجر يعزر وخيار التعيين الى الامام. (الفتاوى السراجية ص۱۱ كتاب الحدود)

ومثله في الجوهرة النيرة ج۲ ص۲۵۲ كتاب الحدود - فصل في التعزير.

اور علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

فی هذہ الآیة وفی التی بعدها وهی قوله تعالی کنتم خیر امة اخرجت للناس دلیل علی ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر فرض علی الکفایة۔

(احکام القرآن ۲/ ۲۰۴)

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص رازی لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر قد حوت هذہ الآیة معنیین احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر والآخر انه فرض علی الکفایة (احکام القرآن ۲/ ۲۹)

اور یہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر سب سے پہلے ہے جیسا کہ [illegible] اکابر مفسرین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں۔

یدعون الی الخیر المراد من الدعاء الی الخیر الدعاء الی ما فیه صلاح دینی او دنیوی۔ روح المعانی ۴/ ۲۱

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

وما الی اللہ ای الی توحیدہ تعالی وطاعته فالظاهر العموم فی کل داع الیه تعالی روح المعانی ۲۴/ ۱۸۸۔

اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

یدعون الی الخیر ای خیر العقائد والاخلاق والاعمال التی فیها صلاح الدین والدنیا (تفسیر مظہری ۲/ ۱۱۲)

اور وہ سبیلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الدعوة الی التوحید واخلاص العبادة (تفسیر مظہری ۵/ ۲۰۰)

اسی طرح دعا الی اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دعا الی الله ای الی عبادة الله وتوحیدہ۔ تفسیر مظہری (۸/ ۲۹۰)

ان کے علاوہ تفسیر بیان القرآن، تفسیر عثمانی، اور تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ تفاسیر میں بھی اسی بات کی وضاحت موجود ہے کہ دعوت الی الخیر مسلمان اور کافر دونوں کے لیے ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں۔

پھر دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں۔ عام غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت

ضروری ہے ۔ مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور بحیثیت جماعت خصوصاً دنیا کے تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے ۔۔۔ دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت عمل دینا ہے کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاص علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرے اور فریضہ الی الخیر کا کام دے ۔

(معارف القرآن ۲ ؍ ۱۴۰ ، ۱۴۱)

اور یہ جو طریقہ کار کوئی انوکھا نہیں بلکہ سلف صالحین رضوان اللہ علیہم میں اس طرز عمل کی مثالیں موجود ہیں چنانچہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب نوری شہید نے لکھا ہے کہ تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف صالحین کے عین مطابق ہے ۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹ ؍ ۳۶۳)

مفتی دار العلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہی کے جواب سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے چنانچہ جب آپ سے تبلیغ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا فرمایا ۔

الجواب : حامداً و مصلیاً تبلیغ دین ہر زمانے میں فرض ہے اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی الکفایہ ہے جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جگہ جس قسم کی ضرورت ہو اس کے حق ادا کی فکر وسعی داریں جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مصداق ہے قرآن کریم نے سب سے بڑا معروف ایمان اور سب سے بڑا منکر کفر ہے ہر مومن بھی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ ہدایت پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول کی ہدایت کے موافق پہنچاتا ہے ۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲ ؍ ۲۴۳)

اسی بنا پر اکابر علماء دیوبند نے اس کام کی تعریف کی اور اس کو مفید قرار دیا ہے ۔

مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے ۔

اور یہ تحریک تبلیغی جماعت اپنی حقیقت کے لحاظ سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچانا اور ان کے فرائض پر عامل کر دینا اصل تبلیغ ہے (کفایت المفتی ۲ ؍ ۴۹)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے آخر میں مولانا محمد الیاس کی اس تحریک کو ان الفاظ سے سراہا ہے ۔

کہ مولانا الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا ہے ۔

(مولانا الیاس اور ان کی دعوت ۱۴۰)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے محترم بزرگ یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کر رہی ہے بلکہ اس کا بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحادِ یگانگت کا قوی جذبہ پیدا ہو اور ان کو مذہبی احساسات کی سرگرمی کی طرف چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجے کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔ بنا بریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جاویں والسلام حسین احمد غفرلہ ۲۱ صفر ۱۳۷۰ھ

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۴۴)

ایک اور مکتوب میں (جو آپؒ نے جب یہ تبلیغی جماعت کو ہ افغانستان جا رہی تھی اپنے تلامذہ کے نام دیا تھا) فرماتے ہیں

غرض ان کو جاہلین طریقہ سے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہوتے ہیں ان کا مقصد کوئی سیاسی یا دنیاوی نہیں ہے فقط تعلیمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور یہ صراط مستقیم ان اتقیاء کرام مقتدیان دین اولیاء کا ہے جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے۔ امید کہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے قلبی تعلیمات سے دریغ نہ فرمائیں گے والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۵)

ان کے علاوہ شاہ عبدالقادر رائے پوری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد زکریا، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ نے بھی اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو اشاعت دین کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے ان کے اجتماعات میں شریک ہوئے اور اس میں بیانات کئے، لوگوں کو اس جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب فرمائی، تو اس کے باوجود بھی اس کو بدعت سیئہ کہنا جہالت اور نا سمجھی کی دلیل ہے، بدعت سیئہ پر خواہ کیا اور کیوں نہیں کیا جاتا! بلکہ بدعت سیئہ تو وہ امر ہوتا ہے جس کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی اصل دینیہ نہ ہو، اکابرین امت نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے۔ اور یہ تعریف چاروں مذاہب کا متفقہ تعریف ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والبدعۃ فی اصلہا ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع فی مقابل

السنة فتکون مذمومة (فتح الباری ۴/۲۱۲)

اور علامہ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اصول الشریعة ولم یوافق السنة۔

(تاج العروس ۵/۲۷۱)

علامہ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

المراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له فی الشریعة یدل علیه واما ما کان له اصل من الشرع یدل علیه فلیس ببدعة شرعاً وان کان بدعة لغة (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳)

اسی طرح علامہ قرطبی اور شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں۔

کل بدعة صدرت من مخلوق فلا یخلو ان یکون لها اصل فی الشرع ام لا فان کان لها اصل فهی فی حیز المدح ویعضده قول عمر نعمت البدعة هذه والا فهو فی حیز الذم والانکار۔ (تفسیر قرطبی ۲/۸۷ و تفسیر صابونی ۱/۹۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تبلیغ کرنا مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا ان کو نمازی، حاجی اور پابند صوم و زکوٰۃ بنانا اور اس کے لیے کوشش کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور دینی ضروریات میں سے ہے، سلف صالحین اور صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت ہے اس لیے اس کو بدعت سیئہ کہنا ضرور بنانا جاہلیت اور تابعین سے سوا کچھ نہیں یہ کام نہ بدعت ہے اور نہ اس پر بدعت ہونے کا کوئی شبہ ہے ورنہ کئی اکابر علماء اس کو سرانجام نہ دیتے، لہٰذا ان لوگوں کو مساجد سے روکنا اور ان کو منع کرنا ان کو مسجد سے نکالنا وغیرہ گناہ ہے اور مناع للخیر کی قبیح صفت سے موصوف ہونے کے مترادف ہے اس امر کا مرتکب شخص فاسق و فاجر ہے اس لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔

رہا گذشتہ تفصیلات سے خوب واضح ہوا ہے کہ یہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل جماعت ہے اس کو ضال اور مضل کہنا جاہلیت کی دلیل ہے یہ ایک حق جماعت ہے جو دین کی اشاعت کے لیے مصروف عمل ہے، ان کا احترام کرنا چاہیے اور ان کی حوصلہ افزائی ہر مسلمان کا فریضہ مذہبی ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ

باب مسائل المتفرقة

(متفرق مسائل کے بیان میں)

والدین کو گالی دینے والے کا حکم

سوال:- والدین کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جب کسی عام مسلمان کو گالی دینا موجبِ فسق ہے تو والدین کو گالی دینا تو بہت بڑا اور عظیم گناہ ہے، اس فعل بد کا مرتکب قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ... وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔ (سورۃ الاسراء آیت ۲۳) [1]

گالی گلوچ کرنے والے کا حکم

سوال:- کسی مسلمان کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- کسی مسلمان کو بے عزت اور سب وشتم کرنا موجبِ فسق و گناہِ کبیرہ ہے اور گالی دینے والا فاسق و گنہگار ہو جاتا ہے۔

لما رواه الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ: عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله کفر۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۹ باب ما جاء فی الشتم) [2]

---

[1] لما رواه الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ: عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اکبر الکبائر ان یشتم الرجل والدیه قالوا یا رسول الله وهل یشتم الرجل والدیه قال نعم یسب ابا الرجل فیسب اباه ویشتم امه فیشتم امه۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۲ باب ما جاء فی عقوق الوالدین)
ومثله فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۱۹ باب البر والصلة ۔ الفصل الاول۔

[2] رواه الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن عیاض بن حمار قال قلت یا رسول الله الرجل یسبنی ... النبی صلی الله علیه وسلم المستبان شیطانان یتهاتران ویتکاذبان۔ (الادب المفرد ص ۱۱۵ باب سباب المسلم)
ومثله فی شرح المسلم للنووی ج ۲ ص ۳۲۱ باب النهی عن السباب۔

والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے دوسرے سے حسن سلوک نہ کرنا

سوال :- ایک شخص کے ماں باپ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہیں، باپ بیٹے کو ماں سے حسن سلوک بند کرنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ درمیان میں کوئی شرعی مقام موجود نہیں، تو کیا بیٹے کے لیے باپ کے حکم سے ماں کے ساتھ حسن سلوک بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- شریعت نے اولاد کے لیے والدین کو حسن سلوک اور تعاون میں برابر کے شریک قرار دیئے ہیں جبکہ بعض احادیث کی روشنی میں والدہ زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے، لہٰذا والد کے کہنے سے بیٹے کے لیے والدہ سے حسن سلوک سے پیش نہ آنا ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی ہے لہٰذا دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور فرمانبرداری کرنا ضروری ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۳) [1]

سوال :- ایک شخص کے والدین اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی بیوی رہائش کے لیے علیحدہ مکان چاہتی ہے اور اپنے شوہر کے والدین سے جدا ہونا چاہتی ہے، تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کی بات مان کر والدین سے جدا ہو جائے یا والدین کی بات مان کر بیوی کو طلاق دے دے؟

بلا کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا

الجواب :- واضح رہے کہ ہر انسان پر والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی ہے اور حتی الامکان اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنا ضروری ہے لیکن بعض اوقات اگر والدین خواہ مخواہ سخت مزاجی سے پیش آئیں اور

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۳)

بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو والدین کی یہ بات نہ ماننے میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں اور جہاں تک مذکورہ معاملہ میں والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا تعلق ہے تو شریعت نے عورت کو علیحدہ رہائش اور نفقہ کے مطالبہ کا حق دیا ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ ہے، لہٰذا بیوی کے حقوق پورا کرنے میں والدین کی بات نہ ماننا گناہ ہے اور معصیتِ خالق (نافرمانی) میں اطاعتِ مخلوق کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا شخص مذکور کے لیے بیوی کے حقوق پورے کرنا لازمی ہے اور اس کے والدین کو بھی نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

لما في الهندية: تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۵۶ الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الثاني في السكنى)[1]

والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے

سوال:- ایک آدمی اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ ان کی نافرمانی، توہین اور سب وشتم بھی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- والدین کی نافرمانی اور ان کی گستاخی کرنا شریعت میں بدترین جرم اور دنیوی و اخروی تباہی و بربادی کا باعث ہے اور ان کی خوشنودی اور تابعداری جنت میں داخلے کا ذریعہ و سبب ہے، بلکہ حضور سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کو تحت اقدام الأمهات قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی باپ کی خوشنودی سے جوڑ رکھی ہے۔ تو والدین کا نافرمان یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا مجرم ہے اور ایسا شخص سزا کے قابل ہے، البتہ دنیا میں زجر و سزا رأی الامام کے حوالے ہے وہ جتنا اور جیسا مناسب سمجھے وہی بہتر ہوگا۔

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك۔ (خلاصة الفتاوى ج ۲ ص ۵۳ كتاب النكاح، الفصل الثامن عشر في النفقة والعدة) ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص ۴۲۲ باب النفقة۔

۔اقال اللہ تعالیٰ : وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۳) لے

علم دین کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کا حکم

سوال :- ایک شخص کو علوم دینیہ حاصل کرنے کا بڑا شوق ہے جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ کاروبار بھی ہے اور کاروبار کے علاوہ بھی اُسکی مالی حالت بھی ہے تو کیا یہ شخص بلا اجازت والدین حصولِ علم کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور نکلنے سے والدین کی نافرمانی تو نہیں ہوگی؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے، کم از کم اتنا علم ہو کہ دین کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ ہو سکے، اس کے لیے والدین کا منع کرنا کوئی شرعی عذر نہیں بلا اجازت والدین بھی بالغ بیٹا حصولِ علم کے لیے سفر کرسکتا ہے اور صورتِ مذکورہ میں والدین کے ضعف اور محتاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیٹا عاق اور نافرمان بھی نہ ہوگا۔

لمافی الہندیۃ :- رجل خرج فی طلب العلم بغیر اذن والدیہ فلا بأس به ولم یکن ھذا عقوقا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۶۵ الباب السادس والعشرون فی الرجل یخرج الی السفر … الخ) ؎ ۳

لے لما ورد فی الحدیث : عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل الذنوب یغفر اللہ منہا ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ یعجل لصاحبہ فی الحیوۃ قبل الممات۔

(مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۱ باب البر والصلۃ)

ومثلہ رواہ انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۰ باب البر والصلۃ)

؎ قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ : ولو خرج لطلب العلم بلا اذن ابویہ لا یصیر عاقا کما ذکرنا فی الخزانۃ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۵ کتاب الکراہیۃ)

ومثلہ قال العلامۃ شبیر احمد العثمانی فی فتح الملہم ج ۱ ص ۲۵۲ باب الکبائر واکبرھا۔

کسی مسلمان کو برے القابات سے پکارنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص بلا کسی شرعی وجہ کے دوسرے مسلمان کو فاسق اور فاجر کے القاب سے متہم کرے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت اور آبرو کی حفاظت لازمی ہے اور ایسے برے القاب اور بیہودہ کلمات جن سے مسلمان کی عزت پر حرف آتا ہو اس سے بچنا ازحد ضروری ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے فسق و فجور والے القابات سے کسی کو متہم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کسی مسلمان کو فاسق اور فاجر کہنے والا شخص قابل تعزیر ہے۔ اس بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے وہ جیسا مناسب سمجھے سزا دے سکتا ہے البتہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں، اور اگر واقعی یہ فاسق اور فاجر ہو تو یہ بہت برا کام ہے۔ لیکن ایسا کہنے والے پر تعزیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱)[1]

مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا

سوال :۔ ایک شخص بلا کسی وجہ کے مسلمان کا مذاق اڑاتا ہے، ان کی عدم موجودگی میں ان کا مسخرہ اڑاتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ قرآن و حدیث کی رو سے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا استہزاء اور مسخر کرنا سخت گناہ ہے خواہ عالم ہو یا جاہل، چھوٹا گناہگار ہو یا پرہیزگار اس کا مذاق اڑانا شرعاً ممنوع ہے۔ سورۃ الحجرات میں جو اخلاقی تعلیمات بیان

---

[1] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري: لو قال لآخر يا ديوث يا فاسق يا فاجر لا يجب الحد لكن يعزر حتى إذا قال للصالح اما إذا قال للفاسق يا فاسق حق فيه لا يجب شئ واختيار التعزير إلى رأي الامام من واحد الى تسع وثلاثين۔
(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۲۲ كتاب الحدود)
ومثله في بدائع الصنائع ج ۷ ص ۶۳ كتاب الحدود۔

کا کوئی بھی ان میں سے ایک ہو گا تب کہ کسی مسلمان کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دے کر حد کے عبور اور مذاق سے منع فرمایا ہے، ایسے شخص کے لیے بروز قیامت سخت سزا ہوگی۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ۔

(سورۃ الحجرات آیت ۱۱) [1]

استمناء بالید کا حکم

سوال:۔ استمناء بالید (ہاتھ سے جنسی تسکین حاصل کرنا) کے مرتکب کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق استمناء بالید بدون عذر شرعیہ کے حرام و ناجائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحق تعزیر ہے تاہم اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اصول الیقین کی رو سے رخصت کا امکان ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: الاستمناء حرام وفیہ التعزیر۔ وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الاستمناء حرام) ای بالکف اذا کان لاستجلاب الشہوۃ اما اذا غلبتہ الشہوۃ ولیس لہ زوجۃ ولا امۃ ففعل ذلک لتسکینہا فالرجاء انہ لا وبال علیہ۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۱۴۷ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا یبع بعضکم علی بعض وکونوا عباد اللہ اخوانا، المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقوی ہٰہنا ویشیر الی صدرہ ثلاث مرار بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ۔

(الصحیح المسلم ج ۲ ص ۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم)

[2] قال العلامۃ السید محمود الآلوسیؒ: وکذا یحرم فی استمناء الرجل بیدہ ویسمی الخضخضۃ وجلد عمیرۃ وجمہور الائمۃ علی تحریمہ وہو عندہم داخل فیما وراء ذلک ولابن الہمام ... عن انہ ان غلبتہ الشہوۃ ففعل ارادۃ تسکینہا یرجی ان لا یعاقب۔ (روح المعانی ج ۱۸ ص ۱۰ سورۃ المؤمنون)

ومثلہ فی تفسیر المظہری ج ۶ ص ۳۶۲ سورۃ المؤمنون۔

ہاتھ پاؤں چومنے کا حکم

سوال: کسی قابلِ تعظیم شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قابلِ تعظیم شخصیت کی دست بوسی میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ بوسہ دیتے وقت رکوع یا سجدہ کی کیفیت پیش نہ آئے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: (ولا بأس بتقبیل ید) الرجل (العالم) المتورع علی سبیل التبرک۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۸۳ کتاب الحظر والاباحة فصل فی الاستبراء وغیرہ) [1]

کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم

سوال: آجکل مسلمان حکمران غیر ملکی دورے کے دوران کفار سے مصافحہ کرتے ہیں، تو کیا اسلام میں کفار سے مصافحہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: کفار کی عزت و تکریم کی نیت سے ان سے مصافحہ کرنا ایمانی غیرت کے منافی ہے، تاہم اگر معاملات کے درجہ میں ہو یا کفار کی اسلام میں رغبت کے لیے ہو تو ان سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ہاتھ ملاتے وقت السلام علیکم نہ کہا جائے۔

لما قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویکرہ مصافحة اهل الذمة۔ (خلاصة الفتاویٰ ج۴ ص۳۳۳ کتاب الکراهیة نوع منه فی السلام) [2]

مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم

سوال: بعض مریدین اور چھوٹے اپنے بڑوں یا مرشد سے ملاقات کرتے وقت ان کے قدموں پر گر جاتے ہیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] لما رواه الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن صهیب قال رأیت علیاً یقبّل ید العباس ورجلیه۔ (الادب المفرد ص۴۵۲ باب تقبیل الرجل)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۹۸ کتاب الحظر والاباحة۔

[2] ثم قال العلامة الحصکفیؒ: کما کرہ للمسلم مصافحة الذمی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۸۱ کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع)

ومثلهٗ فی الهندیة ج۵ ص۳۴۸ الباب الرابع عشر فی اهل الذمة الخ۔

الجواب:۔ ماسوی اللہ کے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس میں رکوع کی طرح جھکنا ہو یہ سجدہ غیر اللہ کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس قسم کی تعظیم کو مکروہ لکھا ہے۔

لما فی الهندية: ويكره الانحناء عند التحية وبه ورد النهي۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۶۹ الباب الثامن والعشرون في ملاقاة الملوك)[1]

حشرات الارض کو جلانے کا حکم

سوال:۔ حشرات الارض یعنی کھٹمل، پسو وغیرہ کو آگ میں جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ذی روح اشیاء کو آگ سے جلانا یا ان پر گرم پانی ڈالنا ایک مکروہ عمل ہے اس لیے کہ تعذیب بالنار خالق حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اس عمل سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة علي بن سلطان محمد القاري: وأما في شرعنا فلا يجوز إحراق الحيوان بالنار إلا بالاقتصاص وسواء في منع الإحراق بالنار القمل ونحوه لحديث المشهور لا يعذب بالنار إلا الله تعالى۔ (مرقاة المفاتيح ج ۷ ص ۱۳۶ باب ما يحل أكله وما يحرم)[2]

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنا

سوال:۔ مساجد میں گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں، عبادت الٰہی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی دنیوی عمل کرنا سوء ادب ہے اور خصوصاً کسی گمشدہ چیز کے اعلان کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، تاہم اگر کوئی چیز مسجد ہی میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان کرنا مرخص ہے لیکن

---

[1] قال العلامة عبد الرحمن بن شيخ محمد المعروف بشيخي زاده: ويكره الانحناء لأنه يشبه فعل المجوس۔ (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر ج ۲ ص ۵۴۳ كتاب الكراهية فصل في البيع)

[2] لما في الهندية: واحراق القمل والعقرب بالنار مكروه۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۶۱ الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات الخ)

پھر بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

لما رواہ الامام ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن شداد بن الهاد انه سمع ابا هریرةؓ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلاً ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها اللہ علیك فان المساجد لم تبن لهذا۔

(الصحیح لمسلم ج ۱ ص ۲۱۰ باب نهی النشدالة فی المسجد)[1]

مسجد میں سوال کرنے کا حکم

سوال:۔ مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد کا تعین اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی گئی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ دیگر اعمال کرنا مناسب نہیں، تاہم سائل کو بدون ایذاء کے دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ مسجد کی ضروریات، مدرسہ اور جہاد وغیرہ کے لیے چندہ کرنا بھی مرخص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کاموں کے لیے چندہ کرنا ثابت ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویحرم فیہ السؤال۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ: ویکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار۔

(الدر المختار وعلیہ حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۶۵۹ مکروهات الصلوٰة)[2]

---

[1] قال العلامة محمد یوسف البنوریؒ: واما انشاد الضالة فله صورتان احدهما وهی اقبح واشنع بان یضل شئ خارج المسجد ثم ینشده فی المسجد لاجل اجتماع الناس فیه والثانیة ان یضل فی المسجد نفسه فینشده فیه وهذا ایضاً یکون من غیر لغط و شغب۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۳۱۳ باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة الخ)

ومثلہ فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۶۸ باب فی کراهیة انشاد الضالة فی المسجد۔

[2] قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ: ویدخل فی هذا کل امر لم یبن له المسجد من البیع والشراء ونحو ذلك وکان بعض السلف لا یری ان یتصدق علی السائل المتعرض فی المسجد۔ (مرقاة المفاتیح ج ۲ ص ۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰة)

ومثلہ فی الاختیار لتعلیل المختار ج ۴ ص ۱۶۷ کتاب الکراهیة فصل الکسب۔

مسجد میں سونے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب۔ مسجد میں بلا عذر شرعی سونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد کی تاسیس عبادت اور ذکر اللہ کے لیے کی جاتی ہے لہٰذا ان میں علاوہ عبادت اور ذکر اللہ کے دیگر کام مثلاً نوم (نیند) وغیرہ بلا عذر شرعی کے کرنا فقہاء کرام کے ہاں مکروہ ہے تاہم اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر مسجد میں سویا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ مسافر، معتکف اور طلبہ علوم دینیہ کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔

لما قال العلامة علاء الدين الحصكفيؒ: ويكره النوم والأكل فيه لغير معتكف وغريب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۶۶۲ مكروهات الصلوة)

وما ورد في الحديث: وعن ابن عمرؓ قال كنا ننام في المسجد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ابن ماجة ص۵۵ باب تنظيف المساجد)[1]

بار بار چھینک آنا

سوال:۔ ایک شخص کو زکام لگا ہوا ہے اور بار بار اس کو چھینک آتی ہے، تو ایک دفعہ چھینک سننے والوں کو جواب دینا تو سننے والے مسلمان کا حق ہے لیکن اگر بار بار چھینک آئے تو کیا پھر بھی جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت اسلامیہ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کئی حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان حقوق میں سے ایک چھینکنے والے کو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی ہے لیکن اگر کسی کو بار بار چھینکیں آتی ہوں تو تین دفعہ سے زائد پر جواب نہ دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں کیونکہ بار بار جواب دینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

---

[1] قال الشيخ عبد الغني المجددي الدهلويؒ: تحت قوله كنا ننام، وهذه رخصة لابن السبيل والمسافر فان ابن عمرؓ كان لم يكن له حينئذ اهل ولا منزل ويكره للاغنياء ان يتخذوا النوم فيه۔
(انجاح الحاجة على ابن ماجة ص۵۵ باب تنظيف المساجد)

ومثله في مرقاة المفاتيح ج۲ ص۱۹۸ باب المساجد ومواضع الصلوة۔

لما في الهندية: فان عطس اكثر من ثلاث مرات فالعاطس يحمد الله كل مرة فمن كان بحضرته ان شمته في كل مرة فحسن وان لم يشمت بعد الثلاث فحسن ايضاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۶ الباب السابع في السلام وتشميت العاطس) لـه

زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال: ایک شخص علانیہ طور پر کسی اجنبی عورت کو بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھتا ہے جبکہ پورے معاشرے پر اس کی یہ قبیح حرکت واضح ہے جبکہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اجراء حد مشکل ہے تو ایسے حالات میں اس شخص کے ساتھ سماجی تعلقات قائم کرنے یا لین دین کرنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بشرط صحت سوال اگر یہ شخص واقعی زانی ہو اور محصن بھی ہو تو شرعی شہادت کے ثابت ہونے کے بعد قابل رجم ہے لیکن یہ رجم کرنا قاضی اور حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے عوام الناس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس سے مالی جرمانہ لینے کی عوام کو اجازت ہے، البتہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت میں بسا اوقات مالی تعزیر (جرمانہ) کے بغیر کسی کی اصلاح ممکن نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے تو مالی تعزیر بھی دے سکتا ہے لیکن عوام کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ عوام الناس کو چاہیئے کہ ایسے شخص کا بائیکاٹ کرکے اس سے تمام تر تعلقات اور لین دین بند کردیں اور اس کے غم و خوشی میں بھی شریک نہ ہوں تاکہ وہ اپنے اس خلاف شریعت فعل کے ارتکاب سے باز آنے پر مجبور ہو، اور جہاں تک نماز جنازہ کا تعلق ہے تو علماء اہل سنت کے نزدیک ایک مسلمان گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ایمان سے

لـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي العطاس فوق الثلاث ان شمته فحسن وان لم يفعلوا فلا بأس به والعاطس يحمد الله۔

(خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۳۳۳ كتاب الكراهية، نوع منه في السلام)

ومثله في الخانية على هامش الهندية ج ۳ ص ۴۲۳ كتاب الكراهية فصل في التسبيح والتسليم الخ۔

خارج نہیں ہوتا خواہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ! البتہ گنہگار اور قابل سزا ہے، مذکورہ صورت میں جنازہ بھی پڑھا جائے گا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: التعزیر هو التادیب دون الحد ... لا باخذ مال فی المذهب۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۷۷ باب التعزیر) لہ

کسی کو ظلم و ستم سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کا حکم

سوال:- اگر کسی پر ظلم و ستم کا اندیشہ ہو جبکہ کذب بیانی کے بغیر اس کا دفع ہونا ناممکن ہو تو اس کو ظلم و ستم سے بچانے کے لیے کذب بیانی کی شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب:- جھوٹ اور کذب بیانی ایک ایسی عادت ہے جو کہ ہر وقت ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور احادیث نبوی میں بھی اس کے بارے میں وعیدیں وارد ہیں۔ لیکن بسا اوقات اگر کسی انسان پر ظلم و ستم کا ایسا اندیشہ ہو کہ کذب بیانی کے علاوہ اس کی تلافی ناممکن ہو تو ایسے حالات میں توریہ کرنا مباح ہے جو کہ حقیقتاً جھوٹ نہیں اگرچہ بظاہر جھوٹ ہی لگتا ہو یا دین پر چوٹ لگنے کا خطرہ ہو جبکہ ظاہری کذب بیانی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۴۲۷ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع) لہ

لہ قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان کانت کبیرۃ اذا لم یستحلها۔ (شرح الفقه الاکبر ص ۱۴۲ الکبیرۃ لا تخرج المؤمن من الایمان)

لہ قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: یجوز الکذب فی ثلاثۃ مواضع فی الصلح بین الناس وفی الحرب ومع امرأته۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۳ الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی، کتاب الکراهیۃ)

ومثلہ فی البزازیۃ علی هامش الهندیۃ ج ۶ ص ۳۵۹ الثالث فیما یتعلق بالملاهی۔

زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا

سوال :۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ زلزلہ کے وقت گھروں اور گھروں سے فوراً باہر نکل آتے ہیں، کیا شریعت مقدسہ میں بوقت زلزلہ ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب :۔ زلزلہ کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے یا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اور اپنی جان کی حفاظت کرنا بھی انسان پر لازم ہے اس لیے ایسے اوقات میں گھروں سے باہر نکلنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ نہ نکلنے کی صورت میں اپنی جان کو ہلاکت اور خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ (البقرۃ آیت ۱۹۵) لہ

گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا

سوال :۔ فحاشی اور بے دینی کے اس دور میں بعض لوگوں نے گانے بجانے کو اپنا ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے یعنی فلموں اور ریڈیو وغیرہ کے لیے گانے لکھ کر اور گا بجا کر رقم حاصل کرتے ہیں، تو کیا گانے بجانے کو ذریعہ معاش بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ گانے بجانے کے ذریعے کمائی کرنا اور اس کو ذریعہ معاش بنانا جائز نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ گانے بجانے سے دل میں سختی اور دین سے دوری پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال حرام ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن الھمام رحمہ اللہ : ویکرہ کسب المغنیۃ والنائحۃ کسن ا

لہ لما قال العلامۃ ابن البزازی الکردری رحمہ اللہ : واذا تزلزلت الارض وھو فی بیتہ لہ الفرار الی الصحراء۔ (الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۳۷۱ الباب التاسع فی المتفرقات)

ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۰۱ کتاب الکراھیۃ۔

فی الجوامع الفقہ علی ان التغنی للہو او جمع المال حرام۔ (فتح القدیر ج۶ ص[illegible] کتاب الکراہیۃ) لہ

بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال:- ایک شخص نجاست حکمی سے پاک ہے لیکن باوضو نہیں جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے قرآن پاک کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- قرآن پاک چونکہ کلام الٰہی ہے اس لیے اس کا مقام و مرتبہ بھی بلند و بالا ہے اس کو ہاتھ لگانے کے لیے ظاہری اور باطنی ناپاکی دور کرنا ضروری ہے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ناپاک آدمی قرآن پاک کو مس نہیں کر سکتا اس لیے بے وضو انسان کے لیے قرآن پاک کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے، البتہ غلاف کی موجودگی میں چھونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصحف سے لگا ہوا غلاف مراد نہیں بلکہ وقایہ سے غیر مخیط کپڑا مراد ہے۔

لہ لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ o تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ o (سورۃ الواقعۃ آیت ۷۹-۸۰ پ۲۷)

قاری یا سامعین تلاوت پر سلام کرنا

سوال:- ایک قاری قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور لوگ آ کے ارد گرد بیٹھ کر قرآن پاک سن رہے ہوں تو کیا اُن کو سلام کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور حاضرین مجلس (سامعین) پر اس سلام کا جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات میں افشاء سلام کا

لہ لما فی الہندیۃ: امرأۃ نائحۃ او صاحب طبل او مزمار اکتسب مالاً ... بازاء النیاحۃ ... او بازاء الغناء فکان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردّھا۔
(الفتاوی الہندیۃ ج۵ ص۳۴۹ الباب الخامس عشر فی الکسب)
ومثلہ فی مجموعۃ الفتاوی ج۲ ص۲۹ کتاب الحظر والاباحۃ۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ومسہ ای مس القرآن ولوح او درھم او حائط ...... الا بغلافہ۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۱۴ باب الحیض)
ومثلہ فی الفوائد العثمانیۃ ص۱۲ للعلامۃ شبیر احمد عثمانیؒ۔

تاکید فرمائی ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہیں کہ ان میں سلام کرنا مکروہ ہے ان مقامات میں ایک مجلس تلاوت قرآن پاک بھی ہے قرآن پاک کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کے وقت سلام نہیں کرنا چاہیئے اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ایسی محفل پر سلام کہنے سے جواب لازم نہیں آتا۔

لما فی الهندیة: ویکره السلام عند قرأة القرآن جهراً وکذا عند مذاکرة العلم وعند الاذان والاقامة والصحیح انه لا یرد فی هذه المواضع

(الفتاویٰ الهندیة ج ۵ ص ۳۲۵ الباب السابع فی السلام) [1]

غائب کو سلام پہنچانے کا حکم

سوال: بسا اوقات کسی آدمی کے ذریعے غائب کو سلام بھیجا جاتا ہے تو کیا اس آدمی پر غائب کو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی کو سلام کہنا مسنون عمل ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے اور کسی کو اگر کسی غائب کو سلام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی جائے تو اس پر سلام پہنچانا واجب ہے اور جس کو سلام پہنچایا جائے اس کو چاہیئے کہ پہلے مبلغ سلام کو جواب دے اور پھر سلام بھیجنے والے کو سلام کا جواب دے یعنی جواب میں وعلیک وعلیہ السلام کہنا چاہیئے۔

لما ورد فی الحدیث: عن اسماعیل عن غالب قال انا لجلوس بباب الحسن اذ جاء رجل فقال حدثنی ابی عن جدی قال بعثنی ابی الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ائته فاقرئه السلام قال فاتیته فقلت ان ابی یقرئك السلام فقال علیك وعلی

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: ویکره علی عاجز عن الرد حقیقة کاکل او شرعا کمصلی وقاری ولو سلم لا یستحق الجواب وهو الصحیح۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۵ ص ۲۶۵ کتاب الحظر والاباحة)

وهکذا فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۳ ص ۴۲۲ کتاب الکراهیة فصل فی التسبیح والتسلیم۔

ابلغ السلام۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص۳۶۵ باب فی رجل یقول فلان یقرئک السلام) طبع

ننگے سر نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ ان کی عادت ہو گئی ہے، کیا ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص محض سستی اور غفلت کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہو اور ٹوپی یا پگڑی استعمال کرنے اور سر ڈھانپنے کا خیال نہیں رکھتا تو مکروہ ہے البتہ اگر عاجزی اور تذلل کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور اگر اس کام کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھے تو اس کے کفر کا خوف ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکرہ صلاتہ حاسراً ای کاشفاً راسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتھا افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۴۷۴ مکروھات الصلوٰۃ) [۱]

مونچھیں کاٹنے کا حکم

سوال:۔ کیا مونچھوں کا حلق اولیٰ ہے یا نہیں کاٹ کر کم کرنا اولیٰ ہے؟ بعض لوگ بلیڈ کے ذریعے کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ مونچھوں کے بارے میں علماء کرام نے قصر اور حلق دونوں پر قول کیا ہے حلق کرنے میں یا قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ کاٹنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ گویا حلق نظر آئے تو اس طرح کرنے سے حلق و قصر دونوں پر

---

[۱] لما فی الھندیۃ: واذا امر رجلاً ان یقرء سلامہ علی فلان یجب علیہ ذلک۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۳۲۶ الباب السابع فی السلام)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۱۵ باب الحظر والاباحۃ۔

[۲] قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ: ویکرہ ان یصلی حاسراً ای حال کونہ کاشفاً راسہ تکاسلاً ای لاجل الکسل وبہ ان استثقل تغطیتہ ولم یرھا امراً مھماً فی الصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً۔ (حلبی کبیر ص۳۴۸ مکروھات الصلوٰۃ)
ومثلہ فی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۱۲۵ کتاب الصلوٰۃ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ۔

کمل ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الشیخ احمد الطحطاوی: ویستحب احفاء الشوارب وتوا و اقتصل من قصها وفی شرح شرعة الاسلام. قال الامام الاحفاد قریب من الحلق۔ (الطحطاوی ص۲۸۶ باب الجمعة) لہ

عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

سوال: ما آجکل بعض فیشن ایبل عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں، تو کیا عورتوں کے لیے سر کے بال کٹوانا یا کم کروانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورتوں کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں سے مشابہت ممنوع قرار دی ہے، چونکہ سر کے بال کم کرنے یا کٹوانے کا معمول مردوں کا ہوتا ہے اس لیے عورتوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مردوں سے مشابہت کی وجہ سے حرام ہے، البتہ کسی بیماری یا عذر ہونے کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی بال کاٹنے یا کم کروانے کی شرعاً اجازت ہے۔ حج اور عمرہ میں عورتوں کے لیے بھی قصر کی اجازت ہے۔

قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: واذا حلقت المرأة شعر رأسها فان کان لوجع اصابها فلا بأس به وان حلقت تشبیهاً بالرجال فهو مکروہ۔
(البحر الرائق ج ۸ ص۲۳۳ کتاب الکراہیة: فصل فی البیع) لہ

لہ لمافی الهندیة: ویأخذ من شاربه حتی یصیر مثل الحاجب... قص الشارب حسن..... وتفسیرات یأخذ حتی تنقص من الاطار۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۸ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص۲۳۳ کتاب الکراہیة: فصل فی البیع)

لہ لمافی الهندیة: ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لوجع اصابها لا بأس به وان فعلت ذلك تشبیهاً بالرجل فهو مکروہ۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۸ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۰۷ کتاب الحظر والاباحة۔

مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوانا

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان اپنے سر کے بالوں کا بعض حصہ زیادہ کٹوائے اور بعض حصہ کم کٹوائے یا دیگر مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوائے تو کیا اس طریقے سے سر کے بال کٹوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو سر کا حلق کیا ہے اور یا تین طریقوں سے یعنی وفرہ، لمہ اور جمہ سر کے بال رکھے ہیں۔ لہٰذا اگر سر کے بعض بال زیادہ کاٹ دیئے جائیں اور بعض رکھے جائیں تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ کر غیر مسلم اقوام کی مشابہت ہے اس لیے ان غیر مسلم اقوام کی وجہ سے اس قسم کے بال بنانے سے اجتناب ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فہو منہم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس) [1]

غیر ضروری بالوں کی صفائی کا حکم

سوال:۔ زیر ناف بالوں کے ازالہ کے لیے مستحسن طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ مرد و زن کے لیے کسی بھی طریقے سے اپنے بدن کے غیر ضروری بالوں کا ازالہ ضروری ہے۔ ان کے ازالہ کے لیے کسی دوائی یا آلہ کا سہارا لینا جائز ہے تاہم خواتین کے لیے انگلیوں سے نکالنا مستحسن ہے۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: وقالوا الاولی للمرأة النتف لانہ انظف واعد لتقی الحیل من بقایا اثر الحلق لان شہوة المرأة اضعاف شہوة الرجل اذ جاء ان سبعا تسعون جزء منہا والرجل جزء تقض بعضہا والحلق یقویہا فانہ مرکل منہا ما ہو انسب بہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۴۴) [2]

---

[1] لما فی الہندیۃ: ان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق واما الحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنۃ۔
(الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ ویستحب حلق عانتہ) قال فی الہندیۃ ویبتدی من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ یجوز، کذا فی الغرائب وفی الاشباہ والسنۃ فی عانۃ المرأۃ النتف۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۶ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع)

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کی حد

سوال: بقرروئے شریعت زیرِ ناف بالوں کی کہاں سے کہاں تک صفائی کرنا ضروری ہے؟

الجواب: عام شراحِ حدیث و فقہاء کے بقول شرمگاہ کے ارد گرد بالوں کا صاف کرنا ضروری ہے ناف تک صاف کرنا لازمی نہیں ہے۔

لما قال الامام محی الدین ابو زکریا یحیٰ بن شرف النووی: والمراد بالعانة الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیه وکذلك الشعر الذی حوالی فرج المرأة۔
(شرح صحیح المسلم للنووی ج۱ ص۱۲۹ باب خصال الفطرة) [1]

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت

سوال: زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت کیا ہے؟

الجواب: زیرِ ناف بال ہفتے میں ایک بار صاف کرنا مستحب ہے اور چالیس دن تک تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: (ویستحب) حلق عانته وتنظیف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والافضل یوم الجمعة وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکه وراء الاربعین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۴۰۶ کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع) [2]

---

[1] قال الشیخ القاضی محمد بن علی الشوکانی رحمه الله: والمراد بالعانة الشعر فوق ذکر الرجل وحوالیه وکذلك الشعر الذی حول فرج المرأة۔
(نیل الاوطار ج۱ ص۱۲۳ باب الختان)
ومثله فی فتح الملهم ج۱ ص۴۱۹ باب خصال الفطرة۔

[2] وفی الهندیة: والافضل ان یقلم اظفاره ویحفی شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة فان لم یفعل ففی کل خمسة عشر یوما ولا یعذر فی ترکه وراء الاربعین فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)
ومثله فی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ج۲ ص۵۵۵ کتاب الکراهیة۔

پیدائشی طور پر مختون بچے کے ختنہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہوا یعنی اس کا حشفہ پوست سے باہر نظر آتا ہو اگرچہ مکمل طور پر باہر نہ ہو، تو کیا اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مختون بچے کے بارے میں اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے اگر اس کا مختون ہونا یقینی ہو تو دوبارہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ: الصبی اذا کانت حشفته ظاهرة ولا یمکن ان یمد جلده ولو مد الا بتشدید وظهور حشفته بحاله لو رآها انسان یراها کانه اختتن لا یشدد علیه ویترك ولا یتعرض۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۴۲ کتاب الکراهیة جنس آخر) ؎۱

بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم

سوال:۔ بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرنے کی صورت میں نگاہ شرمگاہ پڑنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ختنہ شعائرِ اسلام میں شمار ہوتا ہے جو شرعاً ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے اس لیے ضرورت کے تحت ڈاکٹر یا حجام کی نگاہ کا عورتِ غلیظہ پر پڑنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: ولا بأس ان ینظر الرجل من الرجل الی موضع الختان لیختنه او یداویه بعد الختن (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج۵ ص۱۲۳ کتاب الاستحسان) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: الصبی اذا لم یختتن ولا یمکن ان یمد جلدته لتقطع الا بتشدید وحشفته ظاهرة اذا رآه الانسان یراه کانه ختن ینظر الیه الثقات من اهل البصر من الحجامین فان قالوا هو علی خلاف ما یمکن الاختتان فانه لا یشدد علیه ویترك۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)

؎۲ قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: یجوز النظر الی فرج الرجل للختان۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۷۳ کتاب الکراهیة الباب التاسع فی المتفرقات)

ومثله فی رد المحتار ج۵ ص۲۳۷ کتاب الحظر والاباحة فصل فی النظر واللمس۔

چہرے سے زائد بال دُور کرنے کا حکم

سوال :- چہرے سے داڑھی کے علاوہ زائد بالوں کا دور کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی کی حدود کے علاوہ چہرے کے زائد بالوں کے دور کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اس میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مخنث سے مشابہت ہو جائے ۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجهه ما لم یشبه المخنث ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۷ کتاب الحظر والاباحة ، فصل فی البیع) ؎۱

داڑھی کی شرعی حد

سوال :- جناب مفتی صاحب ! شریعت مقدسہ میں داڑھی رکھنے کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنت قدیمہ ہے اور شعائر اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے ۔ فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب ہے جس کی مقدار ایک مشت ہے ۔ اس سے کم داڑھی رکھنا خلاف سنت ہے ۔

لما رواه امام ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری : عن ابن عمرؓ انه کان یقبض علی لحیته فیأخذ منها ما جاوز القبضة ۔ (کتاب الآثار للامام ابو یوسف ص ۲۳۳ فی الخضاب والاخذ من اللحیة ، رقم حدیث ۱۰۳۹) ؎۲

؎۱ قال العلامة الاستاذ محمد الشهیر بالطوری فی تکملة البحر : ولا بأس بان یأخذ الحاجبین وشعر وجهه ما لم یشبه المخنث ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۶ کتاب الکراھیة ، فصل فی البیع)

؎۲ قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ : وفی الاحیاء قد اختلفوا فیما طال من اللحیة ان قبض الرجل علی لحیته واخذ ما تحت القبضة فلا بأس به وقد فعله ابن عمرؓ من التابعین واستحسنه الشعبی وابن سیرین ۔
(مرقاة المفاتیح ج ۸ ص ۲۹۸ باب الترجل ، الفصل الاول)
ومثله فی کتاب الآثار لمحمد ص ۱۹۸ باب حف الشعر من الوجه ۔

مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی سے ملتے ہیں تو مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ چومتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وكذا ما يفعله الجهال تقبيل يد نفسه اذا لقي غيره فهو مكروه فلا رخصة فيه۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۶ ص۳۸۳ كتاب الكراهية)

بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض خواتین گندے اخلاق اور کردار والی ہوتی ہیں تجربہ اور دیندار گھرانوں میں ان کے آنے جانے سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ دیندار گھرانوں کی باپردہ خواتین ان سے پردہ کریں؟

الجواب: اسلام انسان کی عفت وعصمت اور عزت وآبرو کا خیال رکھتا ہے، اور جن عوامل سے اس کی عفت وعصمت پامال ہوتی ہو وہاں سے منع کرتا ہے۔ جیسا کہ دیندار اور باپردہ گھروں میں برے اور گندے اخلاق والی خواتین کے آنے جانے سے معصوم بچوں خصوصاً عفت مآب خواتین کے متاثر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ لہٰذا فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے بے دین اور برے اخلاق والی عورتوں سے عفیف اور دیندار خواتین کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ولا ينبغي للمرأة الصالحة ان تنظر اليها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۳۸ كتاب الحظر والاباحة۔ فصل في البيع)۔

ٹیلیویژن کے بُرے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال ، ندوۃ حضرت
شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ

یہاں کلیرنس شریف بولٹن یو۔کے میں گھر گھر دل بہلانے کے لیے ٹیلیویژن نصب ہیں جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں رقص و سرود کرتی ہیں۔ گانا بجانا ، ریوں و کنار ، و عیشِ عشق اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے ، عیسائیت کا پرچار اور عائلی حیا سوزی کے انتہا سے دلخراش مناظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد و عورتیں اور خاندان کے افراد ماں بیٹا ، بہن بھائی ، باپ بیٹی اکٹھے بیٹھ کر ان فلموں کے حیا سوز مناظر کو دیکھتے ہیں۔ تعلیم اور دینداری رویہ سب کاموں میں اس سے رکاوٹ اور بیداری میں کمی واقع ہو رہی۔ رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ آنجناب ہمیں اس کی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلوسٹائل کر کے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کرا کے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہو سکے اور وہ اس کے بُرے اثرات و تباہ کاریوں سے بچ سکیں ؟

الجواب :- ٹیلیویژن کے بارہ میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہے۔ تصویر پرستی و تصویر کشی اسلام میں حرام ہے۔ اکثر جبکہ ٹیلیویژن پر فحاشی اور عریانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے اخلاقی بے راہروی ، مادہ پرستی ، خدا فراموشی ، بے حیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہو سکتا ، خاص کر یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویر کشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ مرد و عورت کا نامحرموں کی طرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہو سکتا ہے۔ **الغرض** اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے خصوصاً یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلغ بننا چاہیے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہو کر اپنی اسلامی حیثیت ہی ختم کر دی جائے افسوس کہ یہ برائی اب ہمارے ملک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات مرتب ہو رہے ہیں پوری مسلم قوم اس سے غافل ہے۔ نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

ٹیلیویژن اور وی سی آر کا شرعی حکم

سوال: کیا ٹیلیویژن اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ و ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے سرود سننا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: ٹی وی اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو شہوت کے طور سے دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے سرود سننا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ جو شہوانی لذت اصل کو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے تو ایسی ہی لذت اس کے عکس اور صوت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویر اور عکس میں فرق ہے اور وہ یہ کہ جو شکل دھات، تار و رنگ، پلاسٹک وغیرہ ذی جرم اشیاء سے بنائی جائے اس کو تصویر اور صورت کہا جاتا ہے اور وہ قدرتی صورت بقاء اور ثبات رکھتی ہے، اور جو شکل آئینہ وغیرہ سے تقابل کے وقت دکھائی دے اس کو عکس کہا جاتا ہے، یہ عکس صرف انتقاشی ہوتا ہے ذی جرم اور ذی جسد نہیں ہوتا اور طبعی طور سے بقا اور ثبات نہیں رکھتا بلکہ تقابل کے زوال سے وہ بھی زائل ہو جاتا ہے البتہ اس کو مصنوعی طور سے باقی اور برقرار رکھا جاتا ہے اور تصویر جیسا دکھائی دیتا ہے مگر عرف عام میں اس کو بھی تصویر کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرف عام میں اصل آواز کے عکس اور آواز بازگشت کو مصنوعی طور سے باقی رکھنے کے بعد اصل آواز کہا جاتا ہے۔ اور شرعی اصول کی بناء پر صورت اور عکس میں دیگر فرق بھی موجود ہے وہ یہ کہ زندہ اور جاندار اشیاء کی تصویر کشی شرعاً ناجائز ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صور صورة في الدنيا كلف يوم القيامة ان ينفخ فيها الروح وليس بنافخ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لعن المصور)

جس نے کسی زندہ چیز کی صورت بنائی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مکلف اور مجبور کرے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے اور وہ اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔

اور آئینہ وغیرہ کو دیکھنے سے عکس جانا ناجائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے تھے۔ فیض القدیر میں بحوالہ سنن ابن ماجہ، طبرانی اوسط، بیہقی مسطور ہے:

كان اذا نظر في المرآة قال الحمد لله.

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو اللہ کی حمد بیان کرتے۔

واضح رہے کہ عکس کی طرح بت اور تصویر کو دیکھنا بذات خود ناجائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ. (الاعراف ۱۹۸)

اور تو دیکھے گا کہ تکتے ہیں تیری طرف اور حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

انها اشترت نمرقة فيها تصاوير فلما رآها رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على الباب فلم يدخل. (صحیح بخاری ج ۲ باب من لم يدخل بيتا فيه صورة)

یعنی عائشہ صدیقہؓ نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصاویر تھیں پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر تشریف نہ لائے۔

تو ان دلائل کی رو سے عکس، تصویر، بت کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے البتہ اگر ان کو دیکھنے میں مفسدہ موجود ہو، مثلاً یہ دیکھنا شیطانی تفریح اور شیطانی لذت حاصل کرنے کیلئے ہو تو ممنوع ہوگا۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

لا تباشر المرأة المرأة فتنعتها لزوجها كأنه ينظر اليها.

[صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۸
باب لا تباشر المرأة فتنعتها لزوجها]

یعنی کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ نہ لیٹے حتیٰ کہ اس کے بعد یہ عورت اپنے خاوند کو اس دوسری عورت کے اعضاء کی ترجمانی کرے گویا کہ یہ خاوند اس کو دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں جب بیوی کی ترجمانی سے اس کے خاوند کے دماغ میں اس اجنبی عورت کی خیالی تصویر سے لذت حاصل کرنا شنیع اور منکر ہوا تو آنکھوں سے دکھائی دینے والے عکس اور تصویر سے یہ لذت حاصل کرنا بطریق اولیٰ شنیع اور منکر ہوگا، کیونکہ اس میں اس مفسدہ کا خطرہ زیادہ ہے۔

اور جب اجنبی عورت کا نغمہ اور ترنم سننا حرام ہے کیونکہ اس سے غیر محرم عورت کو

میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے تلفظ اور ترنم کا عکس سننا بھی حرام ہوگا کیونکہ یہ مفسدہ اور جاذبیت
اس میں بھی موجود ہے اور یہی حکم ٹیپ ریکارڈ وغیرہ سے سرود کے عکس کے سننے کا ہے۔
تو اس تفصیل کی بناء پر واضح ہوا کہ اگرچہ ٹی وی اور وی سی آر پہ اصل سامنے نظر نہیں آتی
بلکہ اس پر عکس دیکھا جاتا ہے یعنی جدید صناعت کی وجہ سے قائم اور ثابت ہوتا ہے لیکن
یہ عکس اصل کے اعضاء اور محاسن کی جا بجا ترجمانی کرتا ہے اور اس عکس کے دیکھنے سے
اصل کے دیکھنے کی طرح شیطانی لذت اور خواہش پیدا کی جاتی ہے تو لازمی طور پر ان آلات پہ جنس
مخالف کے عکس کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہوگا اسی طرح غیر محرم عورت کے ترنم اور نغمے کے عکس کا
سننا اور سرود کے عکس کا سننا بھی حرام ہوں گے۔

داڑھی کی مسنون مقدار

سوال: داڑھی کی مقدار مسنون اور اس کے بڑھانے کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب - داڑھی کے مقدار کے بارہ میں بعض قولی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے
کہ داڑھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
احفوا الشوارب واعفوا اللحی۔ یعنی مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۰۰ اس
کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت یہ ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحی امام ترمذی نے دونوں روایات کو حسن و صحیح کہا ہے اور
ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے احادیث داڑھی کے مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق اعفاء بڑھانے
کا حکم دیا گیا ہے جس سے داڑھی لمبا چھوڑنے کا مسنون ہونا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے اس کے مقابلہ
میں امام ترمذی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان
یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک
کو طول و عرض سے کٹواتے تھے اور اس روایت کو امام ترمذی نے حدیث "غریب" کہا ہے اور اس کی سند پر جرح
بھی کی ہے اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابی ہریرہ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے
تھے (ابوداؤد و نسائی، ابن ابی شیبہ) بہرحال ان تمام روایات و اقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ
اگر داڑھی کٹوانا چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوا سکتا ہے مٹھی سے کم کٹوانا بالاتفاق حرام ہے اور اگر
مذکورہ بالا ابن عمرؓ کے روایت پر عمل کر کے پسند کرے تو مٹھی سے زیادہ بڑھا سکتا ہے دونوں طریقے سنت
کے خلاف نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ کٹوانے کے بارہ میں

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کم کر دے تو جائز ہے کیونکہ ابن عمرؓ سے ایسا ثابت
ہے امام شعبیؒ ابن سیرینؒ بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے جائز ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری طرف بعض
سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے جیسے حسن بصریؒ اور حضرت قتادہؒ نیز صحابہ کرامؓ کے
بارے میں بھی حضرت عثمانؓ ہی منقول ہے یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
بارے میں تحریر کی ہے کہ روی کان یعفی لحیتہ و یاخذ شاربہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک
بڑھاتے تھے اور مونچھ مبارک کٹواتے تھے (احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۸۳)

شیخ ابوبکر مکیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں ان ترک لحیتہ فلا حرج علیہ۔
(شرح ابوبکر مکیؒ ج ۲ ص ۲۱۹)

حضرت ملا علی قاریؒ نے ابن الملک کی ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے۔
قال ابن الملک اما الاخذ من اطراف اللحیۃ من طولها وعرضها للتناسب فحسن
لکن المختار ان لا یاخذ منها شیئاً او یعفیها (قوت المغتذی حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰) اسی
طرح شاہ محمد اسحاق المحدث دہلویؒ کے ابواب میں حاشیہ مذکور میں ہے قال عندی اخذ اللحیۃ
مافوق القبضۃ جائز لکن الاعفاء اولیٰ تب کہا۔ غرض یہ کہ ان روایات و اقوال سے داڑھی
کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے مٹھی سے زائد
کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں روایات میں تعارض نہیں ہمارے حضرت استاذ شیخ
التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیۃ کو اطلاق پر عمل کر کے اس کو بڑھانا
ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے کیونکہ تابعین اور مشائخ کا نمونہ ان
کے سامنے موجود تھا جس وجہ سے بعض علماء نے مٹھی بھر کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا مگر
انہوں نے مٹھی بھر بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔ والسلام

عورتوں کے حقوق

اسلام کامل اور مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ اور خصوصاً عورت کو تو اسلام نے وہ مقام دیا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ فتنہ و فساد اور بے حیائی کے روک تھام کے لئے ان کے لیے پردے اور حجاب کا حکم دیا جو کہ موافق فطرت ہے۔ لیکن عصر حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلاف فطرت کام کرتا ہے اسی طرح عورتوں کے حقوق کی آڑ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جو بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کی ذہنی غلامی سے مرعوب ہو کر اس نظریہ کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے "عورتوں کے حقوق، آزادی اور بے حیائی کا مسئلہ" کے عنوان سے ایک وقیع مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

یورپ کی غلامی میں آ کر جب عالم اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دیگر ذہنی، علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مساوات مرد و زن، تہذیب مغرب کا اہم فتنہ۔ اس میں سرفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن ثابت ہوا۔ اسلام کے نظام ستر و حجاب، اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و عظمت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقین یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپ کو معیار حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد

مستغربین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانہ تضحیک بنایا۔ مسلمانوں میں مغرب سے
مرعوب اذہان نے مغرب کی نقل میں طلاق کی بھی تعدد ازدواج کی بھی ہنسی اڑائی گئی۔ پردہ کو
مشق تضحیک بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت کا رونا رونے کا کام شروع کیا۔ اس طرح
مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابل رحم تصویر بنا دی گئی۔ برصغیر کے طول و عرض سے
طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج: قیام پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حیائی میں بتدریج
اضافہ ہوا۔ عورت کو اس کے مقام حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہیں۔ مگر ایک وقت
ایسا آیا کہ تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا۔ پچھلے سال
کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مد میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا چنانچہ پاکستان
کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریب خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور
عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دیئے۔ وہ ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی کرانے جیسے
مطالبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی
گئی اور سال بھر آزادی نسواں اور حقوق نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیر اعظم بھٹو کی دعوت بے حجابی: مگر اس مسئلہ کا نقطہ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم
وزیر اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرت مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کراچی کے
اختتامیہ میں دنیا بھر کے مقررین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہار خیال فرمایا: ورنہ یہ کانفرنس کی روداد
میں اس کانگریس کا تذکرہ نہیں ہو رہا تھا جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے
پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیر اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے
ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا
کہ یہ مناسب نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں۔ انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں

میں سامنے آنا چاہیے اور یہ فرسودہ روایات ہیں یہ صرف ایک رائے اور اظہار خیال نہ تھا بلکہ
ایک سلسلہ وار شور جو مکمل دعوت تھی اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت
کے بارہ میں آر ٹی وی کے سیمینار میں صدر مملکت بیگم کی انتہائی معلمات کے ایسے ہی خیالات
اور تبلیغات سامنے آرہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے حامیوں کے
ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا اور رسول کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے پیش نظر
ہمیں کچھ گذارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیر بحث کا تعلق سیاسی نظریات
اور سیاست سے نہیں ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظام عصمت و
عفت سے ہے تو ہر درد مند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہار خیال کا حق ملنا چاہیے
اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام
میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت
کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنان اسلام کا پروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟
اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب کیا عجم اقوام و ادیان عالم
کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی دین فطرت اور
دین رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔

ظہور اسلام سے قبل عورت کا مقام ظہور اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی
علوم و رواج میں عورت جیسی ظلم و ستم اور ابتذال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک
اعجازی لفظ جاہلیت اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک
منقولہ چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک
نہیں سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی

وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی
صورت میں دیت اور قصاص مقتول مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات
ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات | عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب و غریب
نظریات تھے۔ روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ ہی زیر نظر رہا کہ
عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ روم کی ادوار میں اسے ایک نجس جانور
قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں زبان پر قفل تھے یا اونٹ کی طرح
اس کے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک دور ایسے بھی گزرا کہ عورت ذی روح
ہی نہیں۔ اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور زندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں
بعض اقوام میں مردوں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے
پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اسی طرح ادائیگی عبادات کی بھی۔ کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان
میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے
بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا "سماجی حق" حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیت اولیٰ اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے
عورت کو محض ایک آرائش اور ذریعہ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک
شاملات ایک وقت اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفاد عامہ کی ایک مخلوق
اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت
میں لگی رہے۔ اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے
مردوں کو سامان تسکین فراہم کرتی رہے۔ کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاع نشاط
بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و

انصاف اور بلا لحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا متعہ میں رکھ سکتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقام انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ایہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ۔ حضورؐ نے فرمایا عورتیں مردوں کا جزو اور نصف ہیں۔ بحیثیت مذہب نہ صرف مخاطبات خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکام دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے ولیس الذکر کالانثیٰ۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادات میں یہ تفریق کہ اگر مردوں کو مسلمین، مومنین، قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مومنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات، ذاکرات کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دی۔ نیز جنت النعیم، جنات خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو ملا دیا، وعد اللہ المؤمنین والمؤمنات جنّٰت [illegible] ذٰلک ھو الفوز العظیم۔

دینی و دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ اسلام نے عورت کی مالی حیثیت و ملکیت تسلیم کیا۔ اسے اپنے مال و دولت میں ہر طرح کا تصرف بیع، شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ کا حق یا اختیار دیا گیا۔ اسے وصیت کرنے کا حق دیا، میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا وللنساء نصیب مما ترک الوالدٰن والاقربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے۔ دیت و قصاص میں مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو کجا بات بات پر پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عفت پر الزام لگانے والے اور تہمت لگانے

والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذاب عظیم کی وعید ہے۔
ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذاب
عظیم ۔ الآیۃ۔ اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور
اس سے الگ ہو سکتی ہے شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا
حد قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام
نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے
اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے۔ چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام
نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ ملکیت اور ملوکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی
تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور
معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری
تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی تخلیق اور فطری فرق کی وجہ سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری
حاصل ہے۔ وللرجال علیھن درجۃ ۔۔۔ اور ۔۔۔ الرجال قوامون علی النساء
کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں ہی مرد کو مہر کا پابند
بنا دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریات زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی
ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو ہر طرح کی مشقتیں
اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو
ہر قسم کے حسن سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا وعاشروھن بالمعروف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔
حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں
کے قدموں کے نیچے ہے فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر

حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکرم النساء الا کریم ولا اهانهن الا لئیم۔ عورتوں کی عزت و تکریم شریفانہ کام اور ان کی اہانت و تحقیر بد ذیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعدد ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی نفس پرستی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اب مرد استطاعت مال کے باوجود بھی جب چاہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح طلاق میں بے تحاشا اسراف اور بدمعاملگی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور ابتذال کو روکنے کے لئے مرد پر طرح طرح کے تحفظ لگائے گئے۔ فرمایا فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی تم کسی چیز کو ناپسند کر رہے ہو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر رجوع کی شکل میں اسی ابغض الحلال کی تلافی کا موقع بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابل رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقد بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدس نے اپنے پہلے نکاح میں عملی نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو بامر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے فسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

<u>عورت کی عصمت و آبرو کا احترام</u> | اسی طرح عورت کی اس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیت اولی سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچۂ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورتحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی

تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کیا کہ مرد کی وسعت درازیوں اور شیطان صفت
انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی
حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات سے تھے یا نظریاتی یا پھر تصوراتی
ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور
انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة (فی روایة عند الترمذی)
فاذا خرجت استشرفها الشیطان "عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے
جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کس کو دام
میں پھنساؤں گا۔"

مردوں کو انھیں بری نظر اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غض بصر کا حکم دیا گیا۔
حضور علیہ السلام نے فرمایا: زنا العین النظر۔ "نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو
ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔"

آزادی نسواں تبرج جاہلیت کا دوسرا نام | مغرب کے بیہودہ آزادی نسواں اور حقوق اور مساوات
کے نام سے اس مقدس اور محترم صنف نازک کو دوبارہ اسی جاہلیت اولیٰ کی طرف لوٹانے کی
سعی مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے
نکل کر سر بازار تماشہ بن جائے۔ مرد کی تماشہ بینی کی بجائے شمع محفل ہو، آلات و مصنوعات کی
تجارت پر مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ بیہودگیوں، پارٹیوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں،
جلوسوں، میلوں اور مخلوط تعلیمی اداروں، دفتروں، کارخانوں اور نمائشوں، کرسیوں اور میلوں
میں اور سیاست کی سٹیج پر بیٹھی ہوئی، رسوا ہوتی ہوئی، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں
کی تسکین طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی تماشہ تبرج جاہلیت اولیٰ و جاہلیت کی ہو بہو نام

سے تمام آلودہ عصمت و حیا کو منڈی بازار میں پیش کیا جاتا ہے۔

آزادی نہیں غلامی کی دعوت: یہ دعوت و تحریک دراصل عورت کو کھلونا اور لعبۃ للاعبین بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورت حال اور جاہلیت ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی۔ فرمایا عظیم مصلح اور منتظم اور سیاستدان اسلام نے:

انما تنقض عری الاسلام عروۃ عروۃ اذا نشا فی الاسلام من لم یعرف الجاهلیة

(ترجمہ) جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے اس سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ دیگا۔

اسلام کا نظام عفت و عصمت: اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیت اور ان کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالا میں کھڑا کر دیا۔ اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت اور نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، مجمل اور مفصل، عملی اور نظری، قول اور خیالات تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظام عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ وہاں انسان اپنے فحاشی کو بھی خواہش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دائرے میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں معاشرتی معاملات، عقل و براءت اور جنسی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ یہ صحت مند و درست ہو سکتی ہے نہ تہذیب اخلاق ممکن ہے نہ تعمیر منزل کارگر ہو سکتی ہے، اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں

قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالق حکیم خداوند کریم اور بنی نوع انسان کے محسن اعظم نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور حق پانے کی طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا منشاء کیا ہے؟

پردہ کے احکام | ارشاد ربانی ہے۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۔ — اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پہلی جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک کر دو۔

پھر اس نے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ — اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل ڈالیں۔

دوسری جگہ ازواج مطہرات، بنات اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ — وہ اپنی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں

جلباب | مفسرین نے جلباب کی تفسیر یوں لکھا ہے۔

هو الرداء فوق الخمار ۔ جلباب دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی بڑی چادر کا نام ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: تغطی ثغرة نحرها بجلبابها تدنيه عليها۔ وہ اپنے سینہ کا اوپری حصہ ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی یستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے یہی سمجھا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکم حجاب سنتے ہی بڑی چادروں کو پھاڑ کر چہرے اوپر لپیٹ لیا۔

یغضضن من وطهن الا ما ظهر منها۔ یہ اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر
نکلنا پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ ۔ فقد کن یحججن ویطفن وھن مستترات الابدان
عمرؓ کے زمانے کے بعد ازواج مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو
ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقع پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے
مزید تاکیدی حکم دیا گیا۔ فرمایا۔

قل للمؤمنات یغضضن من	مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں
ابصارھن ویحفظن فروجھن	شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنے
ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر	بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ
منھا۔ (النور)	مجبوری اور بلا قصد خود ظاہر ہو

جائے اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجاب | واذا سألتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے
پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر مجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اندر داخل ہونے
کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی ہو پردہ ہو گی اور ضرورت بھی پڑے بہت
معاملات تجارتی بھی دینی نہیں۔ دکانوں اور سٹوروں میں مارکیٹ گرل بن کر گاہک سے سودے
چکانے کی نہیں بلکہ پتھروں پر اور سڑکوں سے باہر ڈنڈی بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف
کوئی معمولی مجبوری کوئی چیز جیسے لفظ متاعا میں اشارہ کر دیا۔

ملبوسات سے پردگی کی حفاظت گیری اس آیت حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے
نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایا
ت میں آیت بالا کے استثناء الا ما ظھر منھا کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملے سے چہرہ، ہاتھ

اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں۔ ایسی روایات کو مخالفین پردہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ نا سمجھی ہے یا جان بوجھ کر دجل و تلبیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات و نصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

<u>ستر اور حجاب میں فرق</u> | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے نیچے گھٹنوں تک ہے یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیٹھ، بازو، ٹانگیں، ٹخنوں اور پنڈلیوں تک چھپائے رکھنا فرض ہے۔ جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر خواہ اس کا والد، بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محارم سے بھی چھپائے رکھے گی۔ البتہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محارم سے چھپانا ضروری نہیں۔ اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بلا امتیاز مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے۔ فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس مردوں سے بھی حصہ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی۔ یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے

پردہ کا حکم جب عورتوں پر لازم ہے تو مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا جسم ڈھانپنا ضروری ہے۔ حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پس پردہ گفتگو یعنی ورائے حجاب کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی، اور نہ جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ استثنیات ہیں تو حجاب کے متعلق نہیں ستر کے باب میں۔ جیسے ہمارے ہاں عرف عام میں پردہ کہا جاتا ہے [1]

بات چیت میں احتیاطی تدبیر | اسی طرح سنت مستقیمہ میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پس پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آہی جائے تو ہدایت کی گئی کہ رسیلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے۔ تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آجائے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفا۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت | واویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے۔ حالانکہ آیات نصوص اور روایات شائعہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضرورت کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

---

[1] مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لیئے، علاج معالجہ کے لیئے جا سکتی ہے۔
مگر اس کا یہ جانا کچھ شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت
باہر نہ نکلے اور اس لیئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ نقل و حرکت کم سے کم
رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آ بھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش
کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور
گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیود ذات: یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور
عورتوں کو بھی غض بصر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی
ادائیگی ایک فریضہ ہے، وہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جا سکتی جب عبادت
کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں
کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا
چاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت سادہ
الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر ننگے
پاؤں ننگے جسم کے ساتھ سامان سفر کا تھیلا پیٹھ پر لادے ہوئے بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں
اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج اور تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے، تنگ، باریک اور چست لباس پہن کر یا
بنی سنورکر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا اس خروج کی جسارت اگر اسلام سے معلوم
ہے تو اسلام ایسی کاسیات عاریات (دکھانے کو نام لباس والی مگر در حقیقت ننگی) پر لعنت بھیجتا ہے اور
انہیں عذاب جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز با جماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے جہاں

کی خواہش ہوتی تو جماعت میں شریک ہوں، مسجد نبوی کی نماز اور حضور اقدس کی اقتداء میں
باجماعت نماز، کہ ساری متاعِ کائنات اس کے سامنے ہیچ۔ اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی
ہے ۔ ۔ ۔ نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی تحدیدات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو
عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں۔ جیسی کی
طرف "متلفعات بمروطهن" میں بھی اشارہ ہے۔ وہ صفوں میں بھی ان کی صف سب سے
آخر میں ہوں۔ کہ سب سے آخر میں آئیں سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں
کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے ۔ اور بعض فقہا و آئمہ نے تو جماعت
میں مرد و زن کے محاذات کو مفسد نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں
بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیہؓ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش
ظاہر کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہاری نماز اور اس نماز سے افضل ہے
جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے
صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی
اس نماز کی یہ فضیلت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مساجد کی نماز سے ہزاروں گنا
فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت
کی ساری دولتیں اس کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اور وہ اس عہد سعادت میں جب کہ
عفت و تقویٰ کا معیار سو در سو تھا اور تسلیم و انقیاد کی کیفیت تو عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ
آیت حجاب کے نازل ہونے پر جن خواتین نے راہ چلتے ہوئے اعلان حجاب سنا، ان
کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ
اپنے آپ کو چادروں میں چھپا لیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک آیت

میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا ہی چاہیں تو تاریکی شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نماز عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولیخرجن تفلات۔ مسجد جانے کے لئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور زیب آپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے۔ ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔

فہی کذا وکذا ۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگائی گئی ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن یعنی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بجنے والا زیور پہنے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو کوئی زیور معلوم ہو سکے یا اس کے بجنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولا یضربن بارجلہن۔ اور یہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں ہے اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلبوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مردوں سے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحب شریعت کو گوارا نہ تھی۔ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

<u>عورت کی عملی، سیاسی، علمی، خیالی اور تصوراتی تحدیدات</u> اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور تردد ہوتا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی

ناگزیر ہے حکومت و ریاست، ولایت عامہ، قضا اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا
گیا ہے کہ یہ صرف تمدنی، معاشرتی، نسل اور علمی حد تک نہیں بلکہ خیالات و تصورات تک میں
حیا و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے
ناجائز اور کسی نے مکروہ تحریمی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضو سے عورت تک نہ پہنچ جائے اور
جو عمل تطہیر ذنوب و اتمام کا ذریعہ تھا موجب آثام نہ بننے پائے۔ جس نماز میں امام عورت کے
بیٹھنے کی قدر سے ہٹ کر کھڑا ہوگا گو اس پر دونوں اور پیادہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصوری محاسن
مرأۃ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے۔ امام جماعت مقتدیوں کے اقتداء کی نیت کرے گا۔
مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے گا۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی
نیت نہیں کی جائے گی کہ کہیں خیال یا اہتمام نماز تصورات بد کا ذریعہ اور ناجائز حظ نفس کا موجب
نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھروں میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں
قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا "مساوات کے دور" میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس طرح
گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی
مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا جبکہ روحانی و دنیوی ضروریات کے لئے
شرائط و قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائش زینت اور ذریعۂ فواحش بننے سے محترز رہتے
ہوئے گھر سے باہر جا سکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے تمام خطرات
اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت
اور نعمت ہے۔ اگر گھروں میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر
وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو
مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

اپنی اختیار و رغبت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پردہ نہیں بے پردگی خرابی صحت کی باعث ہے | پھر عورتوں کی خرابیٔ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابی صحت کی شرح میں اضافے کے اسباب وہی ہیں جو عورتوں کے نہیں مردوں، بچوں، بوڑھوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریات زندگی سے اکثریت استعمال کنندوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی گرمی سے بچنے کے لئے مناسب لباس، پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے۔ چاہئیے یہ کہ خرابیٔ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جارہے ہیں نیز طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادیٔ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آئیے ان مخلوط اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں، اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یورپ کے آئے دن کے ہزاروں نوع بنوع جنسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیئے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاط حمل اور متعلقات حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس

ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہو کر بیمار رہتی ہے۔

نظر بازی، ذہنی انتشار اور فساد معاشرہ کا ذریعہ پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا، بلکہ پورے معاشرہ کے تمام اور بیماری کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ وہ جدھر سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذب نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان، جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی الجھنیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے کھچاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری، جنسی اور اخلاقی بیماریوں، ضعف بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا کسی بے پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے اور اقتصادی حالات جاہلانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصور تعلیم قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے، وہ اس سے دفتر، کارخانوں اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجینئر یا مزدور بنائے اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفاشعار، مہذب اور باحیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا و رسول، شوہر اور خاندان کے متعلق اور اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اولین تربیت گاہ ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ

باسٹلوں میں گوہر حیا کی نیلامی کرتی پھرے ۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحت جسمانی و روحانی اور حسن سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روا دار نہ ہو گی پھر تعلیم نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہور اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہو گئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیم دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجبات فحشاء سے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیاء عہد جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہد جاہلیت نے پیش کیا علم حیاء سے حاصل ہوتا ہے بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم حقیقی اور علمی ذہنیت بھی فنا ہو گئی ، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیم جدید کے لئے خواتین کی عفت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہو گی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہو گا عصمت و عفت کے پہرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہو گی۔

<u>ماڈرن بننے کے شوقین</u> | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام مغربی اقوام میں دیکھیں
کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قعرِ مذلت میں پہنچ چکا ہے۔ — پھر انہیں
عالمِ اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں
تقلیدِ یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام
ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی
ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ ([illegible])

کتاب
الطہارۃ

باب الوضوء

وضو کے مسائل

★

وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص وضو کی ابتداء میں قصداً یا سہواً بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بسم اللہ قصداً یا سہواً رہ جائے تو وضو پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا تاہم بار بار جان بوجھ کر ترک کرنا موجب ملامت ہے۔

قال الحصکفیؒ فی باب سنن الوضوء والبداءة بالتسمیة ای من سنن الوضوء (رد المحتار) ... وقال ایضاً قال وتركها فانه لا یوجب فساداً بل سهواً بل اساءة لو عامداً غیر مستخف وقالوا لا ساءة ادون من الکراهة (الدر المختار ج ۱ ص ۱۰۸)[1]

برش مسواک کی سنت کا متبادل نہیں

سوال:۔ مسواک سے غرض دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے موجودہ دور میں برش سے یہ فائدہ اچھے طریقے سے حاصل ہوتا ہے کیا یہ مسواک کا نعم البدل ہو سکتا ہے؟ یعنی برش کے استعمال سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ دانتوں کی صفائی بلاشک مسواک کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے لیکن مسواک کا استعمال صرف دانتوں کی صفائی کے لیے نہیں بلکہ بنیادی عنصر اس میں سنت رسولؐ کا اتباع ہے برش میں وہ خصوصیات اور صفات نہیں پائی جاتیں جو مسواک میں موجود ہوتی ہیں اس لیے اس سے سنت ادا نہ ہوگی تاہم برش کا محض استعمال جائز ہے۔

---

[1] قال ابن نجیمؒ فی سنن الوضوء (قوله کالتسمیة) ای کما ان التسمیة سنة فی الابتداء مطلقاً (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۸) ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۶ الفصل الثانی فی السنن۔

قال ابراہیم الحلبیؒ ثم المستحب ان یکون السواک من شجرة مرة فی غلظ [illegible] الخنصر [illegible] قالوا ولیکن [illegible] عود الاراک والزیتون والقضیب [illegible] الزیتون وان یکون [illegible] شبرا فی [illegible] (کبیری آداب الوضوء ص۳۴)

مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے؟

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا مسواک کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر مسواک میسر نہ ہو یا منہ میں دانت نہ ہوں یا اس کے استعمال سے کسی تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام بن سکتی ہے۔[1]

قال ابن عابدینؒ: قال فی الحلیة ثم بای اصبع استاک لا بأس به والافضل ان یستاک بالسبابتین یبدأ بالسبابة الیسری ثم بالیمنی وان شاء استاک بابهامه الیمنی والسبابة الیمنی یبدأ بالابهام من الجانب الایمن فوق وتحت ثم بالسبابة من الایسر کذلک۔[2] (رد المحتار علی الدر المختار سنن الوضوء ج۱ ص۱۱۵)

مسواک چبانے کا حکم

سوال:- مسواک استعمال کرتے وقت اگر مسواک نرم کرنے کے لیے دانتوں سے چبایا جائے تو کیا ازروئے شریعت عمل درست ہے؟

الجواب:- مسواک کو دانتوں سے باریک کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور سنت کی ادائیگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ طبی لحاظ سے مسواک کے چبانے سے قوت بینائی متاثر ہو سکتی ہے اس لیے مسواک کو چبانا مناسب نہیں۔

کما اخرجه البخاری عن عائشة ..... فاخذت السواک فقضمته ونفضته وطیبته ثم دفعته الی النبی ﷺ۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۶۳۸ باب وفات النبی ﷺ) [illegible]

---

[1] قال ابن عابدینؒ [illegible] الاکثر [illegible] عود [illegible] (رد المحتار ج۱ ص۱۱۵ سنن الوضوء) [illegible] بکل عود الا الرمان والقصب [illegible]۔

[2] قال ابن نجیمؒ وتقوم الاصبع او الخرقة الخشنة مقامه عند فقده او عدم اسنانه فی تحصیل الثواب لا عند وجوده۔ (البحر الرائق سنن الوضوء ج۱ ص۲۱ ومثله فی الزیلعی سنن الوضوء ج۱ ص[illegible])

ولا یمصہ فانہ یورث العمی۔ رد المحتار علیٰ صدر الدر المختار، سنن الوضوء ج۱ ص[illegible][1]

ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم

سوال:۔ آجکل عام عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں کیا ناخن پالش کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ ناخن پالش جدید دور کا مسئلہ ہے اس کیلئے مستقل جزئیہ کسی قدیم کتاب میں نہیں ملتا ہے موجودہ دور کے نامور علماء ناخن پالش کے عدم جواز کے قائل ہیں کیونکہ ناخن پالش سے ناخن کا جسم مستور ہوکر وضو اور غسل میں اس کو پانی پہنچنا ممکن نہیں رہتا اس لیے گوندھے ہوئے آٹے کی طرح مانع وضو اور غسل ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء کے نزدیک ناخن پالش اگر عورت کی زینت مان لی جائے تو پھر ایسی صورت میں اگر ازالہ میں دشواری نہ ہو تو وضو اور غسل کے لیے ازالہ ضروری ہوگا اور اگر ازالہ میں حرج ہو لیکن اس کی تہہ نہ بنی ہو تو پھر اس کا حکم مہندی کی طرح ہوگا اور تہہ بن جانے کی صورت میں اس کے ازالہ میں حرج ہو تو موجب حرج ہونے کی وجہ سے پانی کا ایصال ضروری نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویجب ای یفرض غسل کل ما یمکن من البدن بلا حرج مرۃ ... ولا یمنع ما علیٰ ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانہ او فی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلبا منع وھو الاصح۔ رد المحتار علیٰ صدر رد المحتار، ابحاث الغسل ج۱ ص[illegible][2]

تاہم موجودہ وقت میں یہ مغربی ثقافت کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے اس لیے مسلم گھرانوں کی خواتین کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ لہٰذا محققین علماء کے نزدیک ناخن پالش وضو اور غسل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

وضو میں گردن کا مسح

سوال:۔ وضو میں گردن کا مسح کسی روایت سے ثابت ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثبوت فقہاء کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے؟

---

[1] اخرجہ الزیلعیؒ عن عائشۃ قالت ...... فاخذت السواک فقضمتہ وطیبتہ ثم دفعتہ الیٰ رسول اللہ ﷺ۔ نصب الرایۃ ج۱ ص[illegible] احادیث السواک۔ وقال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ لا یمص السواک فانہ یورث العمی۔ السعایۃ ج۱ ص[illegible] باب سنن الوضوء ومثلہ فی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱۱ ص[illegible] باب وفات النبی ﷺ الفصل الاول۔

الجواب:۔ گردن کے مسح کے بارے میں متعدد روایات آئی ہیں جن میں موقوف روایات کے علاوہ مرفوع روایات بھی ہیں۔

لما ذكر العلامة العينيؒ عن ابن عمرؓ ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من توضأ ومسح عنقه لم يغل بالأغلال يوم القيامة۔ (البناية شرح الهداية ج۱ ص۱۶۱ باب الوضوء)

البتہ فقہاء کے نزدیک تعیینِ حکم میں اختلاف ہے بعض علماء اس کی سنیت کے قائل ہیں لیکن صاحب الخلاصہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے اور صاحب کنز نے بھی اس کو مستحباتِ وضو میں ذکر کیا ہے۔

قال ابن نجيمؒ وقيل سنة وهو قول الفقيه أبي جعفر وبه أخذ كثير من العلماء كذا في شرح مسكين وفي الخلاصة الصحيح انه ادب وهو بمعنى المستحب۔ (البحر الرائق مستحبات الوضوء ج۱ ص۲۸)[1]

سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ

سوال:۔ سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ سر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سر کے ابتدائی حصہ پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں رکھ کر گردن تک ایسے طریقے سے لے جائے کہ اس سے تمام سر کا احاطہ ہو۔

قال العلامة محمد امينؒ والاظهر ان يضع كفيه واصابعه على مقدم راسه ويمدهما الى القفا على وجه يستوعب جميع الرأس۔ (رد المحتار على الدر المختار سنن الوضوء ج۱ ص۱۲۱)[2]

---

[1] عن وائل بن حجرؓ قال شهدت النبي ﷺ وأتي بإناء فأكفأ على يمينه ثلاثا ثم غمس يمينه في الماء فغسل بها واغترف بها اليمنى حتى جاوز المرفق ثلاثا ثم غسل يساره ثلاثا حتى جاوز المرفق ثلاثا ثم مسح على رأسه ثلاثا وظاهر أذنيه وظاهر رقبته۔ (نصب الراية ج۱ ص۱۲)
وقال صاحب التنويرؒ في مستحبات الوضوء ومسح الرقبة۔ وقال ابن عابدينؒ تحت قوله (ومسح الرقبة) هو الصحيح وقيل انه سنة۔ (رد المحتار على الدر المختار مستحبات الوضوء ج۱ ص۱۲۴) ومثله في السعاية ج۱ ص۱۸۱ باب مسح الرقبة۔

[2] قال ابن نجيمؒ قال الزيلعيؒ تكلموا في كيفية المسح والاظهر ان يضع كفيه واصابعه... (البحر الرائق، سنن الوضوء ج۱ ص۲۶) ومثله في الهندية ج۱ الفصل الثالث في سنن الوضوء

وضو کرتے وقت داڑھی تر کرنے کا حکم

سوال:۔ وضو کرتے وقت چہرہ دھونے کی حالت میں داڑھی کا کیا حکم ہے؟ کیا پوری داڑھی دھونا ضروری ہے یا بعض حصہ پر اکتفاء درست ہے، نیز گھنی اور ہلکی داڑھی کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ داڑھی کی دو قسمیں ہیں، گھنی اور ہلکی، اگر بالوں سے چہرے کی کھال نظر آتی ہو تو ایسی داڑھی ہلکی شمار ہوتی ہے اور جس داڑھی میں چہرے کی کھال مستور ہو تو اس کو گھنی داڑھی کہا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی ہلکی داڑھی کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ جو کھال نظر آتی ہو اس کا دھونا بھی فرض ہے اور گھنی داڑھی میں چہرے کی حدود میں جو داڑھی واقع ہو اس کا دھونا فرض ہے اور جو داڑھی لٹکی ہوئی ہے اس کا دھونا نہیں بلکہ صرف مسح ضروری ہے۔[۱]

قال الحصكفيؒ: ثم لا خلاف ان المسترسل لا يجب غسله ولا مسحه بل يسن، وان الخفيفة التي ترى بشرتها يجب غسل ما تحتها وقال ابن عابدينؒ: (قوله المسترسل) اى الخارج عن دائرة الوجه، وفسره ابن حجر في شرح المنهاج بما لو مد من جهة نزوله لخرج عن دائرة الوجه. (رد المحتار على الدر المختار: فرائض الوضوء (صـ) اهـ

خضاب والی داڑھی پر وضو کا حکم

سوال:۔ بالوں پر خضاب لگانے سے حقیقت میں بالوں کی اپنی حقیقت غائب ہو کر ان پر باریک سا پردہ آجاتا ہے، کیا اس سے وضو پر اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ بالوں پر خضاب لگانے سے کوئی تہہ نہیں بنتی اس لیے ایسے رنگ کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ رنگریز کے ہاتھوں پر چہرے کو رنگ دیتے وقت رنگ کا لگ جانا مانع وضو اور غسل نہیں۔ البتہ اگر بدن کے کسی ایسے حصہ پر جس کا دھونا ضروری

---

[۱] قال في الهندية: وروى عن ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى انه يجب امرار الماء على ظاهر اللحية هو الاصح كذا في التبيين وهو الصحيح هكذا في الزاهدي والشعر المسترسل من الذقن لا يجب غسله كذا في المحيطين. (الهندية ج ۱ ص كتاب الطهارة، الباب الاول) ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص فرائض الوضوء.

ہو جیسے کپڑے والا رنگ (پینٹ) لگ گیا ہو تو اس سے تہہ بن جانے کی وجہ سے پانی کا پہنچنا ممکن نہیں اس لیے اس کا ہٹانا ضروری ہے اور اس کی موجودگی میں وضو بھی درست نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه او فی سنه المجوف به یفتی وهو الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۵۴ مباحث الغسل) [1]

وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا

سوال:۔ وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مقصود بالذات نہیں بلکہ مسنون دعائیں پڑھتے وقت ادب یہ ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: وان یقول بعد فراغه سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك واشهد ان محمدا عبده ورسوله ناظرًا الی السماء۔ (رد المحتار علی الدر المختار: مندوبات الوضوء ج۱ ص۱۲۸) [2]

عبادت کیے بغیر وضو علی الوضوء کا حکم

سوال:۔ ایسا وضو جس سے کوئی عبادت نہ ہوئی ہو تو ایسی حالت میں دوبارہ وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وضو علی الوضوء بالاتفاق جائز ہے البتہ اگر ایک وضو کیے ہوئے وضو سے کوئی ایسی عبادت ادا نہ کی جائے جس کے لیے وضو شرط ہو تو ایسی صورت میں وضو علی الوضوء کراہت سے خالی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: وفی شرح المنیة فاذا لم یؤد به عمل مما هو المقصود من شرعیته کالصلوٰة وسجدة التلاوة ومس المصحف ینبغی ان لا یشرع تکراره قربة لکونه غیر مقصود لذاته۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۱۱۹ مطلب فی الوضوء علی الوضوء) [3]

---

[1] قال العلامة الشرنبلالیؒ: ولا ما علی ظفر صباغ من صبغ للضرورة وعلیه الفتوی (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۹ فصل فی تمام احکام الوضوء) ومثله فی غنیة المستملی ص۴۳

[2] قال العلامة ... بعد ما ذکر الادعیة المأثورة ناظرًا الی السماء۔ (غنیة المستملی ص۲۴ سنن الوضوء)

[3] قال ابراهیم الحلبیؒ: فاذا لم یؤد به عمل مما هو مقصود من شرعیته کالصلوٰة وسجدة التلاوة ومس المصحف ینبغی ان لا یشرع تکراره قربة .... (الحلبی الکبیر: سنن الوضوء ص۲۶)

وضوء میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضوء کرتے وقت چہرے کو ایک ہاتھ سے دھوتے ہیں جس میں پانی کا ضیاع اور بسا اوقات استیعاب میں بھی خلل آجاتا ہے کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: وضوء میں مغسول اور ممسوح اعضاء کا استیعاب مسنون ہے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا ہے لہٰذا ایک ہاتھ سے چہرہ دھونا خلاف سنت ہے۔

لما قال الامام محمد اسماعیل البخاریؒ: باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة، عن ابن عباس انه توضأ، وغسل وجهه اخذ غرفة من ماء فمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرى فغسل بها وجهه الخ (الجامع الصحيح البخاری ج۱ ص۲۶ باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة) [1]

گلے کے مسح کا حکم

سوال: بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ گردن کے مسح کے ساتھ ساتھ گلے کا مسح بھی کر جاتے ہیں، کیا گلے کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: آداب وضوء میں گردن کا مسح شامل ہے، حلقوم (گلے) کا مسح اسلاف میں سے کسی سے ثابت نہیں اس لئے گلے کا مسح کرنا بدعت ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: والثانی مسح الرقبة وهو بظهر اليدين واما مسح الحلقوم فبدعة۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۹ کتاب الطہارت) [2]

وضوء میں ہاتھ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا سنت ہے

سوال: ہمارے علاقہ میں لوگ وضوء کے دوران ہاتھوں پر انگلیوں کی طرف سے پانی بہاتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: چہرہ ایک ہاتھ سے دھونا اور سر کا مسح ایک ہاتھ سے کرنا خلاف سنت ہے۔ (اعلاء السنن ج۱ ص۳۲ فصل فی سنن الوضوء وآدابه ومکروهاته)

[2] قال الحصکفیؒ: ومسح الرقبة بظهر يديه لا الحلقوم لانه بدعة۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۴ مستحبات الوضوء)
ومثله فی الهندية ج۱ ص۸ الفصل الثالث فی المستحبات۔

الجواب:۔ وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اسی طرح دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا بھی سنت ہے۔

لما فی الھندیۃ: ومن السنن البداءۃ من رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔
(الھندیۃ ج۱ ص۸ الفصل الثالث فی المستحبات) ۔[1]

وضو کرنے کا افضل طریقہ

سوال:۔ وضو کھڑے ہو کر کرنا چاہیئے یا بیٹھ کر؟

الجواب:۔ وضو بیٹھ کر کرنا چاہیئے اس لیے کہ وضو کے آداب میں یہ بات ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے۔

ومن الآداب ان یجلس المتوضی مستقبل القبلۃ عند غسل سائر الاعضاء
ومن الآداب ان یکون جلوسہ علی مکان مرتفع۔
(حلبی کبیر ج۱ ص۳۱ باب الوضوء) ۔[2]

سردی کے موسم میں اعضاء وضو دھونے کا طریقہ

سوال:۔ سردی کے مہینوں میں اعضاء وضو اتنے خشک ہو جاتے ہیں کہ اگر ان پر پانی بہایا جائے تو اس سے اندام تر نہیں ہوتا بلکہ خشک رہ جاتا ہے، اس صورت میں وضو کیسے کیا جائے؟

الجواب:۔ سردی کے موسم میں خشکی بہت ہو جاتی ہے اور پانی اعضاء وضو کو گیلا نہیں کرتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ دھونے سے قبل مخصوص اندام کو تر کیا جائے پھر پانی بہایا جائے تاکہ اندام اچھی طرح دھویا جا سکے۔

لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: عن خلف بن ایوب انہ قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاءہ شبہ الدھن ثم یسیل الماء علیھا لان الماء یتجافی

---

[1] لما قال ابن الھمامؒ: ومن السنن الترتیب بین المضمضۃ والاستنشاق والبداءۃ من مقدم الرأس ومن رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔ (فتح القدیر ج۱ ص۲۳ کتاب الطھارۃ)

[2] قال الحصکفیؒ: والجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل وعبارۃ الکمال وحفظ ثیابہ من المتقاطر وذلک اشمل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۴ آداب الوضوء)
ومثلہ فی السعایۃ ج۱ ص۱۸۰ آداب الوضوء۔

عن الاعضاء فی الشتاء۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۲۱ کتاب الطہارۃ) [1]

وضو میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم

سوال: فقہ کی عام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ استعانت بالغیر مکروہ ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ شاگرد اپنے استاد کے لیے اور ملازم اپنے مالک کے لیے وضو کا پانی تیار کرتے ہیں یا وضو کراتا ہے، کیا یہ استعانت مکروہ نہیں اور اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: اس مسئلہ کے بارے میں اگرچہ فقہی ذخائر میں مطلقاً استعانت بالغیر پر کراہت کا قول کیا گیا ہے مگر محققین کے ہاں یہ مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لیے دو حالتیں ہیں۔ (۱) استعانت تیاری آب، تحصیل آب۔ (۲) استعانت بالغسل والمسح۔ اول الذکر استعانت بہرحال جائز ہے۔ اس قسم کی استعانت حضورؐ کے لیے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جس پر آپؐ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ البتہ ثانی الذکر استعانت بلا عذر شرعی مکروہ ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: وحاصلہ ان الاستعانۃ فی الوضوء ان کانت بصب الماء واستقائہ واحضارہ فلا کراہۃ بہا اصلاً ولو بطلبہ وان کانت بالغسل والمسح فتکرہ بلا عذر۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۲۷ آداب الوضوء مطلب فی مباحث الاستعانۃ فی الوضوء بالغیر) [2]

بیماری کی وجہ سے وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ

سوال: بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے کہ اگر وہ کلی کرتے ہیں تو دانتوں سے خون آتا

---

[1] وفی الہندیۃ: من خلف عذر یوجب انہ قال ینبغی ان یستوفی ذالک التقاطر من عضوہ باناء شبہ الطہور تحریکا لہ علیہا الا ان ما یتجافی من الاعضاء فی الشتاء۔ (الہندیۃ ج۱ ص۹ الفصل الثالث فی مستحبات)

[2] قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ: ومن الآداب ان یتولی امر الوضوء بنفسہ لحدیث عمر رضی اللہ عنہ قال: انا لا نستعین علی وضوئنا، ومع ہذا لو استعان بغیرہ جاز بعد ان لا یکون الغسل غیرہ بل یغسل بنفسہ وقد صح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعان بالمغیرۃ وکان المغیرۃ یصب الماء ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغسل۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۱۱۲ آداب الوضوء)

شروع ہوجاتا ہے، اب اگر بیمار بوجہ عذر کے کلی نہ کرسکے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنن وضو میں داخل ہے، اگر کوئی شخص اس کو بغیر عذر ترک کرے تو گنہگار ہوگا، تاہم عذر کی وجہ سے کلی ترک کرنے پر وضو متأثر نہ ہوگا اور نہ گناہ لازم آئے گا۔

قال الحصکفیؒ: وغسل الفم أي استیعابه بمیاه ثلثة والأنف بمیاه وهما سنتان مؤکدتان، فلو ترکهما أثم على الصحيح سراج، قال في الحلية: لعله محمول على ما إذا جعل الترك عادة له من غير عذر. (الدر المختار ج ۱ ص[illegible] سنن الوضوء)[1]

بیسن میں وضو کرنے کا حکم

سوال: آجکل کے نئے دور میں منہ ہاتھ دھونے کیلئے بیسن بنائے گئے ہیں جن میں کھڑے ہوکر منہ ہاتھ دھویا جاتا ہے، کیا ان میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وضو کرنا جائز ہے لیکن خلاف الادب ہے۔

ومن الآداب أن يجلس المتوضي مستقبل القبلة عند غسل سائر الأعضاء، ومن الآداب أن يكون جلوسه على مكان مرتفع. (حلبي كبير ص ۲۴ آداب الوضوء)[2]

وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم

سوال: آجکل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وضو کے دوران ادعیہ ماثورہ پڑھنا مسنون عمل ہے، دنیاوی باتوں

---

[1] وفي الهندية: والسنة أن يتمضمض ثلاثاً أولاً ثم يستنشق ثلاثاً ويأخذ لكل واحد منهما ماءً جديداً في كل مرة ..... ثم ترك المضمضة والاستنشاق أثم على الصحيح لأنهما من سنن الهدى وتركها يوجب الإساءة الخ
(الهندية ج ۱ ص ۷ الفصل الثاني في سنن الوضوء)

[2] قال الحصكفيؒ: والجلوس في مكان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل وعبارة الكمال: وحفظ ثيابه من التقاطر وهي أشمل. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۲۶ آداب الوضوء)
ومثله في السعاية ج ۱ ص ۱۸۰ آداب الوضوء.

کی وجہ سے چونکہ اس میں خلل آتا ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے، البتہ کسی ضروری سوال کا جواب یا کسی کو پیغام وغیرہ دینا بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ التکلم بکلام الناس لانہ یشغلہ عن الادعیۃ۔ قال الطحطاویؒ: مالم یکن لحاجۃ تفوتہ بترکہ۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۲ فصل مکروہات الوضوء) [1]

بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم

سوال:۔ بعض حضرات بواسیر کے مرض کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے آن سے ہر وقت ریح (ہوا) یا خون وغیرہ کا خروج رہتا ہے، ان کے وضو کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بواسیر کے مریض کا مرض اگر اتنا شدید ہو کہ ہر وقت ریح یا خون کی آمد جاری ہو تو ایسا مریض معذورین کے حکم میں ہے وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نماز پڑھے۔ اور اگر معذورین کی حد تک مرض نہ پہنچا ہو تو پھر بواسیر کی وجہ سے نکلنے والی ریح اور خون دونوں ناقض وضو ہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: وصاحب عذر من بہ سلس بول لا یمکنہ امساکہ او استطلاق بطن او انفلات ریح ..... ان استوعب عذرہ تمام وقت صلوٰۃ مفروضۃ بان لا یجد فی جمیع وقتہا زمنا یتوضأ ویصلی فیہ خالیاً من الحدث ولو حکماً ..... حکمہ الوضوء لکل فرض اللام للوقت ثم یصلی بہ فیہ فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل ۔ اھ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۰۵ باب الحیض) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومن ادابہ ..... وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجۃ تفوتہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۶ آداب الوضوء مطلب فی مباحث الاستعانۃ فی الوضوء بالغیر)

[2] قال المرغینانیؒ: ومن بہ سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا یرقأ یتوضؤن لوقت کل صلوٰۃ فیصلون بذلک الوضوء فی الوقت ماشاؤا۔

(الھدایۃ ج۱ ص۶۶ باب الحیض)

ومثلہ فی رد المحتار ج۱ ص۳۰۵ باب الحیض مطلب فی احکام المعذور۔

وضو میں واجبات نہیں

سوال:۔ کیا وضو میں واجبات ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں واجبات نہیں۔

لما قال المصنف ... على انه لا واجب للوضوء و لا للغسل الا الفرض.
(ملخص ... رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۲ سنن الوضوء)؎۱

اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو مس کرنے کا حکم

سوال:۔ اس دور میں اخبارات، جرائد اور رسائل میں قرآن کریم کے الفاظ مع ترجمہ و تفسیر درج ہوتے ہیں اسی طرح تفاسیر میں اکثر حصہ صرف تفسیر کا ہوتا ہے کیا الفاظ قرآنی کے علاوہ تفسیری اوراق کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن کریم کو بلا وضو مس کرنا جائز نہیں البتہ تفسیر یا دیگر متبرکہ کاغذات کو چھونے یا پکڑنے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایات منقول ہیں جن میں بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے عدم کراہت۔ علامہ ابراہیم حلبیؒ نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت بھی ہے تاہم خلاف اولیٰ ضرور ہے۔

قال الشیخ ابراہیم الحلبیؒ: ویکره ایضاً للمحدث ونحوه مس تفسیر القرآن و کتب الفقه وکذا کتب السنن لانها لا تخلو عن آیات وهذا التعلیل یمنع مس شروح النحو ایضاً ... والاصح انه لا یکره عند ابی حنیفةؒ. (کبیری ص ۵۶ فی تتمة باب الغسل)؎۲

کان اور رخسار کے درمیانی حصہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جلدی میں وضو کرتے ہوئے کان اور رخسار کے درمیان والے حصے کو خشک چھوڑ دیتے ہیں

؎۱ قال ابن نجیمؒ: وذکر فی النهایة انه یجوز ان یکون الفرض فی مقدار المسح بمعنی الواجب لانتفائهما فی معنی اللزوم وتعقب بانه تحکم. لما اتفق علیه الاصحاب انه لا واجب فی الوضوء. (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۱ کتاب الطهارة)

؎۲ قال الشیخ اشرف علی تھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کو مس مطلقاً ... امام صاحبؒ کے نزدیک درست ہے، وفی الاخذ به سهولة. (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۹۳ مسائل متفرقہ کتاب الطهارة)

کیا اس سے وضو پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہی تصریحات کی رو سے کان اور رخسار کے درمیان والا حصہ چہرے کے حکم میں داخل ہے، وضو میں جس طرح چہرے کا دھونا فرض ہے اسی طرح اس جز کا دھونا بھی فرض ہے۔

قال العلامة الحصکفی: وما بین العذار والأذن لدخوله فی الحد وبه یفتی۔ وقال ابن عابدین: قوله وما بین العذار والأذن ای ما بینهما من البیاض قوله وبه یفتی وهو ظاهر المذهب وهو الصحیح وعلیه أکثر المشائخ۔ (رد المحتار ج۱ مبحث کتاب الطهارة) [1]

سرخی، پاؤڈر، کریم کی موجودگی میں وضو کا حکم

سوال:۔ لپ سٹک، کریم اور پاؤڈر کے ہوتے ہوئے وضو کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ مروجہ سرخی، کریم وغیرہ تیل کے مانند ہے اور پاؤڈر گرد وغبار کے مانند ہے جس کی وجہ سے اعضاء پر تہہ نہیں جمتی، اس لیے ان کے ہوتے ہوئے بھی وضو درست ہے لیکن وضو کرتے وقت اولاً ان کو زائل کرے پھر دھوئے، البتہ اگر سرخی یا کریم ایسی ہو جس سے ناخن پالش کی طرح تہہ جمتی ہو تو پھر وضو یا غسل جائز نہیں۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانی: عن خلف بن ایوب انه قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاءه شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۳ کتاب الطهارة) [2]

جماعت کے فوت ہونے کے ڈر کے باوجود کامل وضو کرنا ضروری ہے

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بسا اوقات جلدی میں ہوتے ہیں اور جماعت کے فوت ہونے کے ڈر سے وضو میں سنن وغیرہ پورے نہیں کرتے، تو کیا وضو کی سنن کو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیے یا سنن کو پورا کیا جائے؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: واما البیاض الذی بین العذار وبین شحمة الاذن فقد ذکر شمس الائمة الحلوانی انه ظاهر المذهب۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۸۶ کتاب الطهارة)

[2] وفی الهندیة: عن خلف بن ایوب انه قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاءه بالماء شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۹ باب الوضوء الفصل الثالث فی المستحبات)

اگرچہ جماعت فوت ہوجانے کا خطرہ ہو؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں اسباغ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض، سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے، اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سنتیں وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہوجائے۔

قال الشیخ ملا علی قاریؒ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسبغوا الوضوء بفتح الہمزۃ ای اتموہ باتیان جمیع فرائضہ وسننہ واکملوا واجباتہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲۱)[1]

آبِ زمزم سے وضو و غسل کا حکم

سوال: کیا آبِ زمزم سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ زمزم کا پانی ایک متبرک پانی ہے، اس کے آداب و احترام کا خیال رکھنا شرعی ذمہ داری ہے، اسلئے بے وضو شخص کا اس سے وضو کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرا قابلِ استعمال پانی میسر ہو ورنہ بلا کراہت جائز ہے، لیکن غسلِ جنابت ہر حال میں کراہت سے خالی نہیں اور اس سے استنجاء کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ تاہم اگر باوضو آدمی اس سے تبرک کے طور پر وضو کرے یا پاک بدن والا شخص اس سے غسل کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال السید احمد الطحطاویؒ: یجوز الاغتسال والتوضؤ بماء زمزم ان کان علی طہارۃ للتبرک فلا ینبغی ان یغتسل بہ جنب ولا محدث ولا فی مکان نجس ولا یستنجی بہ ولا یزال بہ نجاسۃ حقیقیۃ من بعض العلماء تحریم ذٰلک وقیل ان بعض الناس استنجی بہ فحصل لہ باسور۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۶ کتاب الطہارۃ اقسام المیاہ)[2]

---

[1] عن عبداللہ بن عمرو قال رجعنا مع رسول اللہ من مکۃ الی المدینۃ حتی اذا کنا بماء بالطریق تعجل قوم عند العصر فتوضؤا وھم عجال فانتہینا الیہم واعقابہم تلوح لم یمسہا الماء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۴ باب سنن الوضوء)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: یکرہ الاستنجاء بماء زمزم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذٰلک۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ کتاب الحج مطلب فی کراھیۃ الاستنجاء بماء زمزم)

نشہ آور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم

سوال: کیا شراب، ہیروئن، چرس وغیرہ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: چرس، افیون، شراب، ہیروئن پینا بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں، البتہ پینے کے بعد جب نشہ غالب آجائے تو وضو متأثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: (وینقضہ اغماء) ومنہ الغشی (وجنون وسکر) بان یدخل فی مشیتہ تمایل ولو باکل الحشیشۃ اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ وسکر) ھو حالۃ تعرض للانسان من امتلاء دماغہ من الابخرۃ المتصاعدۃ من الخمر ونحوہ فیتعطل معہ العقل الممیز بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ اسمعیل عن البرجندی۔ (ردالمحتار ج۱ ص[illegible] باب نواقض الوضوء)[1]

نشہ آور دوائیوں کے استعمال کی صورت میں وضو کا حکم

سوال: آجکل بعض دوائیاں ایسی ہیں جن میں نشہ ہوتا ہے کیا ان کے استعمال سے وضو متأثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: دوائی اگرچہ بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں مگر جب اس کے نشہ کی وجہ سے انسان پر غشی طاری ہو جائے تو وضو باقی نہیں رہے گا، ویسے بغیر نشہ کے وضو متأثر نہ ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: (وینقضہ اغماء) ومنہ الغشی (وجنون وسکر) بان یدخل فی مشیتہ تمایل ولو باکل الحشیشۃ۔ وقال ابن عابدینؒ: (قولہ وسکر) ھو حالۃ تعرض للانسان من امتلاء دماغہ من الابخرۃ المتصاعدۃ من الخمر ونحوہ فیتعطل معہ العقل الممیز بین الامور الحسنۃ والقبیحۃ۔ (ردالمحتار ج۱ ص[illegible] باب نواقض الوضوء)[2]

---

[1] وکذا فی الہندیۃ: والعتہ والسکر، قال وحد السکر فی ھذا الباب ان لا یعرف الرجل من المرأۃ وھو اختیار بعض المشائخ، وصدر الشہید والصحیح ما نقل عن شمس الائمۃ الحلوانی انہ اذا دخل فی بعض مشیتہ تحرک کذا فی الذخیرۃ (فتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۲ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء)

[2] وفی الہندیۃ: والعتہ والسکر، قال وحد السکر فی ھذا الباب ان لا یعرف الرجل من المرأۃ وھو اختیار بعض المشائخ، والصحیح ما نقل عن شمس الائمۃ الحلوانی انہ اذا دخل فی بعض مشیتہ تحرک۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۱ ص۱۲ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء)

انجکشن (ٹیکہ) لگانے سے وضو کا حکم

سوال: آج کل حضرات بیمار لوگوں کو جو انجکشن لگاتے ہیں، ایک عام گوشت میں، جگر اور پشت میں، اور ایک رگ میں جس کو وریدی انجکشن کہا جاتا ہے، کیا ان انجکشنوں سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر نجس چیز جب بدن کے کسی بھی حصے سے نکل جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان دونوں قسم کے انجکشنوں میں وریدی انجکشن تب یقینی ہوتا ہے جب پچکاری میں خون آجائے ورنہ یقینی نہیں، چونکہ اس انجکشن سے نجس شے یعنی خون کا خروج ہو جاتا ہے اس لیے صرف وریدی انجکشن سے وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وینقضہ خروج کل خارج نجس منہ ای من المتوضی الحی معتادا او لا من السبیلین اولا الی ما یطہر ای یلحقہ حکم التطہیر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۴ مطلب نواقض الوضوء)[1]

فلم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا

سوال: ٹی وی، وی سی آر اور فلم بینی وغیرہ سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: ٹی وی، وی سی آر یا فلم وغیرہ دیکھنا امور قبیحہ ہیں، اس عمل سے انسان گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے لیکن اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ مستحب یہ ہے کہ گناہ کے ان کاموں کے ارتکاب کے بعد وضو کر لیا جائے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومندوب للنوم علی طہارۃ واذا استیقظ منہ ...... وبعد غیبۃ وکذب ونمیمۃ وکل خطیئۃ الخ

(نور الایضاح ص ۳۳ فصل الوضوء علی ثلاثۃ اقسام)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وینقضہ خروج نجس منہ ای وینقض الوضوء خروج نجس من المتوضی الخ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ کتاب الطہارۃ)

[2] قال قاضیخانؒ: ومندوب ...... ومنہا الوضوء بعد الغیبۃ وبعد انشاد الشعر۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۲ باب الوضوء والغسل فیہ سبعۃ فصول) ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث فی المستحبات۔

گرم پانی سے وضو جائز ہے

سوال:۔ گرم پانی سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ پانی جو پاک ہو اس سے مطلق وضو کرنا جائز ہے چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا، تاہم دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبی خاطر سے مکروہ ہے۔

ان عمرؓ کان یسخن لہ ماء فی قمقمة ویغتسل بہ ۔
ان عمرؓ قال لا تغتسلوا بالماء المشمس فانہ یورث البرص۔ (دارقطنی ج۱ ص۳۸،۳۹ باب الماء المسخن)[1]

کشف عورت ناقض وضو نہیں

سوال:۔ کیا کشف عورت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب:۔ کشف عورت مفسد صلوٰۃ ہے لیکن ناقض الوضو نہیں لہٰذا مرد یا عورت کا ستر ظاہر ہونے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اگر کشف عورت کا ارتکاب بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔

لما قال ابراهیم الحلبیؒ ومن الآداب ان یستر عورته حین فرغ ای من الاستنجاء والتجفیف لان الکشف کان لضرورة وقد زالت والله احق ان یستحیی منه۔ (کبیری ص۳۰ آداب الوضوء)[2]

وضو کے بعد شک غیر مؤثر ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کو وضو یا غسل کرنے کے بعد پیشاب نکلنے کا شک ہوا لیکن غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی چیز نہیں نکلی ہے، یا بسا اوقات ریح نکلنے کا شبہ ہوتا ہے کیا ایسی صورت میں وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک پیشاب کے قطرے یا ریح نکلنے کا یقین نہ ہو محض شک کی بنا پر

---

[1] عن ذکوان بن شریک ...... فقلت ما یمنعنی ان اغتسل بہ ... فاخذت ماء فاغتسلت بہ ۔ اھ وعن عائشةؓ قالت نھی رسول اللہ ان یتوضأ بالماء المشمس
(نصب الرایة ج۱ ص۱۰۲ باب الماء الذی یجوز بہ الطہارة)
ومثلہ فی السعایة ج۱ ص۳۲۳،۳۲۴ باب الکراھیة فی الماء المشمس ۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری ومن الآداب ان لا یترک عورته مکشوفة بعد الاستنجاء۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۔ آداب الوضوء)

وضو متاثر نہیں ہوتا لہٰذا وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

قال طاهر بن عبد الرشيدؒ: ومن شك في الحدث فهو على وضوئه ولو كان محدثاً فشك في الطهارة فهو على حدثه. (خلاصة الفتاوى، الفصل الثالث في الوضوء ج۱ ص۲۲)؎۱

وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم

سوال: سرد علاقوں میں ہاتھ پاؤں کو پھٹنے سے بچانے کے لیے وضو مکمل کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں پر مختلف قسم کا صابن لگایا جاتا ہے، کیا اس سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صابن بذات خود پاک چیز ہے اور نظافت کے لیے اس کا استعمال جائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں صابن لگا کر [illegible] اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔

قال القدوريؒ: ويجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احد اوصافه كماء المد والماء الذي اختلط به الزعفران والصابون ....الخ

(مختصر القدوري: كتاب الطهارة ص۹)؎۲

کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: کیا سگریٹ اور نسوار کے استعمال سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

الجواب: دیگر نواقض کے علاوہ وضو ہر اس چیز سے بھی ٹوٹ جاتا ہے جس میں نشہ ہو اور چونکہ نسوار اور سگریٹ میں نشہ کی وہ کیفیت نہیں جس کا اعتبار فقہاء نے کیا ہے لہٰذا ان دونوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بدبو کے ازالے کے لیے منہ ضرور دھونا چاہیے (یعنی کلی وغیرہ کرنی چاہیے)۔

؎۱ قال الحصكفيؒ: ولو تيقن بالطهارة وشك بالحدث او بالعكس اخذ باليقين. (الدر المختار على صدر رد المحتار: نواقض الوضوء ج۱ ص۱۵۲) وقال في الهندية ومثله في الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۳ نواقض الوضوء.

؎۲ قال ابراهيم الحلبيؒ: وتجوز الطهارة بماء خالطه شيء طاهر فغير احد اوصافه كماء المد والماء الذي يختلط به الاشنان والصابون والزعفران ...الخ. (الكبيري: باب ما يجوز به الطهارة ص۹۱)

قال العلامة ابن عابدینؒ: فانه لم یثبت اسکاره ولا تفتیره ولا اضراره بل ثبت له منافع ...الخ (رد المحتار علی الدر المختار کتاب الاشربة ج ۶ ص ۴۵۹) ۱؎

جب تک احلیل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا

سوال: اگر ایک شخص سے پیشاب یا مذی کے قطرے وقتاً فوقتاً نکلتے ہوں جس کی وجہ سے باقاعدہ ہر نماز کے لیے اس کو وضو کرنا پڑے لیکن بعض اوقات ایک نماز سے دوسری نماز تک کوئی قطرہ نہیں نکلتا البتہ احلیل کے اندر قطرے موجود ہوں تو کیا ایسی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازمی ہے یا وہ پہلا وضو ہی کافی ہوگا؟

الجواب: صاحب عذر ہو تو ہر نماز کے لیے وضو کرنا لازمی ہے البتہ غیر معذور کے وضو ٹوٹنے کا دارومدار سبب نقض کی قطعی اور یقینی موجودگی ہے، بصورت مذکورہ جب پیشاب کے قطرے نکلنے کا یقین ہو تو وضو کرے گا اور اگر یقین نہ ہو تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں اگرچہ پیشاب کے قطرے احلیل میں موجود ہوں۔

قال الحصکفیؒ: (وینقضه خروج) کل خارج (نجس) منه ای من المتوضی الحی معتاداً او لا من السبیلین او لا (الی ما یطهر) ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهور.

وقال ابن عابدینؒ تحت قوله مجرد الظهور: ای الظهور المجرد عن السیلان فلو نزل البول الی قصبة الذکر لا ینقض لعدم ظهوره. (رد المحتار علی الدر المختار نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۴-۱۳۵) ۲؎

بدن سے خالص پانی نکلنے پر وضو کا حکم

سوال: اگر بدن کے کسی حصے سے خالص پانی نکل آئے جو خون یا پیپ سے مخلوط نہ ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے؟

الجواب: اگر یہ نکلا ہوا مواد یقیناً خالص پانی ہو جو پیپ یا خون سے مخلوط نہ ہو

۱؎ قال المفتی کفایت اللہؒ: تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۶۷ باب الطہارۃ فصل چہارم) ۲؎ وقال ابن نجیمؒ تحت قول النسفیؒ وینقضه خروج نجس منه: افاد بقوله خروج نجس ان الناقض خروجه لا عینه. (البحر الرائق، نواقض الوضوء ج ۱ ص ۲۹، ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۷ نواقض الوضوء)

تو اس کے نکلنے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وضو درست رہے گا۔

قال: عن ابن عمار: وعن الحسن بن عمار النفطة لا ينقض.
(امداد الفتاح فصل فی نواقض الوضوء ص...)[۱]

خون پھیل جانے سے وضو کا حکم

سوال: اگر خون یا پیپ نکل کر بہنے کی صورت نہ [illegible] بدن پر پھیل جائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب: جب خون یا پیپ زخم کے منہ سے خارج ہو کر پھیل جائے تو اس سے وضو کا ٹوٹنا بہنے پر موقوف نہیں۔

قال الحصکفیؒ: و ينقضه خروج كل خارج نجس منه الى ما يطهر اى يلحقه حكم التطهير. (الدر المختار على صدر رد المحتار نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۴)[۲]

پاؤں کے شگاف میں دوائی لگانے کے بعد وضو کا حکم

سوال: سردی کے موسم میں ہاتھ پاؤں کے اندر شگاف پڑ جاتے ہیں، ایسی حالت میں اگر شقوق دوائی سے بھر دیئے جائیں اور وضو کرتے وقت پانی اس میں داخل نہ ہو تو اس صورت میں وضو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اگر زخموں کے اندر پانی پہنچنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ پاؤں کی جلد پر صرف پانی بہانا ہی کافی رہے گا، شقوق کے اندر پانی پہنچانا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدينؒ: تحت قول الحصكفيؒ (و في اعضائه شقاق) فغسله ان قدر والا مسحه، ولو كان في رجله فجعل فيه دواء يكفيه

---

[۱] قال ابن نجيمؒ: وعن الحسن ابن عمار النفطة لا ينقض. (البحر الرائق بحث الوضوء ج ۱ ص ۳۲)

[۲] قال ابراهيم الحلبيؒ: اذا خرج وتجاوز مكان خروجه الى موضع يلحقه اى يلحق ذلك الموضع حكم التطهير اى يجب تطهيره فى الجملة. (كبيرى، نواقض الوضوء ص ۱۳۱) ومثله فى الهندية ج ۱ ص ۱۰ الفصل الخامس فى نواقض الوضوء.

سواء انفرقه او کلیه الصحیح (رد المحتار علی الدر المختار، نواقض الوضوء ج۱ ص۱۴۱) لے

انجکشن کے ذریعہ خون نکالنا ناقض وضو ہے

سوال: اگر کوئی شخص انجکشن کے ذریعہ بدن سے خون نکالے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟ چونکہ یہ خون سوئی کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اور بدن کے کسی حصہ پر یہ خون نہیں لگتا، جو الی موضع یلحقه حکم التطهیر نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر ناقض وضو نہ ہونے کا شبہ ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب: مذکورہ صورت میں خون کا بدن کے کسی حصہ پر نہ لگنے کے باوجود ناقض وضو ہے کیونکہ اگر یہ خون تھیلے میں نہ جاتا تو اس کا جسم پر بہہ جانا لازمی امر تھا۔ تھیلا جو ایک خارجی مانع ہے اس سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فالاحسن ما فی النهر عن بعض المتأخرین من ان المراد السیلان ولو بالقوة: ای فان دم الفصد ونحوه سائل الی ما یلحقه حکم التطهیر حکماً تأمل. (رد المحتار علی الدر المختار، نواقض الوضوء ج۱ ص۱۳۴) ۲ے

صاحب عذر کے وضو اور کپڑوں کا حکم

سوال: صاحب عذر کے وضو کا احتیاط نہیں رہتا ہے، ایسے شخص کے لیے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات اس عذر کی موجودگی میں کپڑوں کا پاک رکھنا ناممکن رہتا ہے تو معذور کے کپڑوں کی تطہیر کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کسی شخص کو خون نکلنے یا سلسل بول یا خروج ریح کی بیماری ایسی صورت

لے قال ابراهیم الحلبیؒ: اذا کان برجله شقاق فجعل فیه الشحم او المرهم ان کان یضره ایصال الماء لا یجوز غسله ووضوءه وان کان لا یضره یجوز اذا امرا الماء علی ظاهر ذلك (غنیة کبیری ص۶۸، الطهارة الکبری، فرائض الغسل) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۳۔

کے قال فی الهندیة: القراد اذا مص عضو انسان فامتلأ دماً ان کان صغیراً لا ینقض وضوءه کما لو مصت الذباب او البعوض وان کان کبیراً ینقض وکذا العلقة اذا مصت عضو انسان حتی امتلأت من دمه انتقض وضوءه کذا فی محیط السرخسی۔ (الهندیة، نواقض الوضوء ج۱ ص۱۱) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۱۷ الفصل الثالث فی نواقض الوضوء.

انتہا یہ کہ نماز کا وقت کسی معذور شخص پر بغیر اس بیماری کے نہ گذرتا ہو تو یہ شخص معذور شرعی متصور ہوگا۔ اور معذور کے لیے لازمی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جس سے وہ اس وقت کے اندر تمام عبادات ادا کر سکتا ہے البتہ نماز کا وقت گذرنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا دوسرے وقت کی نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا لازمی ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر کپڑوں کی صفائی ممکن ہو یعنی کپڑے دھونے سے نماز کے دوران یہ کپڑے پاک رہ سکتے ہوں تو پھر نماز کی ابتداء میں کپڑے صاف رکھنا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر کپڑوں سے مخلوط نجاست سے صفائی ضروری نہیں اور اس شخص پر کپڑے دھونا لازمی نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وصاحب عذر من به سلس بول او استطلاق بطن او انفلات ریح او استحاضة ان استوعب عذره تمام وقت صلوٰة مفروضة بان لا یجد فی جمیع وقتها زمنا یتوضأ ویصلی فیه خالیا عن الحدث (الی ان) وحکمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لکل فرض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ مطلب فی احکام معذور ج ۱ ص ۲۸۰) [1]

یاخانہ کے مقام سے کیڑا نکلنے پر وضو کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کو بیماری کی وجہ سے یا ویسے یاخانہ کی جگہ سے کیڑا نکل آئے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: یاخانہ کی جگہ سے کیڑا نکلنا موجب نقض وضو ہے اس سے وضو باقی نہیں رہتا۔ اس میں معذور اور غیر معذور دونوں برابر ہیں۔

قال الحصکفیؒ: وخروج غیر نجس مثل ریح او دودة او حصاة من دبر ناقض۔[125]
وقال ابن عابدینؒ تحت قوله من دبر ذکر من دبر ای او فرج فی الدودة

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: ویتوضأ صاحب الجرح السائل وقت کل صلوٰة ویصلی بذلک ما شاء من الفرائض والنوافل ما دام فی الوقت فان خرج الوقت ینتقض طهارته ویبطل اسطی بوت اصاب ثوبه من ذلک الدم فعلیه ان یغسل ان کان مفیدا اما اذا لم یکن مفیدا بان کان یصیبه مرة اخری فتیادیا حتی لا یفترض علیه غسله۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثالث ج ۱ ص ۱۲)

والحصاة بالاجماع. (رد المحتار علی الدر المختار، مطلب نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۳۶) ؎

باب الغسل

(غسل کے مسائل)

غسل میں غرغرہ کا حکم

سوال:- اگر غسل کرتے وقت غرغرہ رہ جائے تو کیا غسل درست رہے گا؟

الجواب:- جنابت کے غسل میں مضمضہ فرائض غسل میں شامل ہے، اس میں منہ دھونا (کلی کرنا) کافی ہے، یہاں تک کہ پانی پینے سے بھی یہ فرض ادا ہوجاتا ہے، اگر مطلقاً منہ دھونا رہ جائے تو غسل ناقص رہے گا جبکہ وضو کی طرح میں مبالغہ رہ جانے کی صورت میں غسل کامل متصور ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل غسل کل فمه ویکفی الشرب عبًّا لأنه یمج بغیر المج فی الاصح. (الدر المختار علی صدر رد المحتار: ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۱) ؎

غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم

سوال:- غسل کرتے وقت ناک میں پانی ڈالنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا پانی ناک میں ڈال کر انگلی مارنا کافی ہے یا پانی کھینچ کر نرم ناک تک پہنچانا ضروری ہے؟ جبکہ کھینچتے وقت دماغ تک پانی پہنچنے کی صورت میں تکلیف کا اٹھانا لازم ہوتا ہے۔

الجواب:- دوران غسل ناک کا دھونا فرض ہے اور ناک کی مقدار ناک کی نرم ہڈی تک ہے۔

؎ قال فی الهندیة: ینقضه ما یخرج من السبیلین من البول والغائط والریح الخارجة من الدبر والودی والمذی والمنی والدودة والحصاة. (الفتاوی الهندیة، الفصل الخامس فی نواقض الوضوء ج ۱ ص ۹) ومثله فی خلاصة الفتاوی، الفصل الثالث فی نواقض الوضوء ج ۱ ص ۱۶

؎ قال ابراهیم الحلبیؒ: ولو شرب الماء ولم یمجه قام مقام المضمضة اذا کان عبًّا لا مصًّا او وجه السنة اذا بلغ الماء لعمه جمیعه والا فلا. (کبیری، فرائض الغسل ص ۵۱)

ایسی صورت میں اپنی سہولت کو مدِ نظر رکھ کر جو مناسب نظر آئے وہی طریقہ اختیار کریں۔

قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل غسل کل فمه ویکفی الشرب عبًّا لأن المج لیس بشرط فی الأصح وانفه حتی ما تحت الدرن۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ابحاث الغسل ص۱۵۱)[1]

مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم

سوال:۔ دانت گر جانے کے بعد مصنوعی دانت لگانے کی صورت میں کیا غسل کے لیے اس کا نکالنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ چونکہ مصنوعی دانت کا ہر وقت نکالنا موجبِ حرج نہیں اس لیے غسل کے وقت اس کا نکالنا ضروری ہے، البتہ آسانی سے نکالنے کے باوجود اگر کوئی اس کو نہیں نکالتا اور پانی کا وصول بھی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں غسل کی ادائیگی جائز نہ ہوگی تاہم اگر دانت مستقل طور پر لگایا ہوا ہو اور نکالنے میں تکلیف ہوتی ہو تو نکالے بغیر غسل درست ہے۔

قال الحصکفیؒ: [illegible]. ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین أسنانه أو فی سنه المجوف به یفتی وقیل إن صلبًا منع وهو الأصح۔

قال ابن عابدینؒ: قوله بخلاف نحو عجین أی کعجین وشمع وقشر سمک وخبز ممضوغ متلبد جوهرة ...... ثم ذکر الخلاف فی شرح المنیة فی العجین واستظهر المنع لأن فیه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء وهو الأصح صرح به فی شرح المنیة وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج۔ اهـ

(رد المحتار علی الدر المختار: ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۴)[2]

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: وأما بجوهر والمضمضة والاستنشاق فرض فی الغسل عندنا۔ (خلاصة الفتاوی: الفصل الثانی فی الغسل ج۱ ص۱۳)
ومثله فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۵۳ فصل فی فرائض الغسل۔

[2] قال إبراهیم الحلبیؒ: قال بعضهم وإن کان صلبًا ممضوغًا مثل الخبز غسله قل أو کثر وهو الأصح لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج۔
(کبیری ص۴۹ الطهارة الکبری فرائض الغسل، ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۳ فرض الغسل)۔

دانتوں پر سونے کے خول چڑھانے سے غسل کا حکم

سوال:- بسا اوقات لوگ دانت کے جل جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے اس پر سونے کا خول چڑھاتے ہیں سونے کے خول سے دانت مستور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مضمضہ کرتے وقت دانت کو پانی نہیں پہنچتا۔ کیا ایسی صورت میں جنابت کے غسل پر کوئی اثر پڑے گا؟ علاوہ ازیں کبھی یہ خول ویسے حسن اور زینت کیلئے چڑھایا جاتا ہے تو اس میں ضرورت اور عدم ضرورت مساوی ہے یا نہیں؟

الجواب:- دانت پر ضرورت کے وقت سونے کا خول چڑھانا از روئے شرع جائز ہے، غسل کے لیے اس خول کا ہٹانا حرج و تکلیف سے خالی نہیں بلکہ بسا اوقات منہ کے زخمی ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے لہٰذا اس مجبوری کی وجہ سے بوقت غسل اصلی دانت تک پانی پہنچانا معاف ہے اور اس خول کے ہوتے ہوئے نماز بھی ہو جاتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع الطهارة ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمه به یفتی۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله به یفتی) صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسئلة الحناء والطین والدرن معللاً بالضرورة وبعد اسطر والاظهر التعلیل بالضرورة۔ (رد المحتار علی الدر المختار ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۴) [1]

بلا ضرورت سونے کا استعمال جائز نہیں ایسے وقت میں اگر خول کے ہٹانے سے دانت سے محرومی ہوتی ہو تو موجب حرج ہوتے ہوئے غسل جائز ہے لیکن ہٹانے میں اگر حرج نہ ہو تو پھر یہ بلا ضرورت کے چڑھایا ہوا خول ہٹایا جائے گا۔

دانت بھروانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:- دانتوں میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے مسالہ بھرنے کی ضرورت پڑتی ہے کیا دانت بھر جانے کی وجہ سے غسل پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ اس وقت دانت کے سوراخ میں پانی نہیں پہنچتا؟

---

[1] قال ابراهیم الحلبیؒ: ان کان بین اسنانه طعام ولم یصل الماء تحته فی الغسل من الجنابة جاز لان الماء شیء لطیف یصل تحته غالباً قال صاحب الخلاصة وبه یفتی وبعد اسطر والطین والدرن اذا بقی علی البدن یجزئ وضوءهم للضرورة۔ (کبیری باب الغسل ص۴۹)

الجواب:- دانت میں سوراخ ہوجانے سے کھانا کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہے ایسے
ایسے وقت میں اگر معالج سے دانت بھروا جائز ہے، دانت بھرنے کے بعد غسل کے لیے
خالی کرنا موجب حرج ہے، اس لیے اس کا خالی کرنا ضروری نہیں اور اس سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع الطھارۃ ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته
وحناء ولو جرمہ بہ یفتی نقلہ حبۃ درۃ ... قوله بہ یفتی صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء
والطین والدرن معللاً بالضرورۃ زد فی ص بعد اسطر فالاظہر التعلیل بالضرورۃ۔
(رد المحتار علی الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۴) لہ

سوال:- کیا عورت کو غسل کرتے وقت سر کے بال (مینڈھیاں) کھولنا ضروری ہے؟

جنابت کے غسل میں عورت کو مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں

الجواب:- اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کے اصول (جڑ) تک
پانی پہنچانا ضروری ہے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔
البتہ اگر عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو پورے بالوں کا دھونا ضروری ہے اگر کچھ
حصہ خشک رہ جائے تو غسل درست نہیں ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وکفی بل اصل ضفیرتها ای شعر المرأۃ المضفور للحرج
اما المنقوض فیفرض غسل کلہ اتفاقاً ولو لم یبتل اصلها یجب نقضها مطلقاً هو الصحیح۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار: ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۳) ۲ے

لہ قال ابراهیم الحلبیؒ: والطین والحناء اذا بقیا علی البدن یجزی وضوءهم
ضرورۃ۔ (کبیری:- باب الغسل ص۴۹) ومثله فی مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی
فصل فی تمام احکام الوضوء۔

۲ے قال ابن نجیمؒ: قوله ولا تنقض ضفیرۃ ای بل اصلها ای ولا یجب علی المرأۃ ان
تنقض ضفیرتها ان بلت فی الاغتسال اصل شعرها رد بعد اسطر ویجب علیها
الایصال الی اثناء شعرها اذا کان منقوضاً لعدم الحرج۔ (البحر الرائق: کتاب الطهارۃ ج۱ ص۵۴)
ومثله فی الهندیۃ الباب الثانی فی الغسل ج۱ ص۱۳۔

جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم

سوال: جنابت کی حالت میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات ایسی حالت میں کسی سے باتیں کرنے اور سلام کا جواب دینے کا موقع بھی پیش آتا ہے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: جنابت کی حالت میں کھانا پینا، چلنا پھرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا تمام امور جائز ہیں۔ البتہ کھانے پینے کے وقت کلی کرنا اور ہاتھوں کو دھولینا چاہیئے بغیر کلی کے کھانا پینا مکروہ ہے۔[1]

وفی الحصکفی: (لا) قرأۃ قنوت (ولا) اکلہ وشربہ بعد غسل ید وفم ولا معاودۃ اهلہ قبل اغتسالہ۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۱ ص۱۷۲ ابحاث الغسل)

حالتِ جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم

سوال: جنابت کی حالت میں ناخن تراشنا اور بال کٹوانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جنابت کی حالت میں پورا جسم ظاہری طور پر نجاست کا شکار رہتا ہے جس لیے پورے جسم کا دھونا فرض ہے، ایسی حالت میں ناخن اور بال کٹوانا مکروہ ہے۔ فقہاء کرام نے کراہت مطلقاً ذکر کیا ہے لیکن قرائن کے اعتبار سے کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

وفی الهندیۃ: حلق الشعر حالۃ الجنابۃ مکروہ وکذا قص الاظافیر کذا فی الغرائب۔ (الهندیۃ: الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الاظفار وقص الشارب ج۵ ص۳۵۸)[2]

دورانِ غسل باتیں کرنے کا حکم

سوال: غسل کرتے وقت باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اس دوران ادعیہ مسنونہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

---

[1] قال سدید الدین الکاشغری: واذا اراد الجنب الاکل والشرب ینبغی لہ ان یغسل یدہ وفمہ ثم یأکل ویشرب۔ (منیۃ المصلی بحث الطھارۃ الکبریٰ ص۲۹) ومثلہ فی الهندیۃ: الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج۱ ص۱۶۔

[2] قال الشیخ العلامۃ اشرف علی تھانویؒ: در مطالب المؤمنین آوردہ ستردن وتراشیدن موئے وگرفتن ناخن در حالت جنابت کراہت است۔ (امداد الفتاویٰ ج۱ ص۱۸ فصل فی الغسل)

کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے؟

الجواب: دوران غسل خاموش رہنا بہتر ہے، عریانی کی حالت میں فقہاء نے باتیں کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اور دعاء مسنونہ پڑھنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں کیونکہ غسل خانہ میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بے ادبی کے مترادف ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویستحب ان لا یتکلم بکلام مطلقاً اما کلام الناس فلکراھته حال الکشف واما الدعاء فلانه فی مصب المستعمل ومحل الاقذار والاوحال۔ (رد المحتار علی الدر المختار مطلب سنن الغسل ج۱ ص۱۵۶) [1]

غسل کرتے وقت بغیر لباس وضو کا حکم

سوال: کپڑے اتار کر ننگے ہونے کی حالت میں وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو نہیں ہوتا۔

الجواب: کشف عورت نواقض وضو میں سے نہیں ہے لہٰذا یہ بات عوام میں غلط مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو جائز نہیں، غسل خانہ میں کپڑے اتار کر وضو کرنا جائز اور مشروع ہے، البتہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کی رعایت ہو۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ: حاصل الحکم ان المغتسل عریاناً ان کان بمحل خال لا یراہ احد ممن یحرم علیه نظر عورته حل له ذلک لکن الافضل التستر حیاء من الله تعالیٰ۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج۲ ص۲۹ باب الغسل الفصل الثانی) [2]

کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر؟

سوال: غسل کرتے وقت کون سی کیفیت بہتر ہے؟ کیا بیٹھ کر غسل کرنا چاہیے یا

---

[1] قال الحسن بن عمارؒ: ویستحب ان لا یتکلم بکلام معه ولو دعاء لانه فی مصب الاقذار ویکرہ فی حال کشف العورة (زد بعد اسطر) ویزاد فیه کراھة الکلام۔ (مراقی الفلاح ... باب الاغتسال ص۶۲، ومثله فی الهندیة الفصل الثالث فی سنن الغسل ج۱ ص۱۴۔

[2] عن ام هانی بنت ابی طالب تقول ذهبت الی رسول الله عام الفتح فوجدته یغتسل وفاطمة تستره ... (صحیح البخاری ج۱ ص۴۱ باب ... عریاناً وحده فی الخلوة) ومثله عن میمونة فی الصحیح لمسلم ج۱ ص۱۴۸ باب تستر المغتسل بثوب ونحوہ۔

کھڑے ہو کر بھی غسل کرنا افضل ہے؟

الجواب:- غسل کرتے وقت کسی خاص کیفیت کی پابندی ضروری نہیں، حالات اور موقع کو مدنظر رکھ کر ایسی کیفیت اختیار کی جائے گی جو انسانی بدن کے لیے استر ہو، بلکہ بیٹھ کر غسل کرنے سے پردہ قوی رہتا ہے اس لیے بیٹھ کر غسل کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا ہے۔

لما اخرجه الامام ابو عبد الله محمد بن اسماعيل البخاري عن ام هانيؓ تقول ذهبت الى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل وفاطمة تستره فقال من هذه فقلت انا ام هاني۔ (الصحيح البخاري ج ۱ ص ۴۲ باب التستر في الغسل عند الناس)[1]

دورانِ غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں

سوال:- کیا غسل کرتے وقت عورت کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے؟ بعض عورتیں بدن پر پانی ڈال کر سر پہ مسح کرنا کافی سمجھتی ہیں، کیا ایسی صورت میں غسل ہو جاتا ہے؟

الجواب:- احکامِ غسل میں مرد اور عورت یکساں ہیں، جیسا مرد کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی پورے بدن کا دھونا ضروری ہے، سر کے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں، بال بھی دھونا ضروری ہیں، اگر غسل کرتے وقت بالوں پر مسح کر کے دھونا چھوڑ دیا جائے تو اس سے غسل ادا نہیں ہوگا۔

قال الحصكفيؒ وفرض الغسل غسل كل فمه وانفه حتى ما تحت الدرن وباقي بدنه لكن في المغرب وغيره البدن من المنكب الى الالية وحينئذ فالراس والعنق واليد والرجل خارجة لغة داخلة تبعًا شرعًا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۲)[2]

---

[1] واخرجه الامام مسلم في صحيحه عن معاذة قالت قالت عائشةؓ كنت اغتسل انا ورسول الله من اناء واحد بيني وبينه فيبادرني حتى اقول دع لي دع لي قالت وهما جنبان۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۴۸ باب غسل الرجل والمرأة من اناء واحد)۔

[2] وفي الهندية: الفصل الاول في فرائضه وهي ثلاثة المضمضة والاستنشاق وغسل جميع البدن على ما في المتون۔ (الهندية۔ الباب الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱۳) ومثله في البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۴۹)

غسل کے لیے کشف عورت کا حکم

سوال :- بعض علاقوں میں لوگ بڑے بڑے تالابوں اور حوضوں میں اجتماعی طور پر غسل کرتے ہیں اس میں یہ ہے کہ عضو مخصوص کے کشف پر جس کو لوگ دیکھ سکیں ضمیر ملامت کرتا ہے لیکن اگر ایک شخص عضو مخصوص پر ایک کپڑا باندھ کر ایسی حالت میں غسل کرے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنوں سے اوپر کا کچھ حصہ عام لوگوں کو نظر آئے تو اس کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟

الجواب :- واضح ہو کہ انسان ایسی جگہ میں غسل کرے جہاں پردہ کیا ہو تو ایسی حالت میں بھی بلا ضرورت کشف عورت سے احتراز کرے ضرورت کی حد تک اس کے لیے کشف عورت کی رخصت ہے لیکن جہاں آس پاس لوگ موجود ہوں تو ایسی حالت میں گھٹنوں سے لے کر ناف تک کا حصہ مرد کے لیے چھپانا فرض ہے جس کا کشف حرام ہے، ایسی حالت میں یہ ضروری ہے کہ پردہ کر کے غسل کرے تاہم اگر ایک شخص نے اس طریقہ سے غسل کر لیا تو ارتکاب حرام کے باوجود جب فرائض غسل ادا ہوئے ہوں تو فریضہ غسل ادا ہو جاتا ہے۔

قال ابراهيم الحلبيؒ: والسنة ان يغتسل في موضع لا يراه احد لاحتمال ان يرى عورة حال الاغتسال او اللبس لحديث يعلى بن امية ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان الله حيي ستير يحب الحياء والستر فاذا اغتسل احدكم فليستتر۔
(رواه ابو داود) (كبيري، فرائض الغسل ص۵۱)[1]

کشف عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت

سوال :- اگر کسی شخص کو ایسی جگہ میں غسل کی ضرورت پڑے جہاں غسل کرنے کا باپردہ انتظام نہ ہو اور اگر غسل کرتا ہے تو کشف عورت کا قوی امکان ہے تو ایسی صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- جب دیگر آدمیوں کے سامنے کشف عورت کے بغیر غسل ممکن نہ ہو تو اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یعنی کشف عورت سے بچنے کیلئے تیمم پر اکتفا کرے اور

لـه قال ابن عابدينؒ: قال في شرح المنية: وهو غير مسلم لان ترك المنهي مقدم على فعل المأمور، وللغسل خلف وهو التيمم فلا يجوز كشف العورة لاجله عند من لا يجوز نظره اليها۔ (رد المحتار على الدر المختار ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۶)

جب موقع ملے تو پھر غسل کرے۔

قال ابراهيم الحلبيؒ: وللنفس خلف وهو التيمم ولا يجوز كشف العورة عند من لا يجوز نظره اليها لاجله۔ (كبيري، فرائض الغسل ص۴۵) له

شہوت کے باوجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم

سوال: اگر کسی نے راس الذکر پکڑ کر منی روک کر شہوت ختم ہونے کے بعد منی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: طرفین کے نزدیک ایسی صورت میں غسل واجب ہے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خروج منی کے وقت شہوت کی موجودگی ضروری ہے بصورت مذکورہ میں خروج منی کے وقت شہوت نہ ہونے کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں مگر مفتی بہ قول طرفین کا ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص کہیں مہمان ہو اور احتلام کی صورت میں میزبان کی طرف سے شک پیدا ہونے کا امکان ہو تو پھر احتلام کے وقت اسی طریقہ کو اختیار کرنے پر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ فتویٰ اس پر نہیں دیا جا سکتا۔

قال الحصكفيؒ: وشرطه ابو يوسفؒ وبقوله يفتى في ضيف خاف ريبة او استحى كما في المستصفى وفي القهستاني والتاتارخانية معزيا للنوازل وبقول ابي يوسفؒ نأخذ لانه ايسر على المسلمين قلت ولا سيما في الشتاء والسفر۔ وقال ابن عابدينؒ قوله وشرطه ابو يوسفؒ اي شرط الدفق وثمرة الخلاف يظهر فيما لو احتلم او نظر بشهوة فامسك ذكره حتى سكنت شهوته ثم ارسله فانزل وجب عندهما لا عنده وكذا بعد البول [illegible] (قوله فتح) ظاهره الميل الى اختيار ما في النوازل لكن اكثر الكتب على خلافه حتى البحر والنهر ولا سيما قد ذكروا ان قوله قياس وقولهما استحسان وانه الاحوط فينبغي الافتاء

له قال ابن عابدينؒ ولا يخفى ان تأخير الغسل لا يقتضي عدم التيمم فان المبيح له وهو العجز عن الماء قد وجد فيهم۔
(رد المحتار على الدر المختار، ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۸)

بقولہ فی مواضع: نعم ودنة۔ فقط (ردالمحتار علی الدرالمختار، ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۱)[۱]

غسل کرتے وقت جہاں پانی پہنچنا مشکل ہو تو اس کا حکم

سوال: ۔ غسل کے وقت بعض اوقات مقعد کے اردگرد جھریاں یا تلیے ہونے کی وجہ سے غسل کے وقت مقعد تک پانی پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بغیر کسی تکلف اور سخت کوشش کے پانی داخل نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: جس جگہ میں پانی داخل کرنا شاق ہو تو وہاں کانوں کے سوراخ کی طرح ظاہر پر پانی ڈالنے سے غسل صحیح ہوتا ہے، ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں جو موجب حرج ہوں۔

قال الحصکفیؒ: ولو کان خاتمه ضیقاً نزعه او حرکه وجوباً کقرط ولو لم یکن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فیه: ای الثقب عند مروره علی اذنه اجزأه کسرة واذن دخلهما الماء والا یدخل ادخله ولو باصبعه ولا یتکلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار، ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۳)[۲]

غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا حکم

سوال: کیا غسل کرنے کے بعد دوبارہ وضو ضروری ہے یا غسل کے ضمن میں کیے گئے وضو پر اکتفاء

۱؎ قال ابن نجیمؒ: ثم اتفق اصحاب المذهب انه لا یجب الغسل اذا انفصل منی عن مقره من غیر شهوة الا اذا خرج علی رأس الذکر وانما الخلاف فی انه هل یشترط مقارنة الشهوة للخروج فعند ابی یوسفؒ نعم وعندهما لا وقد اشار الی اختیار قولهما بقوله عند انفصاله ای فرض الغسل عند خروج منی موصوف بالدفق والشهوة عند الانفصال عن محله عندهما۔ (البحر الرائق، مبحث الغسل ج۱ ص۵۵)

۲؎ قال ابراهیم الحلبیؒ: امرأة اغتسلت هل تتکلف فی ایصال الماء الی ثقب القرط ام لا قال ابو محمد تتکلف فیه ای فی ایصال الماء الی ثقب القرط کما تتکلف فی تحریک الخاتم ان کان ضیقاً والمعتبر فیه غلبة الظن بالوصول (وبعد اسطر) ولا تتکلف لغیر الامرار من ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع۔ (کبیری، فرائض الغسل ج ص۴۸)
ومثله فی الهندیة الفصل الاول فی فرائض الغسل ج۱ ص۱۳۔

کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: وجہ یہ ہے کہ غسل کرنے سے قبل وضو کر لیا جائے، البتہ اگر غسل سے قبل وضو نہ کیا گیا ہو تو غسل میں ضمناً وضو بھی اداء ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں غسل کے بعد دوبارہ وضو ضروری نہیں، البتہ اگر غسل کرنے کے بعد کسی دوسری مجلس میں وضو کرے تو جائز ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واتفق العلماء علی عدم وجوب الوضوء فی الغسل الا داود الظاهری فقال بوجوبه فی غسل الجنابة واذا توضأ اولاً لا یأتی به ثانیاً بعد الغسل فقد اتفق العلماء علی انه لا یستحب وضوءان للغسل اما اذا توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذهبنا او فصل بینهما بصلوٰة کما هو مذهب الشافعی فیستحب۔ (البحر الرائق سنن الغسل ج ۱ ص۵۲) ۱؎

خوابِ بیداری کے بعد محض تری کے احساس سے غسل کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص نیند سے بیدار ہوتے وقت بغیر کسی شہوت اور وقت کے تری محسوس کرے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ چاہے احتلام بھی یاد نہ ہو اور تری کے بارے میں مذی ہونے کا یقین ہو؟

الجواب: خواب میں احتلام یاد نہ ہونے کے باوجود بھی تری کے احساس کی صورت میں غسل احتیاطاً واجب ہے، البتہ اگر مذی ہونے کا یقین ہو تو پھر غسل واجب نہیں۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: واما اذا استیقظ فرأی بللاً ولم یتذکر احتلاماً وتیقن انه منی او شك انه منی او مذی فکذلك یجب علیه الغسل فی هاتین الحالتین بلا خلاف اجماعاً للاحتیاط وان تیقن انه مذی فلا غسل علیه۔ (الکبیری: الطهارة الکبری فرائض الغسل ص۴۲) ۲؎

۱؎ قال العلامة الحصکفیؒ: بل توضأ اولاً لا یأتی به ثانیاً لانه لا یستحب وضوءان للغسل اتفاقاً اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذهبنا او فصل بینهما بصلوٰة کقول الشافعیة فیستحب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۱۵۸ سنن الغسل)

۲؎ قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: وان استیقظ الرجل ووجد البلل علی فراشه ولم یتذکر الاحتلام فعندهما یجب علیه الغسل وعند ابی یوسفؒ لا غسل علیه۔ (خلاصة الفتاوی: الفصل الثانی فی الغسل ج۱ ص۱۳) ونحوه فی الهندیة الفصل الثالث فی معانی الموجبة للغسل ج۱ ص۱۵۔

احتلام بھول جانے کی صورت میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم

سوال:۔ کسی شخص سے احتلام بھول گیا تھا مگر چند دن بعد یاد آیا کہ چند روز قبل اس کو احتلام ہوا تھا، تو اس دوران پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی کو چند روز کے بعد احتلام کا علم ہوا کہ فلاں دن کو مجھے احتلام ہوا تھا تو اسی روز سے نمازوں کی قضاء کرے گا اور اگر متعین دن کا علم نہ ہو تو آخری نوم (نیند) سے جنبی شمار ہوگا، اس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی گئی ہوں ان کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الشیخ عبد الحیؒ:۔ اگر دانست کہ احتلام فلاں روز است حکم جنابت از آں روز جاری نموده شود و اگر تعین روز معلوم نشد حکم احتلام از آخر نوم کہ بعد آں تحیہ کرده است داده خواهد شد۔ (مجموعۃ الفتاوی (فارسی) ج ۱ ص ۳۰ کتاب الغسل)

کنڈوم (ساتھی) کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے

سوال:۔ کنڈوم (ساتھی) کو استعمال کرنے کی صورت میں ایلاج بدون انزال کے موجب غسل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفس التقاء ختانین (دونوں شرمگاہوں کا مل جانا) جب سپاری غائب ہو جائے تو بغیر انزال کے موجب غسل ہے بشرطیکہ دونوں کو ایک دوسرے کی حرارت محسوس ہو اس لیے فقہاء نے اس ایلاج (دخول) کو موجب غسل قرار نہیں دیا جو موٹے کپڑے کے ساتھ ہو اور اس میں فرج داخل کی حرارت محسوس نہ ہو لیکن کنڈوم (ساتھی) میں اگرچہ ذکر ملفوف ہوتا ہے مگر یہ غلاف اتنا باریک ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں بھی تمام تر لذت کا احساس ہوتا ہے اور طرفین ایک دوسرے سے لذت یاب ہوتے ہیں، اس لیے کنڈوم کے ساتھ دخول بغیر انزال بھی موجب غسل ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ومنها ایلاج بخرقة مانعة من وجود اللذة علی الاصح۔ قال الشیخ احمد الطحطاوی: (قوله مانعة من وجود اللذة) الاصح علی ذکر اللذة ههنا ... وجود الحرارة ... (الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص [illegible] فصل عشرة اشیاء لا یغتسل منها)

قال ایضا: ولو لف ذکره بخرقة واولجه ولم ینزل قال الاصح انه ان وجد حرارة الفرج واللذة وجب الغسل والا فلا۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص [illegible] موجبات الغسل) لہ

لہ قال الحصکفی: ایلاج حشفة او قدرها ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا لا علی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۳ باب الغسل)

ٹیسٹ ٹیوب بےبی سے وجوبِ غسل کا مسئلہ

سوال:- ٹیسٹ ٹیوب بےبی کے ذریعے جو مادہ منویہ عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے کیا اس عمل سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- وجوبِ غسل کا سبب نفسِ خروجِ منی یا دخولِ منی نہیں بلکہ اصل علت امر میں لذت اور تسکینِ قلب ہوتی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب میں لذت و تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے اور اس میں صرف مادہ منویہ عورت کے رحم میں بذریعہ مشین پہنچایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریقے سے وہ لذت و تسکین نہیں جو مرد کے جماع کرنے سے عورت کو حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال عورت کا اپنی شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے یا غیر آدمی کے ذکر وغیرہ کو داخل کرنے کی ہے جو موجبِ غسل نہیں۔ البتہ اگر ٹیسٹ ٹیوب کے عمل کے وقت عورت کو انزال ہو جائے تو تب غسل واجب ہوگا اگرچہ بدون انزال کے غسل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال الحصكفيؒ: وفرض الغسل عند خروج مني من العضو ... منفصل عن مقره هو صلب الرجل وترائب المرأة بشهوة أي لذة ولو حكماً كمحتلم ولم يذكر الدفق ليشمل مني المرأة لأن الدفق فيه غير ظاهر.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص [illegible] باب الغسل)

وفيها قال: ولا عند إدخال إصبع ونحوه كذكر غير آدمي وذكر خنثى وميت وصبي لا يشتهى وما يصنع من نحو خشب في الدبر أو القبل على المختار.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص [illegible] باب الغسل)[1]

جانور سے وطی کرنے کی صورت میں غسل کا مسئلہ

سوال:- اگر ایک آدمی کسی جانور سے وطی کرے لیکن انزال

---

[1] قال حسن بن عمار: الرابع خروج المني وهو ماء ... إلى ظاهر الجسد لأنه ما لم يظهر لا حكم له إذا انفصل عن مقره بشهوة من غير جماع (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي فصل موجبات الغسل)

وأيضاً ومنها: إدخال إصبع ونحوه كشبه ذكر مصنوع من نحو الجلد في أحد السبيلين على المختار لقصور الشهوة (والأولى أن [illegible] بشهوة اغتسل وإلا فلا) [illegible]

انزال نہ ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نفسِ ایلاج موجبِ غسل نہیں بلکہ ایلاج (التقاء ختانین) کے لیے محلِ مشتہاۃ کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ بہیمہ (جانور) یا بچی (مردہ) محلِ مشتہاۃ نہیں، اس لیے نفسِ وطی بدون انزال کے غسل واجب نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ولا عند إیلاج في بهيمة أو ميتة أو صغيرة غير مشتهاة بأن تصير مفضاة بالوطء وإن غابت الحشفة ...... بلا إنزال لقصور الشهوة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۶۶ أبحاث الغسل، سنن الغسل)[1]

التقاء ختانین کی صورت میں غسل کا حکم

سوال: مرد و عورت کی شرمگاہیں جب آپس میں مل جائیں تو کیا دونوں پر غسل ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ مقدسہ کے صریح اور واضح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ التقاء ختانین موجبِ غسل ہے بشرطیکہ حشفہ (سپاری) فرج میں غائب ہو جائے۔

لما أخرج الإمام أبو عيسى الترمذيؒ: عن عائشةؓ قالت إذا جاوز الختان الختان وجب الغسل فعلته أنا ورسول الله صلى الله عليه وسلم فاغتسلنا۔

(الجامع للترمذي ج۱ ص۳۰ باب ما جاء إذا التقى الختانان وجب الغسل)[2]

غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم

سوال: کبھی کبھی جلدی کی وجہ سے جماع یا احتلام کے بعد غسل کیا جاتا ہے اور غسل کے بعد منی کے قطرے خارج ہو جاتے ہیں تو کیا دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یا پہلا غسل ہی کافی ہوگا؟

---

[1] وفي الهندية: والإيلاج في البهيمة والميتة والصغيرة التي لا يجامع مثلها لا يوجب الغسل بدونه إلا الإنزال۔ (الهندية ج۱ ص۱۵ الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل)

ومثله في خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۳ الفصل الثاني في الغسل۔

[2] قال الحصکفیؒ: وعند إيلاج حشفة هي ما فوق الختان آدمي احترز عن الجني يعني إذا لم ينزل ...... والإيلاج قدرها من مقطوعها ولو لم يبق منه قدرها ...... في أحد سبيلي آدمي حي يجامع مثله عليهما. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۶۲،۱۶۳ سنن الغسل)

ومثله في الهندية ج۱ ص۱۵ الفصل الثالث في المعاني الموجبة۔

الجواب: غسل کرنے کے بعد منی کے جو قطرات خارج ہوتے ہیں اس میں تھوڑی تفصیل ہے کہ اگر منی کے قطرات کثرتِ مشی، زیادہ چلنے پھرنے یا پیشاب کے بعد نکلے ہوں تو چونکہ بسا اوقات ان حالات میں بغیر شہوت و دفق کے منی خارج ہوتی ہے اس لیے عدمِ شہوت کی وجہ سے پہلا غسل ہی کافی ہے، دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر ان عوارض سے قبل منی کے قطرات خارج ہو جائیں تو دوبارہ غسل واجب ہوگا۔

لما فی الہندیۃ: لو اغتسل من الجنابۃ قبل ان یبول او ینام وصلی ثم خرج بقیۃ المنی فعلیہ ان یغتسل عندہما خلافا لابی یوسفؒ ولکن لا یعید تلک الصلوٰۃ فی قولہم جمیعا کذا فی الذخیرۃ ولو خرج بعد ما بال او نام او مشی لا یجب علیہ الغسل اتفاقا کذا فی التبیین۔

(الہندیۃ ج۱ ص۱۴ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل) [1]

سوئمنگ پول میں غسل کرنے کا حکم

سوال: جگہ جگہ غسل کے لیے بعض مقامات پر سوئمنگ پول بنا دیئے گئے ہیں جو دہ در دہ (یعنی ایک مقدار) سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، ان میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو حوض دہ در دہ ہو تو فقہاء کے اقوال کے اعتبار سے اس کا پانی ماءِ جاری کے حکم میں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سوئمنگ پول اگر دہ در دہ یا اس سے زیادہ ہو تو وہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے، اس لیے اس میں غسل کرنا جائز ہے۔ البتہ چونکہ سوئمنگ پول میں غسل کرنا کفار اور فساق کا وطیرہ ہے اس لیے ایسی جگہوں میں غسل کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال طاہر بن عبد الرشیدؒ: الحوض الکبیر مقدر بعشر فی عشر اذرع ... وعلیہ الفتوی۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص[illegible] کتاب الطہارۃ) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: وکذا لو خرج منہ بقیۃ المنی بعد الغسل قبل النوم او البول او المشی الکثیر نہر ای لا بعدہ لان النوم والبول والمشی یقطع مادۃ الزائل عن مکانہ بشہوۃ فیکون الثانی زائلا عن مکانہ بلا شہوۃ فلا یجب الغسل اتفاقا۔

(رد المحتار ج۱ ص۱۶۱ موجبات الغسل)

[2] التقدیر بعشر فی عشر ہو المفتی بہ قال السید احمد الطحطاوی (قولہ ہو المفتی بہ) ہو قول عامۃ المشائخ خانیۃ وہو قول الاکثر وبہ ناخذ نوازل وعلیہ الفتوی کما فی شرح الطحاوی۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۱۶ کتاب الطہارۃ تحت قسم المیاہ)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۸ الباب الثالث فی المیاہ۔

جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں

سوال: عوام میں یہ بات بہت زیادہ مشہور ہے کہ بیوی سے جماع کرنے کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری ہے مدت گناہ ہوتا ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

الجواب: جماع کرنے کے بعد اگرچہ غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ وجوب علی الفور نہیں بلکہ جب موقع ملے تو غسل جنابت کر لیا جائے، اگرچہ اول اور بہتر یہی ہے کہ فوراً غسل کر لیا جائے۔

عن ابن عمرؓ قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول الله صلی الله علیه وسلم انه تصیبه الجنابة من اللیل فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم توضأ واغسل ذکرك ثم نم۔ متفق علیه۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۴۹ باب مخالطة الجنب) [1]

مصنوعی بالوں کا وضو و غسل میں حکم

سوال: موجودہ دور میں خواتین اپنے بالوں کو لمبا اور گھنا ظاہر کرنے کے لیے مصنوعی بال لگاتی ہیں، غسل یا وضو میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگرچہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے عمل کو موجب لعنت قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کر بھی لیا جائے تو غسل میں چونکہ عورتوں پر صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے اس لیے وضو اور غسل میں ان خارجی بالوں کا ہٹانا ضروری نہیں بشرطیکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح اصلی بالوں پر ہو، ہاں اگر مصنوعی بالوں پر مسح کیا جائے تو وضو جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ولیس علی المرأة ان تنقض ضفائرها فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر۔ (الهدایة ج۱ ص۱۴ فصل فی الغسل) [2]

---

[1] عن عائشة رضی الله عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان جنباً فاراد ان یأکل او ینام توضأ وضوءه للصلوٰۃ۔ (متفق علیه)
(مشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۴۹ باب مخالطة الجنب وما یباح له)
ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج۱ ص۳۸۲ المطلب الخامس مکروهات الغسل۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا یفترض نقض المضفور من شعر المرأة إن سری الماء فی اصوله اتفاقاً لخ۔ (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی ص۸۴ فصل فرائض الغسل)
ومثله فی کبیری ص۴۲ فرائض الغسل۔

صرف تری محسوس کرنا موجبِ غسل نہیں

سوال:- اگر کوئی شخص بیداری کی حالت میں بلا شہوت و دفق احلیل میں منی یا مذی کی کچھ تری محسوس کرے اور وہ قلیل المقدار ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہی رک جائے اور باہر خارج نہ ہو تو اس صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- صورتِ مذکورہ میں غسل واجب نہیں کیونکہ وجوبِ غسل کے لیے خروجِ منی علیٰ وجہ الدفق والشہوت ضروری ہے جو کہ صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے، البتہ اس تری کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اگر قطرات صرف احلیل کے اندر ہوں، خارج نہ ہوئے ہوں تو وضو پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وفی الہندیۃ: منھا الجنابۃ وھی تثبت بسببین احدھما خروج المنی علیٰ وجہ الدفق والشہوۃ۔ (الہندیۃ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج ۱ ص ۱۴) [1]

متعدد بار جماع کیلئے ایک غسل کافی ہے

سوال:- اگر ایک شخص اپنی منکوحہ سے متعدد بار یا دو تین بیویوں سے جماع کرے آخر میں ایک دفعہ غسل کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں یا ہر بار جماع کے لیے مستقل غسل کرنا ہوگا؟

الجواب:- ایک بیوی سے یا متعدد بیویوں سے کئی بار جماع کرنے کیلئے ایک غسل کرنا کافی ہے، ہر دفعہ جماع کے لیے الگ غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یطوف علیٰ نسائہ فی غسل واحد۔ (ترمذی ج ۱ ص ۳۸ باب ما جاء فی الرجل یطوف علیٰ نسائہ بغسل واحد)

وقال الحصکفیؒ: وکما ندب لجماع ثان زوجۃ اھلہ قبل اغتسالہ الا اذا احتلم لم یأت اھلہ۔ قال الحلبیؒ ظاھر الاحادیث انما یفید الندب لا نفی الجواز

---

[1] قال برھان الدینؒ: المعانی الموجبۃ للغسل انزال المنی علیٰ وجہ الدفق والشہوۃ من الرجل والمرأۃ حالۃ النوم والیقظۃ (الھدایۃ فصل فی الغسل ج ۱ ص ۳۱) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۲۔

المقاصد حسن كلامه. (رد المحتار على الدر المختار، مبحث في أبحاث الغسل ج ۱ ص ۱۶۶، ۱۶۷)[1]

جنابت کی حالت میں بوقتِ ضرورت مسجد میں جانا

سوال:۔ اگر مسجد کے باہر گرم پانی میسر نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل میں تکلیف ہوتی ہو تو گرم پانی کے لیے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی بسا اوقات پانی کے پمپ کا بٹن مسجد کے اندر ہوتا ہے، تو کیا جنبی شخص پانی کی مشین چلانے کے لیے مسجد میں داخل ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر مسجد سے باہر غسل کا انتظام نہ ہو اور ضرورت کے تحت مسجد میں داخل ہونا ضروری ہو تو تیمم کر کے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

قال ابن عابدينؒ: لكن قد يقال إن مراد المبتغي أنه يجنب في الوجه الذي هو في المسجد وأراد دخوله للاغتسال تيمم ويدخل۔

(رد المحتار على الدر المختار، باب التيمم ج ۱ ص ۲۴۴)[2]

جنابت کی صورت میں پورے بدن کے غسل کا فلسفہ

سوال:۔ جنابت کی حالت میں پورے جسم کا غسل کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نجاست تو عضوِ مخصوص سے نکلتی ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ صرف عضوِ مخصوص ہی دھویا جائے۔ آخر کار جنابت کا پورے جسم پر کیا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے غسل میں ہر بال تک پانی پہنچانا ضروری قرار دیا گیا ہے؟

الجواب:۔ احکاماتِ شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ضعفِ ایمان کی دلیل ہے، مسلمان کے لیے بغیر کسی چون و چرا کے احکامِ شرعیہ پر عمل ضروری ہے، احکامِ شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ایمان کا تقاضا نہیں کیونکہ ایمان اور اسلام فرمانبرداری اور اطاعت کا نام ہے اس کا

---

[1] قال طاهر بن عبد الرشيدؒ: ولا بأس للجنب أن ينام ويعاود أهله قبل أن يغتسل أو يتوضأ۔ (خلاصة الفتاوىٰ، الفصل الثاني في الغسل ج ۱ ص ۱۳) ومثله في مشكوٰة ج ۱ ص ۴۹ باب مخالطة الجنب وما يباح له الفصل الأول۔

[2] قال إبراهيم الحلبيؒ: جنب وجد الماء في المسجد ولم يجده في غيره وليس معه أحد يأتيه به تيمم لأجل الدخول۔ (كبيري باب التيمم ص ۷۲)

یہ مطلب نہیں کہ احکام شریعت عقل سے متصادم ہیں بلکہ ہماری عقل ناقص ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات ان حکمتوں اور فلسفوں کے ادراک سے ہم قاصر رہ جاتے ہیں۔

تاہم جنابت کی حالت میں پورے بدن کے دھونے کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔ جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بعد اور دوری ختم ہو جاتی ہے۔ جب انسان مجامعت سے فارغ ہوتا ہے تو حالت جنابت میں ہونے کی وجہ سے اس کا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر بوجھ سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے بدن کو صاف اور غسل کرتا ہے تب اس کی گھٹن اور سستی دور ہو جاتی ہے۔

حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن اور روح کے لیے نہایت نافع اور مفید ہے اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن اور روح کے لیے سخت مضر ہے۔ اس امر کی خوبی پر عقل و فطرت سلیمہ کافی گواہ ہے۔

وإليه أشار الشيخ ابن القيم الجوزية حيث قال: وأما الاغتسال من خروج المني فمن أنفع شيء للبدن والقلب والروح بل جميع الأرواح القائمة بالبدن فإنها تقوى بالاغتسال، والغسل يخلف عليه ما تحلل منه بخروج المني وأيضاً فإن الجنابة توجب ثقلاً وكسلاً والغسل يحدث له نشاطاً وخفة (وبعد اسطر) وقد صرح أفاضل الأطباء بأن الاغتسال بعد الجماع يعيد إلى البدن ويخلف عليه ما تحلل منه وأنه أنفع شيء للبدن والروح وتركه مضر (إعلام الموقعين، جواب ابن القيم الفصل من باب الغسل من المني ج ۲ ص ۲۳)

باب البئر

(کنوئیں کے مسائل و احکام)

مینڈک مرنے کی صورت میں پانی کا حکم

سوال:- اگر کنوئیں میں یا حوض کے پانی میں مینڈک گر کر مر جائے تو ایسے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- مینڈک کی دو قسمیں ہیں ایک بحری دوسری بری۔ اگر بحری مینڈک جس کا مسکن ہی پانی میں ہو تو مائی المولد کے حکم میں ہو کر اس کے مرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور بری مینڈک کے بدن میں اگر خون نہ ہو تو اس سے بھی پانی نجس نہیں ہوتا البتہ اگر اسکے بدن میں خون ہو تو پھر اس کے مرنے سے پانی نجس ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ومائی مولد کسمک وسرطان وضفدع الا بریا له دم سائل وهو ما لا سترة له بین اصابعه فیفسد فی الاصح کحیة بریة ان لها دم والا لا۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله فیفسد فی الاصح) وعلیه فما جزم به فی الهدایة من عدم الافساد بالضفدع البری (وصححه فی السراج) محمول علی ما لا دم له سائل کما فی البحر۔ (رد المحتار علی الدر المختار باب المیاه ج ۱ ص ۱۸۵)[1]

انسان گرنے سے کنوئیں کے پانی کا حکم

سوال:- اگر کنوئیں میں انسان گر کر مر جائے تو اس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر گرنے کے بعد زندہ نکل آئے تو پانی کی طہارت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- غیر جنب انسان کا بدن پاک ہے اگر انسان کنوئیں میں گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو پانی پاک ہے البتہ اگر مر گیا ہو تو پانی نجس ہوگا اور اس صورت میں کنوئیں

---

[1] قال قاضی خان: موت ما لا دم له کالسمک والسرطان والحیة وکل ما یعیش فی الماء لا یفسد الماء وکذا الضفدع بریة کانت او بحریة فان کانت الحیة او الضفدع عظیمة لها دم سائل یفسد الماء وکذا الوزغة الکبیرة۔
(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة فصل فیما یقع فی البئر ج ۱ ص ۱)

ترم پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا تاہم اگر گرا ہوا آدمی محدث یا جنب ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا۔

قال ابراهيم الحلبيؒ: وإن ماتت فيها شاة أو كلب أو آدمي نزح جميع الماء ...... وكذا ينزح جميع الماء إذا أخرج الكلب أو الخنزير حيًا. (كبيري فصل في البئر) [1]

قال العلامة عالم بن العلاء الأنصاريؒ: إن كان محدثًا ينزح أربعون دلوًا. (تاتارخانية ج ١ ص ١٨٣ مسائل البئر)

پانی کے کنوئیں اور بیت الخلاء کے درمیان فاصلہ

سوال: گھروں میں بیت الخلاء کیلئے گٹر کھودا جاتا ہے جس میں بول و براز بیت الخلاء سے نکل کر جمع ہوتے ہیں، چھوٹے گھروں میں اس کے قریب و جوار میں پانی کا کنواں بھی بنایا جاتا ہے، کیا اس سے پانی کے کنوئیں پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟

الجواب: پانی کی طہارت و نجاست کا حکم گٹر اور کنوئیں کے درمیان گندگی کے وصول پر مبنی ہے اور یہ وصول زمین کی نرمی اور سختی کی وجہ سے متفاوت ہے کوئی خاص فاصلہ کے بارے میں تحقیق نہیں ہے، تاہم یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک لون، طعم، ریح کا بو متاثر ہونے کا خطرہ ہو تو اتنا فاصلہ رکھ کر بیت الخلاء کا گٹر بنایا جائے جس سے کنوئیں کا پانی متاثر نہ ہو۔

قال في الهندية: بئر الماء إذا كانت بقرب البئر النجسة فهي طاهرة ما لم يتغير طعمه أو لونه أو ريحه كذا في الظهيرية ولا يقدر هذا بالذرعان حتى إذا كان بينهما عشرة أذرع وكان يوجد في البئر أثر البالوعة فماء البئر نجس وإن كان بينهما ذرع واحد ولا يوجد أثر البالوعة فماء البئر

---

[1] قال الحصكفيؒ: فإن أخرج الحيوان غير منتفخ ولا متفسخ ولا متمعط فإن كان كآدمي وكذا سقط وسخلة وجدي وإوز كبير ينزح كله. (الدر المختار على صدر رد المحتار - فصل البئر ج ١ ص ٢١٢) ومثله في الهندية ج ١ ص ١٩ الباب الثالث في المياه.

قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله كآدمي محدث: أي فإنه ينزح فيه أربعون. (رد المحتار ج ١ ص ٢١٣ باب البئر)

طاهر لکن فی الخیط وهو تعمیم۔ (الهندیة۔ الباب الثالث فی المیاه ج ۱)

کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چیل یا مکڑی گر جانے کا حکم

سوال:۔ کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چیل، مکڑی یا نجس کپڑا گر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر اس گری ہوئی گندی چیز کا نکالنا ممکن ہو تو نکالنا لازمی ہے اور اگر نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر کنوئیں سے سارا پانی نکالنا مشکل نہ ہو تو سارا پانی نکالا جائے ورنہ تین سو ڈول نکالنے سے کنواں پاک تصور ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ویخرج کل ما بها بعد اخراجه الا اذا تعذر کخشبة او خرقة متنجسة فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو ویطهر الکل تبعاً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ فصل فی البئر ج ۱ ص۲۱۲)[۲]

اس کنوئیں کا حکم جس سے مرا ہوا حیوان نکالنا مشکل ہو

سوال:۔ اگر کنوئیں میں مرغی کا بچہ گر کر مر جائے اور کنوئیں سے اس کو نکالنا ممکن نہ ہو اور تمام پانی کا نکالنا ممکن ہو تو تین سو ڈول نکالنے کے باوجود بھی کنوئیں میں نجاست کی موجودگی میں پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں جبکہ تمام پانی کا نکالنا ممکن نہ رہے اور نجاست کا نکالنا بھی انسان کے بس میں نہ ہو تو کنوئیں سے اتنی مدت تک پانی استعمال نہیں کیا جائے گا جب تک وہ بچہ مٹی نہ ہو جائے۔ بعض نے چھ مہینہ تک کی تحدید کی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله تعذر ایضاً فی القهستانی عن الجواهر لو وقع

---

[۱] قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: والذی ینبغی ان یکون بین بین اذا وقع بالوعة بجنبه الورع والتعویل علی نقول المشائخ ان تغیر لونه او طعمه او ریحه نجسة والا فلا۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ کتاب الطهارة) ومثله فی رد المحتار علی الدر المختار فصل فی البئر ج ۱

[۲] قال فی الهندیة: ولو وقعت فی البئر خشبة نجسة او قطعة ثوب نجس وتعذر اخراجها وتغیبت فیها طهرت الخشبة والثوب تبعاً لطهارة البئر کذا فی التطهیر۔

(الهندیة۔ الباب الثالث فی المیاه ج ۱) ومثله فی السعایة ج ۱

عصفور فيها فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر۔

(رد المحتار على الدر المختار فصل في البئر ج ۱ ص ۲۲۲) [1]

کتا گرنے سے پانی کا حکم

سوال:- اگر ایک کنوئیں میں کتا گر کر مر جائے تو اس سے پانی پر کیا اثر پڑے گا؟ ناپاکی کی صورت میں کنوئیں کے کیچڑ، ڈول اور رسی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- کتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے، کتے کا جسم نکالنے کے بعد سارا پانی نکالنا اگر ممکن ہو تو ضروری ہے ورنہ دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک پانی نکالا جائے گا، کیچڑ نکالنا، ڈول اور رسی دھونا ضروری نہیں۔ ایسا ہی کنوئیں کی دیواروں میں تری رہ جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال في الهندية: اذا وقعت في البئر نجاسة نزحت وكان نزح ما فيها من الماء طهارة لها باجماع السلف كذا في الهداية۔ (الهندية ج۱ ص۱۹ الباب الثالث في المياه) [2]

ناپاک پانی سے پکی ہوئی چیز کے کھانے اور وضو کی صورت میں اس سے ادا شدہ نماز کا حکم

سوال:- کنوئیں سے مردہ جانور خواہ گلا سڑا ہوا ہو یا نہ نکالا جائے تو اس کے وقت سے لاعلمی کی بنا پر وہ پانی وضو یا غسل کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس سے کپڑے اور برتن وغیرہ دھوئے گئے ہوں یا آٹا گوندا گیا ہو، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] قال محمد عبد الحيؒ: وذكر القهستاني في جامع الرموز نقلا عن الجواهر لو وقع فيها عصفور فعجزوا عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فيترك مدة يعلم انه استحال وصار حمأة وقيل مدة ستة اشهر. انتهى وظني ان هذا ليس بشيء لانه لا بد من اخراج عين النجس فان تعذر فيترك الى ان يستحيل۔ (السعاية ج۱ ص۴۲۲ فصل في البئر)

[2] قال ابن عابدينؒ (قوله ينزح كل مائها) اى دون الطين لورود الآثار بنزح الماء وبعد النزح يطهر الكل اى من الدلو والرشاء والبكرة۔ (رد المحتار على الدر المختار فصل في البئر ج۱ ص۲۱۲) ومثله في مراقي الفلاح فصل في مسائل الآبار ص۲۲۔

الجواب:- کنوئیں میں نجاست مل جائے اور اس کا وقت وقوع معلوم نہ ہو تو علم وقوع سے قبل اگر اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا گیا ہو یا پاک کپڑے دھوئے گئے ہوں تو بالاتفاق کسی چیز کا اعادہ نہیں، اور اگر حالت حدث میں وضو یا غسل کیا گیا ہو یا نجس کپڑے دھوئے گئے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر حیوان یا نجاست پھولا ہوا نہ ہو تو ایک دن رات کی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے، اسی طرح ان دنوں کے دوران جو کپڑے یا برتن دھوئے گئے ہوں تو ان کا دوبارہ دھونا ضروری ہے اور جو آٹا گوندھا گیا ہو اگر وہ موجود ہو تو کسی حیوان کو کھلا دیں۔ اور صاحبین کے ہاں کسی چیز کا اعادہ نہیں بلکہ جس وقت اس کا علم ہوا اسی وقت سے اس کی نجاست کا اعتبار ہوگا۔ بعض علماء نے صاحبین کے قول کو ترجیح کر کے اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے تاہم اگر صحرا وغیرہ ہو اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو تو پھر صاحبین کی رائے کو اپنانا بالکل درست ہے۔

کما قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحدادی: اذا وجد فی البئر فارۃ میتۃ او غیرھا ... ولا یدرون متی وقعت ولم تنتفخ ولم تتفسخ اعادوا صلوٰۃ یوم ولیلۃ وان کانت قد انتفخت او تفسخت اعادوا صلوٰۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا فی قول ابی حنیفۃؒ (اذا کانوا توضؤا منھا) ای وھم محدثون وغسلوا کل شیء اصابہ ماؤھا ای غسلوا ثیابھم من نجاسۃ اما ان توضؤا منھا وھم متوضؤن او غسلوا ثیابھم من غیر نجاسۃ فانھم لا یعیدون اجماعاً ..... وقال ابویوسفؒ ومحمدؒ لیس علیھم شیء حتی یتحققوا متی وقعت۔
(الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۲۳ فصل فی البئر)

قال ابن عابدینؒ: (قولہ قیل وبہ یفتی) قائلہ صاحب الجوھرۃ وقال العلامۃ قاسم فی تصحیح القدوری: قال فی فتاوی العتابی قولھما ھو المختار قلت: لم یوافق علی ذلک فقد اعتمد قول الامام البرھانی والنسفی والموصلی وصدر الشریعۃ ورجح دلیلہ فی جمیع المصنفات۔
(رد المحتار ج۱ ص۲۱۹ مطلب مھم فی تعریف الاستحسان) [1]

[1] قال ابن نجیمؒ: عمران البئر تنجس من وقت وقوع الحیوان الذی وجد میتاً فیھا
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

باب الحوض

(حوض کے مسائل واحکام)

ده در ده سے کم تالاب کا حکم

سوال :- بعض علاقوں میں چھوٹے چھوٹے حوض بنائے جاتے ہیں، پانی کی روانی کے وقت تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا لیکن جب پانی جاری نہ ہو تو ایسے حوض (تالاب) سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر اس وقت جبکہ حوض کے ایک جانب کتوں یا دوسرے حیوانات کی نجاست پڑی ہو۔

الجواب :- جو حوض ده در ده سے کم مقدار کا ہو تو صرف نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور جو حوض ده در ده یا اس سے زیادہ مقدار کا ہو تو جب تک پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوئے ہوں، محض نجاست گرنا ناپاکی کا سبب نہیں بنتا۔ البتہ مسئولہ حوض اگر ده در ده سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑی ہوئی ہو تو جب تک پاک نہ ہو، اس سے وضو کرنا جائز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ن علموا متى الوقعت وان لم يعلم فقد صار الماء مشكوكا في طهارته ونجاسته فان توضؤا منها وهم متوضؤن او غسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعا لان الطهارة لا تبطل بالشك وان توضؤا منها وهم محدثون او اغتسلوا من جنابة او غسلوا ثيابهم عن نجاسة ... ففي الثاني خلاف فعند ابي حنيفة التفصيل المذكور في الكتاب وقالا لا يحكم بنجاسة وقت العلم بها ولا يلزمهم اعادة شيء من الصلوة ولا غسل ما اصابه ماؤها قبل العلم وهو القياس لان اليقين لا يزول بالشك. (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۱۲۲)

وقال ابن الشحنة في تصحيح الشيخ قاسم وفي فتاوى العتابي المختار قولهما قلت وعليه الفتوى كما في الخلاصة لكن تعقب النقل بالترجيح والمعتمد في كثير من الكتب وقالوا انه الاحتياط فكان العمل عليه وذكر لا يحتاج الى ان ما عجن به قال بعضهم يسقى الى الكلاب وقال بعضهم يعلف المواشي. (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۲۲ كتاب الطهارة)

ومثله في السعاية ج ۱ ص ۴۳۸،۴۳۹ كتاب الطهارة في احكام البئر۔

نہیں البتہ جاری ہونے کی صورت میں دَہ در دَہ سے کم حوض بھی نجس نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود بن مودود الموصلی: الماء الراکد اذا وقعت فیه نجاسة لا یجوز به الوضوء الا ان یکون عشرة اذرع فی عشرة۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۴ حکم الماء الراکد ان وقعت فیه نجاسة)

گول حوض کا حکم

سوال: طول وعرض دہ در دہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری ہے، لیکن بسا اوقات حوض گول ہوتا ہے تو کیا چالیس گز گولائی والے حوض کو حوض کبیر کہا جا سکتا ہے؟

الجواب: حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری نہیں، طہارت کا دارومدار پانی کی کثرت پر ہے لہٰذا گول حوض ہونے کے باوجود جب دہ در دہ جتنا رقبہ بنتا ہو تو یہ دہ در دہ ہی کے حکم میں ہوگا۔

قال ابن عابدین: (قوله فی مربع) اشار الی ان المراد من اعتبار العشر فی العشر ان یکون وجهه مائة ذراع سواء کان مربعا وهو ما یکون کل جانب من جوانبه عشرة او طول الماء اربعون ووجهه مائة او کان مدورا او مثلثا۔
(رد المحتار علی الدر المختار باب المیاه ج۱ ص۱۴۲)

متفاوت کناروں والے حوض کا حکم

سوال: اگر حوض کی لمبائی اور چوڑائی متفاوت ہو یعنی کچھ حصہ اوسط دہ در دہ سے زیادہ ہو تو

---

[۱] قال العلامة ابراهیم الحلبی: والماء الراکد الاصح عند المتاخرین ان القلیل ما لم یکن عشرا فی عشر یتنجس بوقوع النجاسة فیه وان لم یظهر فیه اثرها من لون وطعم۔ (کبیری ص۹۴ فصل فی احکام الحیاض) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۴ احکام الحیاض۔

[۲] قال ابن نجیم: بیان کان الحوض مدورا ففی الظهیریة یعتبر ستة وثلاثین وهو الصحیح وهو مبرهن عند الحُسّاب ... وفی الخلاصة وصورة الحوض الکبیر المقدر بعشر فی عشر ان یکون من کل جانب من جوانب الحوض عشرة ویکون حوله اربعون ذراعا۔ (البحر الرائق کتاب الطهارة ج۱ ص۷۸)

کیا اس کو حوض کبیر کے حکم میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:- حوض کبیر کے ماءِ جاری کے حکم میں ہونے کا دارومدار تناسبِ اطراف پر نہیں بلکہ پانی کی کثرت پر ہے، اگر اوسط رقبہ دہ در دہ سے زیادہ بنتا ہو اور متصل نہری پانی میں پانی زیادہ ہو تو پھر طول و عرض متفاوت ہونے کے باوجود یہ حوض دہ در دہ کے حکم میں ہو کر ماءِ جاری کے حکم میں رہ جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: ولو له طول لا عرض لكنه يبلغ عشراً في عشر جاز تيسيراً۔

قال ابن عابدينؒ: (قوله تيسيراً) أي جاز الوضوء منه بناء على نجاسة الماء المستعمل أو المراد جاز وإن وقعت فيه نجاسة، وهذا إنما قوبل، وهو ما صححه في (رد المحتار على الدر المختار باب المياه ج ۱ ص ۱۹۳)[1]

بڑے حوض سے وضو کا حکم

سوال:- ایک بڑا حوض ہونے کی صورت میں اگر وضو کرتے وقت ماءِ مستعمل کے کچھ قطرے گرتے رہیں اور پانی نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو تو کیا اس حوض سے وضو کرنا درست ہے؟

الجواب:- بڑے حوض میں جب تک پانی کے اوصاف یعنی رنگ، ذائقہ اور بو متغیر نہ ہو تو ماءِ مستعمل کے قطرے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، از روئے شرع ایسا پانی پاک ہے اس سے وضو و غسل دونوں جائز ہیں۔

قال الحصکفیؒ: وكذا يجوز براكد كثير كذلك، أي وقع فيه نجس لم ير أثره ولو في موضع وقوع، به يفتى، بحر۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار باب المياه ج ۱ ص ۱۹۰، ۱۹۱)[2]

---

[1] قال ابن نجيمؒ: ثم كان الحوض مدوراً ففي الظهيرية يعتبر ستة وثلاثون وهو الصحيح وهو مبسوط عند الحساب وفي الخلاصة وجملة الحوض الكبير المقدر بعشرة في عشرة أن يكون من كل جانب من جوانب الحوض عشرة وحولها أربعون ذراعاً۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۷۷)

[2] قال ابن نجيمؒ: قوله وهو كالجاري أي إن لم يكن عشراً في عشر فهو كالجاري فلا يتنجس إلا إذا تغير أحد أوصافه ثم في قوله كالجاري إشارة إلى أنه لا يتنجس موضع الوقوع۔ (البحر الرائق كتاب الطهارة ج ۱ ص ۸۲)
ومثله في الهندية، الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۱۸۔

زیادہ پانی تغیر اوصاف کے بغیر پاک ہے

سوال:- اگر بڑا حوض جس کی مقدار عشر فی عشر سے زیادہ ہو گوبر یا خون وغیرہ واقع ہونے سے اس کے پانی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- واضح ہو کہ پانی خواہ حقیقتاً جاری ہو یا حکماً، اس میں نجاست واقع ہونے کی صورت میں تغیر اوصاف کے بغیر پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن یہی واضح ہو کہ دہ در دہ کے حوض ما بجاری کے حکم میں ہونا احناف کے مذہب میں ایک روایت ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول نہیں لیکن زمانہ حال میں سہل کی بنا پر فقہاء کرام دہ در دہ پر فتویٰ دیتے ہیں۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشيدؒ: النجاسة اذا وقعت في حوض ان كان كبيرا فهو بمنزلة البحر لا يتنجس الا ان يتغير طعمه او لونه او ريحه...... ثم قال وبعضهم قدر الحوض الكبير بمقدار عشرة اذرع في عشرة اذرع وعليه الفتوى۔

(خلاصة الفتاوى: كتاب الطهارة ج ۱ ص ۳) [۱]

نہر میں گندگی ڈالنے کی صورت میں پانی کا حکم

سوال:- بڑی بڑی نہریں آبادیوں کے قریب سے گذرتی ہیں تو لوگ عموماً اس میں نجاست اور گندگی پھینکتے رہتے ہیں یہاں تک کہ گٹروں سے بیت الخلاء کا پانی بھی نہروں میں شامل ہوتا ہے، بسا اوقات نجاسات کے ڈھیر تک پانی میں نظر آتے ہیں تو ایسی نہروں کے پانی سے وضو اور غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- نہروں کا پانی جاری ہے اور جاری پانی میں جب تک اوصاف متغیر نہ ہوں یعنی رنگ، ذائقہ اور بو میں فرق نہ آیا ہو تو نجاست کے وقوع سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، ایسی بڑی نہروں میں عموماً نجاست مغلوب ہو جاتی ہے اور پانی میں اس کا کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا اس لیے نہروں کا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔

قال الحصكفيؒ: ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة والجاري هو ما يعد جاريا عرفا...

---

[۱] والمختار بعشر في عشر هو المفتى به وذكر السيد احمد الطحطاوي تحت قوله هو المفتى به اي هو قول عامة المشائخ خانية وهو قول الاكثر وبه نأخذ نوازل وعليه الفتوى۔ (الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۲۱ بحث اقسام المياه) ومثله في الهندية: الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۱۸

ان لم یر أی یعلم اثرہ فلو فیه جیفة او بال فیه رجال فتوضأ آخر من اسفله جاز ما لم یر فی الجریة أثرہ وهو ما طعم او لون او ریح۔ (رد المحتار علی صدر الدر المختار باب المیاہ ج ۱ ص ۱۸۶) ــه

باب التیمم

(تیمم کے احکام و مسائل)

تیمم کی نیت

سوال: تیمم کی نیت کیسے کرنی چاہیے؟ اگر عربی کی نیت نہ آتی ہو اور جو مادری زبان میں نیت کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز عربی میں نیت کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: تیمم کی نیت دل کے ارادے سے عبارت ہے، اگر دل میں ارادہ ہو تو نیت صحت تیمم کے لیے کافی ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی نیت کی جائے، اگر عربی میں نیت یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کرے، البتہ عربی میں نیت یوں ہے: نویت ان اتیمم لرفع الحدث ولاستباحة الصلوٰة، لیکن نیت پر تلفظ کرتے وقت متعلقہ فعل کا دل سے ارادہ کرنا ہوگا تاکہ زبان اور دل کے ارادے میں یکسانیت رہے۔

قال الحسن بن عمار: وهو لغة القصد وشرعاً قصد الصعيد للتطهير والقصد شرط [illegible] (رد بعض صفر) یشترط لصحة نیة التیمم [illegible] التیمم عند نیة ای امانة مطهاة عن الحدث او الجنابة او نیة استباحة الصلوٰة او نیة عبادة مقصودة لا تصح بدون طهارة (البحر الرائق کتاب التیمم) ــه

ــه وفی الهندیة: وفی النصاب والفتویٰ فی الماء الجاری انه لا یتنجس ما لم یتغیر طعمه او لونه او ریحه من النجاسة کذا فی المضمرات۔ (الهندیة: الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۷) ومثله فی البحر الرائق کتاب الطهارة ج ۱ ص ۸۲۔

ــه وفی الهندیة: منها النیة وکیفیتها ان ینوی عبادة مقصودة لا تصح الا بالطهارة او نیة الطهارة او استباحة الصلوٰة تقوم مقام ارادة الصلوٰة ... الخ (الهندیة ج ۱ ص ۲۶ باب التیمم) ومثله فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹، باب التیمم۔

مسجد کی مٹی پر تیمم کا حکم

سوال: تیمم کی ضرورت پڑنے پر مسجد کی دیوار وغیرہ سے تیمم کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی دیوار یا فرش پر تیمم کرنا مکروہ ہے، چونکہ تیمم کی صورت میں یہ مٹی حدث کے لیے مزیل ہے، جو مٹی یا پتھر مسجد میں نصب اور قائم ہو وہ واجب التعظیم ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ازالۂ حدث کی نسبت بے ادبی کے مترادف ہے، البتہ اگر دیوار یا فرش کی مٹی کسی نے جمع کر کے مسجد کے ایک کونے میں رکھی ہو تو پھر اس پر تیمم جائز ہے، کیونکہ مٹی کو اٹھا کر کسی کونے میں رکھنا مسجد سے خارج ہونے کے معنی میں ہے، اور مسجد کی مٹی جب مسجد سے باہر نکالی جائے تو اس کا تقدس اور حرمت باقی نہیں رہتی۔

قال القاضی خان: ويكره مسح الرجل من طين وردغة بأسطوانة المسجد أو بحائطه وإن مسح بتراب في المسجد إن كان ذلك التراب مجموعا في ناحية غير منبسط لا بأس به وإن كان منبسطا مفروشا يكره لأنه بمنزلة أرض المسجد. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية، فصل في المسجد ج ۱ ص [illegible])

تیمم میں تخلیل لحیہ کا حکم

سوال: وضو کے وقت داڑھی کا خلال تو ہوتا رہتا ہے لیکن تیمم کے وقت داڑھی کے خلال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تیمم میں داڑھی کا خلال مسنون ہے تاہم اس کے لیے مستقل ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدين: وفي شرح المنية ويخلل لحيته واصابعه ويحرك الخاتم ونحوه كالوضوء والغسل: هو الاصح [illegible] لا بد منه ليتم الاستيعاب وقال في البحر لكن نزع الخاتم وتحريكه او تخليل اللحية فمن السنن. (رد المحتار على الدر المختار، باب التيمم ج ۱ ص ۲۳۲)

قال العلامة اشرف علی تھانوی: مسجد کی مٹی سے تیمم کرنا مکروہ ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص [illegible] فصل فی التیمم)

ومثله فی امداد الاحکام ج ۱ ص [illegible] آداب المساجد۔

نمازِ جنازہ کے لیے تیمم

سوال: پانی کی موجودگی میں اگر جنازہ کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہر وہ نماز جس کے فوت ہوجانے کے بعد اس کی کوئی صورتِ قضا ممکن نہ ہو اور اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے اس کی ادائیگی کے لیے تیمم کرنا جائز ہے، لہٰذا نمازِ جنازہ فوت ہونے کے خدشہ کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے، تاہم ولیِ میت اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اور اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

قال الحصكفيؒ: وجاز لخوف فوت صلوٰة جنازة أي كل تكبيراتها ولو جنباً وفوت عيد بفراغ إمام أو زوال شمس۔

قال ابن عابدينؒ: (قوله وجاز لخوف فوت صلوٰة جنازة) أي ولو كان الماء قريباً (قوله كل تكبيراتها) فلو كان يرجو أن يدرك البعض لا يتيمم لأنه يمكنه أداء الباقي وحده، بحر عن القنية۔ (ردالمحتار على الدر المختار باب التيمم ج۱)

تلاوتِ قرآن کیلئے تیمم جائز ہے

سوال: کیا تلاوتِ قرآن مجید کے لیے بلاعذر تیمم جائز ہے؟

الجواب: تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، ہر وہ عبادت جس کے لیے طہارت شرط نہ ہو تو اس کی ادائیگی بلا وضو بھی جائز ہے، تاہم اس کے لیے تیمم کرنا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صرف سلام کے جواب کے لیے تیمم فرمایا تھا۔

قال علامہ عبد الحیؒ: ویتیمم لذکر اللہ وکل خیر ولو لرد سلام، قال ابن عمرؓ: مر رجل من المهاجرين على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يبول فسلم عليه فلم يرد عليه حتى كاد الرجل يتوارى عنه، ثم تيمم فرد السلام وقال: إنه لم يمنعني أن أرد عليك السلام إلا أني لم أكن على طهر. في هذا الحديث دلالة على كراهة الكلام وعدم استحباب السلام ورده في هذا المقام وعلى أنه يستحب أن يكون

ے قال في الهندية: ويجوز التيمم إذا حضرته جنازة والولي غيره فخاف إن اشتغل بالطهارة أن تفوته الصلوٰة ولا يجوز للولي وهو الصحيح هكذا في الهداية۔ (الهندية الفصل الثالث في التيمم ج۱ ص۳۱) ومثله في مختصر القدوري باب التيمم۔

کرے تو پھر دوبارہ تیمم ضروری ہوگا۔

قال ابراهيم الحلبيؒ: وإن كان إن يكفي للوضوء ولا يكفي للمعة يتوضأ به ولا ينتقض تيمم الجنابة لأن الماء في حق اللمعة كالمعدوم لعدم كفايته لها۔

(كبيري، باب التيمم ص۸۶) ۔۱؎

باب المسح على الخفين

(موزوں پر مسح کے مسائل)

ٹخنوں تک موزوں پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر موزے مضبوط قسم کے چمڑے اس طرح بنائے جائیں کہ ان میں ٹخنے چھپ جائیں تو کیا ایسے موزوں پر مسح جائز ہے؟

الجواب:۔ موزوں پر مسح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں ٹخنے چھپے ہوں بلکہ اگر پنڈلی کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے تو بھی مسح کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال في الهندية: منها أن يكون الخف مما يمكن قطع السفر به وتتابع المشي عليه ويستر الكعبين وسترهما من تحتهما ليس بشرط هكذا في المحيط حتى لو لبس خفا لا ساق له يجوز المسح إن كان الكعب مستورا۔

(الفتاوى الهندية الباب الخامس في المسح على الخفين ج۱ ص۳۲) ۔۲؎

جرابوں کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص پہلے سوتی جراب پہن کر اس کے اوپر موزے پہن لے تو کیا ایسی

۱؎ قال في الهندية: ولو كان مع الجنب ما يكفي للوضوء يتيمم ولا يجب التوضؤ به إلا إذا كان مع الجنابة حدث يوجب الوضوء۔ (الهندية الفصل الثالث في المتفرقات ج۱ ص۳۱)

۲؎ قال الحصكفيؒ: شرط مسحه ثلاثة أمور الأول كونه ساتر محل فرض غسل القدم مع الكعب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۶۰)

صورت میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسح حقیقتاً موزوں پر ہی رہتا ہے، موزوں کے نیچے جراب پہننا کوئی مانعِ مسح عمل نہیں لہٰذا جرابوں کے ہوتے ہوئے بھی موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے۔

قال ابن عابدینؒ تحت قوله (او جرموقيه ولو فوق خف او لفافة) وسواء كانت ملفوفة على الرجل تحت الخف او كان خيطة ملبوسة تحته كما افاده في شرح المنية۔ (رد المحتار على الدر المختار باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۶۹) [۱]

جرابوں پر مسح کی شرائط

سوال: جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نائیلون کی بنی ہوئی جرابوں پر مسح کرتے ہیں از روئے شریعت ایسی صورت میں وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث متواترہ سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے، موزے عموماً چمڑے کے بنے ہوتے ہیں اس لیے مطلق جراب پر مسح جائز نہیں، البتہ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کیلئے چار شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ایسی گاڑھی اور موٹی ہوں جن میں تین میل یا بارہ ہزار قدم بغیر جوتے کے چلنا ممکن ہو۔
(۲) پہننے کے بعد پنڈلیوں پر خود چپکی رہیں اور نیچے نہ گریں۔
(۳) پانی نیچے سے جذب نہ کریں۔
(۴) جرابوں میں دیکھنے سے اندر پاؤں کا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔

چونکہ موجودہ نائیلون کی جرابوں میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے ان پر مسح کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں وضو ناقص رہے گا۔

قال الحصكفيؒ (او جوربيه ولو من غزل او شعر الثخينين بحيث يمشي فرسخاً

---

[۱] قال ابراهيم الحلبيؒ بعد ما ذكر جواز المسح على خف لبس فوق خف مخيط من كرباس او جوخ او نحوهما لا يجوز عليه المسح لأن الجرموق اذا كان بدلا عن الرجل وجعل الخف مع جواز المسح عليه في حكم العدم فلان يكون الخف بدلا عن الرجل ويجعل ما لا يجوز المسح عليه في حكم العدم اولى كما في اللفافة. (كبيري، فصل في المسح على الخفين ص۱۱۲) ومثله في البحر الرائق باب المسح على الخفين ج۱ ص۱۸۱)

ويثبت على الساق بنفسه ولا يرى ما تحته ولا ينشف إلا أن ينفذ الى الخف قدر الغرض۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۷۱) [۱]

بوٹ پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایسے بوٹ پہنے ہوں جن میں تسمے چھپ جائیں اور مضبوطی بھی اس درجہ کی ہو کہ ان میں پھٹن نہ ہو تو کیا ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ واضح رہے کہ ان میں پیدل چلنا تین میل سے زائد ہو سکتا ہو؟

الجواب:۔ ایسے بوٹوں میں جواز مسح کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

قال الحصكفيؒ: شرط مسحه ثلاثة امور: الأول كونه ساتر القدم مع الكعب او يكون نقصانه اقل من الخرق المانع فيجوز على الزربول لو مشدودا۔ والثانى كونه مشغولا بالرجل ليمنع سراية الحدث۔ الثالث كونه مما يمكن متابعة المشى المعتاد فيه فرسخا فاكثر۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله لو مشدودا) لأن شده بمنزلة الخياطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد كالخف الذى يشد بعضه ببعض بالخيط۔ وفى البحر عن المعراج ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهر القدم وله ازرار يشدها عليه تسده لأنه كغير المشقوق۔۔۔ الخ

(رد المحتار على الدر المختار باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۶۲،۲۶۳) [۲]

انگلیوں میں ورم پیدا ہونے سے پاؤں پر مسح

سوال:۔ سردی کے موسم میں بسا اوقات پاؤں میں سوجن پیدا ہو کر انگلیاں متورم ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے، کیا ایسے پاؤں پر مسح

---

[۱] قال ابن نجيمؒ: (قوله والجورب المجلد والمنعل والثخين) اى يجوز المسح على الجورب اذا كان مجلدا او منعلا او ثخينا وبعد اسطر والثخين ان يقوم على الساق من غير شد ولا يسقط ولا يشف وفى التبيين ولا يرى ما تحته۔ (البحر الرائق باب المسح على الخفين ج۱ ص۱۹۲) ومثله فى خلاصة الفتاوى باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۶۔

[۲] قال ابن نجيمؒ: ويجوز على الجاروق المشقوق على ظهر القدم وله ازرار يشده عليه يسده لانه كغير المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شئ فهو كخروق الخف۔ (البحر الرائق باب المسح على الخفين ج۱ ص۱۸۳) ومثله فى خلاصة الفتاوى۔ باب المسح على الخفين ج۱ ص۲۸

کرنا جائز ہے؟

الجواب: ۔صورت مذکورہ میں اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے تو گرم پانی استعمال کرے اور اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو یا گرم پانی کا استعمال بھی باعث تکلیف ہو تو پھر اس پر مسح کافی ہے گا، تاہم اگر جبیرہ کے نیچے مسح کرنے سے تکلیف نہ ہو تو جلد پر مسح کرے گا، اور اگر جلد پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو جبیرہ کے مسح پر اکتفاء ہو سکتا ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وفی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان والمسح علی الجبائر انما یجوز اذا کان لا یضرہ غسل ما تحتہ یلزمہ الغسل وان کان یضرہ الغسل بالماء البارد ولا یضرہ الغسل بالماء الحار یلزمہ الغسل بالماء الحار وان کان یضرہ الغسل ولا یضرہ المسح یمسح ما تحت الجبیرۃ ولا یمسح فوقہا۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج۱ ص۱۸۶) ؎

باب الحیض

(حیض کے مسائل واحکام)

حالتِ حیض میں تسبیح پڑھنے کا حکم

سوال: ۔دورانِ حیض ونفاس عورت قرآن کریم کی تلاوت تو نہیں کر سکتی لیکن کیا تسبیحات اور قرآنی دعائیں پڑھ سکتی ہے؟

الجواب: ۔حالتِ حیض ونفاس میں عورت کے لیے تسبیحات یا دعائیں پڑھنا جائز ہے، البتہ قرآنی ادعیہ بہ نیت تلاوت پڑھنا حرام ہے جبکہ دعا کی نیت سے جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یکرہ النظر الیہ ای القرآن لجنب وحائض ونفساء لان الجنابۃ لا تحل العین کما لا تکرہ ادعیۃ ای تحریماً، والا فالوضوء لمطلق الذکر مندوب

؎ قال ابراہیم الحلبیؒ: والمسح علی الجبیرۃ علی وجوہ انہ کان لا یضرہ غسل ما تحتہ یلزمہ الغسل بالاجماع وان کان یضرہ الغسل ما تحتہ بالماء البارد ولا یضرہ بالماء الحار یلزمہ الغسل بالماء الحار وان کان یضرہ الغسل ولا یضرہ المسح یمسح ما تحت الجبیرۃ ولا یمسح ما فوق الجبیرۃ۔ (صغیری، باب المسح ص۶۵) ومثلہ فی الہندیۃ باب المسح ج۱ ص۳۵۔

وتركه خلاف الأولى وهو مرجع كراهة التنزيه (ردالمحتار على صدر الدرالمختار مطلب يطلق الدعاء على ما يشمل الثناء ج ۱ ص ۱۴۷) [۱]

حالتِ حیض میں جماع کرنے کا حکم

سوال:- ایامِ حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا کیا حکم ہے؟ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل (بوسہ) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- حائضہ عورت کے ساتھ بنصِ قرآنی جماع حرام اور ناجائز ہے ایسی حالت میں جماع سے احتراز اور اجتناب لازمی ہے۔

لقوله تعالى: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ۔

البتہ جماع کے علاوہ لمس و تقبیل یا بوقتِ ضرورت ما فوق الازار استمتاع جائز اور صحیح ہے۔

قال الحصكفي: وقربان ما تحت ازار يعني ما بين سرة وركبة ولو بلا شهوة وحل ما عداه۔

وقال ابن عابدين: تحت قوله يعني ما بين سرة وركبة فيجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وتحتها ولو بلا حائل وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطي۔ (ردالمحتار على الدرالمختار باب الحيض ج ۱ ص ۲۹۲) [۲]

ناقص الخلقت بچے کی ولادت پر نفاس کا حکم

سوال:- اگر کسی عورت کا بچہ تام الخلقت نہ ہو، بعض اعضاء بنے ہوں یا اعضاء بالکل نہ ہوں بلکہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہو تو اس ناقص الخلقت یا سقط کے خروج کے بعد عورت سے جو خون نکلتا ہے اس پر نفاس کا حکم جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

[۱] وفي الهندية: ولا يكره قراءة القنوت في ظاهر الرواية كذا في التبيين وعليه الفتوى كذا في التجنيس والظهيرية ويجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الأذان ونحو ذلك كذا في السراجية۔ (الهندية الفصل الرابع في أحكام الحيض والنفاس ج ۱ ص ۳۸)

[۲] قال العلامة ابوبكر بن علي الحداد رحمه الله: الجماع وله ان يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنها ما خلا ما بين السرة والركبة۔ (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۳۵ باب الانجاس) ومثله في الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۹ الفصل الرابع في احكام الحيض۔

الجواب: اگر حمل گوشت کا ایک ٹکڑا ہو یعنی اعضاء بالکل نہ بنے ہوں اور وہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کے بعد نکلنے والا خون حیض کے حکم میں شمار ہوگا بشرطیکہ مدت حیض تک خون جاری رہا ہو، اس سے زائد وقت میں خون استحاضہ میں شمار ہوگا البتہ اگر اعضاء بنے ہوں تو اس اسقاط کے بعد نکلنے والے خون کا حکم نفاس کا ہوگا۔

قال في الهندية: والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصير به نفساء هكذا في التبيين وان لم يظهر شيء من خلقه فلا نفاس لها فان امكن جعل المرئي حيضا يجعل حيضا والا فهو استحاضة. (الهندية، الفصل الثاني في النفاس ج ۱ ص ۳۷)[1]

ایام حیض میں استعمال ہونے والے کپڑوں کا حکم

سوال: بعض خواتین ایام حیض میں استعمال شدہ کرسف (کپڑا) بازار کی گلیوں میں پھینک دیتی ہیں جس سے انسان کے ذہن میں عجیب وغریب قسم کے گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ایسے کپڑے کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیرت اور حیاء کا یہ تقاضا ہے کہ ایام حیض میں استعمال ہونے والا کرسف (کپڑا) دوبارہ استعمال نہ ہوسکتا ہو تو اسے جلا دیا جائے، ایسے کپڑے کو گلی کوچوں میں پھینکنا مناسب نہیں۔

قال العلامة الحصكفي: كل عضو لا يجوز النظر اليه قبل الانفصال لا يجوز بعده كشعر عانته وشعر رأسها وعظم ذراع حرة ميتة وساقها وقلامة ظفر رجلها دون يدها وان لا تنظر الى ملاءة الاجنبية بشهوة حرام. (رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۲ كتاب الحظر والاباحة فصل في النظر)[2]

---

[1] قال الحصكفي: وسقط ظهر بعض خلقه كيد او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولد حكما فتصير المرأة به نفساء والامة ام ولد وان لم يظهر له شيء فليس بشيء والمرئي حيض ان دام ثلاثا وتقدمه طهر تام والا استحاضة. (الدر المختار على صدر رد المحتار، مطلب احوال السقط ج ۱ ص ۳۰۲ ومثله في البحر الرائق باب الحيض ج ۱ ص ۲۱۸)

[2] وفی خیر الفتاوی: ناپاک ہونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہوسکیں تو جلا دیا جائے۔ (خیر الفتاوی ج ۲ ص ۳۹ باب الحیض)

حیض کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی

سوال: حضرت مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ حیض کی ابتداء کب، کیسے اور کس سے ہوئی جو آج تک جاری و ساری ہے؟ از راہ کرم اس مسئلہ کے چند پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

الجواب: حیض ایک مرض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنات آدمؑ کو مبتلا کیا ہوا ہے۔ حضرت حواءؑ نے گندم یا کسی اور شئے کو جو ان کے لیے ممنوع تھی کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حواءؑ کو اسی وجہ سے اس مرض میں مبتلا فرمایا اور آج تک ان کی اولاد میں یہ بیماری چلی آرہی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وسببه ابتداء ابتلاء الله لحواء لما أكل الشجرة. وفي الشامية أي وبقي في بناتها إلى يوم القيامة وما قيل إنه أول ما أرسل الحيض على بني إسرائيل فقد رده البخاري بقوله وحديث النبي صلى الله عليه وسلم أكبر وهو ما رواه عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحيض هذا شيء كتبه الله على بنات آدم قال النووي أي أنه عام في جميع بنات آدم. (رد المحتار ج١ ص٢٨٢ باب الحيض) [1]

دوران حیض ہر رنگ کا پانی حیض ہے

سوال: ایام حیض میں عورت کو مختلف رنگ کا پانی آتا ہے، کیا یہ سب رنگ حیض ہے یا صرف سرخ رنگ والا خون؟

الجواب: ایام حیض میں ہر قسم کا رنگ حیض شمار ہوگا علاوہ سفیدی کے کیونکہ حیض نہیں بلکہ طہر کی علامت ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں مسلمان خواتین اپنے کرسف (روئی کا ٹکڑا جو خون کو روکنے کے لیے عورتیں استعمال کرتی ہیں) بھیجا کرتی تھیں تو آپ فرماتی تھیں کہ ابھی انتظار کرو حتیٰ کہ سفیدی آجائے۔

لما قال المرغینانیؒ: وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرة حيض حتى ترى البياض خالصاً. (الهداية ج١ ص٦٤ باب الحيض) [2]

---

[1] قال الشيخ السيد احمد الطحطاويؒ: قوله وسببه ابتداء أي السبب في حصوله أولاً (قوله ابتلاء الله لحواء) فيه رد على من قال إنه أول ما أرسل على بني إسرائيل فإن الحديث دل على عمومه لجميع بنات آدم والحديث قوي وهو ما روي عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في الحيض هذا شيء كتبه الله تعالى على بنات آدم. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار ج١ ص١٤٦ باب الحيض)

[2] قال الحصکفیؒ: وما تراه من لون ككدرة وتربية في مدته المعتادة سوى بياض خالص. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج١ ص٢٨٩ باب الحيض)

حائضہ عورتیں اوقاتِ نماز میں ذکر و اذکار کو معمول بنائیں

سوال: حالتِ حیض میں عورت کو نماز پڑھنا تو جائز نہیں کیا ایسی عورت اپنے معمول پر دوام کے لیے اوقاتِ نماز میں مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حائضہ عورت کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں وضو کر کے اپنے مصلیٰ پر آ کر بیٹھ جائے اور اتنی دیر تک تسبیح و تحمید، ذکر و اذکار میں مشغول رہے جتنے وقت میں یہ عورت نماز پڑھتی تھی تاکہ معمول میں کوئی فرق نہ آئے۔

قال ابن عابدینؒ: ویستحب لها ان تتوضأ لوقت کل صلوٰۃ وتقعد علی مصلاها وتسبح وتهلل وتکبر بقدر ادائها کی لا تنسی عادتها وفی روایۃ یکتب لها احسن صلوٰۃ کانت تصلی۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۹۲ باب الحیض)[1]

حیض کی حالت میں جماع کرنا

سوال: بعض لوگ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں، ان کو حیض و نفاس کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، اس لیے وہ دورانِ حیض اپنی بیویوں سے ہمبستری کر جاتے ہیں، کیا ازروئے شرع ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب: حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کی روشنی میں حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اس دوران اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اگر کوئی شخص غلطی یا عدمِ علم کی وجہ ابتدائی ایام میں ہمبستری کرے تو ایک دینار اور اگر آخری ایام میں ہو تو نصف دینار صدقہ کرنا افضل ہے اور توبہ و استغفار واجب ہے۔

لما قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: ویحرم بالحیض والنفاس الجماع والاستمتاع بما

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ویستحب للمرأۃ الحائض اذا دخل علیها وقت الصلوٰۃ ان توضأ وتجلس عند مسجد بیتها، وفی السراجیۃ مقدار ما یمکن اداء الصلوٰۃ لو کانت طاهرۃ وتسبح وتهلل کیلا تزول عنها عادۃ العبادۃ۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۱ ص۲۲۳ باب الحیض نوع فی الاحکام التی تتعلق بالحیض)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۳۸ الباب السادس فی الدماء المختصۃ بالنساء الفصل الرابع فی احکام الحیض

تحت السرة الی تحت الرکبة لقوله تعالیٰ: ﴿ولا تقربوهن حتی یطهرن﴾ ...... وقوله صلی اللہ علیه وسلم: "لك ما فوق الازار" فان وطئها غیر مستحل له یستحب ان یتصدق بدینار و نصفه ویتوب ولا یعود وجزم فی المبسوط وغیره بکفر مستحله۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۱۶ باب الحیض)[1]

حالتِ حیض میں تعلیمِ قرآن کا حکم

سوال:۔ آجکل بنات (لڑکیوں) کے مدارس میں مستورات استاذ ہوتی ہیں تو کیا ان کے لیے حالتِ حیض میں بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تعلیم ناگزیر ہے!

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں حائضہ کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن جہاں تلاوت ناگزیر ہو تو وہاں مفتیٰ بہ قول کے اعتبار سے بہ نیتِ تعلیم ہجی سے پڑھنا جائز ہے اگرچہ امام طحاویؒ کی تحقیق کے مطابق نصف آیت بھی پڑھ سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله وقراءة القرآن) ای ولو دون آیة من المرکبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعلیمه کلمة کلمة کما قدمناه۔ (ردالمحتار جلد ۱ ص۲۹۳)[2]

حائضہ عورت کیلئے دینی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے

سوال:۔ حالتِ حیض میں خواتین دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ حیض میں قرآن کریم کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کا مطالعہ شرعاً ممنوع نہیں البتہ

---

[1] وفی الهندیة: فان جامعها وهو عالم بالتحریم فلیس علیه الا التوبة والاستغفار ویستحب ان یتصدق بدینار او نصف دینار۔ (الهندیة ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس الخ)
ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۹۹ باب الحیض)

[2] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (قوله وقراءة القرآن) ای یمنع الحیض وکذا الجنابة قراءة قرآن ویعم الآیة وما دونها وهو قول الکرخی وصححه صاحب الهدایة فی التجنیس وقاضیخان فی شرح الجامع الصغیر والنووی فی فتاواه ومشی علیه المصنف فی المستصفی وقوله فی الکافی ونسبه صاحب البدائع الی عامة المشائخ۔
(طحطاوی حاشیه الدر المختار ج۱ ص۱۵۰ باب الحیض)
ومثله فی التاتارخانیة ج۱ ص۳۴۳ باب الحیض نوع فی الاحکام التی تتعلق بالحیض)

مطالعہ کے لیے بغیر غلاف کے اٹھانا اور اس کی ورق گردانی کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال ابن الہمامؒ: قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانہا لا تخلوا عن آیات القرآن وہذا التعلیل یمنع شروح النحو ایضاً۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۵۰ باب الحیض) لہ

حالتِ حیض میں آیۃ الکرسی پڑھنا

سوال: میں رات کو اکثر خواب میں ڈر جاتی ہوں، ایک صاحب نے مجھے آیۃ الکرسی پڑھنے کو کہا ہے، کیا حالتِ حیض میں مجھے آیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو شرعاً حائضہ اور جنب کو قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن اگر کوئی آیاتِ قرآنی دعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے البتہ تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

لما قال ابن عابدینؒ: (وقرأۃ القرآن بقصدہ) اما فلو قرأت الفاتحۃ علی وجہ الدعاء او شیئاً من الآیات التی فیہا معنی الدعاء ولم ترد القرأۃ فلا بأس بہ الخ

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۳ باب الحیض) لہ۲

حائضہ عورت کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم

سوال:۔ حائضہ عورت ایام مخصوص میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے اور بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے، تو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ نیز حالتِ حیض میں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس میں نہ تو یہودیوں کی طرح اس حالت میں عورت کو ایک گندی شئے سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے نہ نصاریٰ کی طرح پاک اور سابقہ حالت کے مطابق جانا استعمال کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ جہاں جہاں پر ضرورت تھی وہاں منع فرمایا اور جہاں سے لابدی تھا

لہ قال ابن نجیمؒ: قالوا یکرہ مس التفسیر والفقہ والسنن لانہا لا تخلوا عن آیات القرآن وہذا التعلیل یمنع من شروح النحو ایضاً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۰۱ باب الحیض)

ومثلہ فی الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۳ باب الحیض نوع فی الاحکام التی تتعلق بالحیض۔

لہ۲ قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ بقصدہ) اما اذا قرأ علی قصد الثناء او افتتاح امر لا تمنع فی اصح الروایات وفی التسمیۃ اتفاق انہ لا تمنع اذا کانت علی قصد الثناء او افتتاح امر خلاصۃ وفی العیون لابی اللیث: ولو انہ قرأ الفاتحۃ علی سبیل الدعاء او شیئاً من الآیات التی فیہا معنی الدعاء ولم یرد بہ القرأۃ فلا بأس بہ۔ (الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص ۱۵۰ باب الحیض)

وہاں کرنے کا حکم دیا ہے، اسلئے حائضہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی اشیاء کے کھانے یا بچے کو دودھ پلانے سے کوئی اور چارہ نہیں، اسلئے حائضہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا اس کو اسی حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد یہ کام کیا کرے۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: ولا بأس ان یقبلها ویضاجعها ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرهما۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۴۳ باب الحیض)[۱]

آپریشن سے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کا حکم

سوال: آجکل بسا اوقات بچے کی ولادت آپریشن کے ذریعے ہوتی ہے اس کے بعد جو خون آتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ خون نفاس میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: نفاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد رحم سے آئے چاہے بچہ معتاد طریقہ یعنی فطری طریقے سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے۔ اب اگر نکلنے والا خون رحم سے ہو تو نفاس میں شمار ہوگا اور اگر آپریشن کی جگہ سے خون آتا ہو تو وہ نفاس نہیں، اس میں عورت پر روزہ نماز لازم ہوں گے۔

لما قال الحصکفی: والنفاس لغة ولادة المرأة وشرعاً دم یخرج من رحم عقب ولد ولو ولدته من سرتها ان سال الدم من الرحم فنفساء والا فذات جرح وان ثبت له احکام الولد عقب ولد او اکثره ولو متقطعاً عضواً عضواً لا اقله۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۹۹ باب الحیض)[۲]

---

[۱] قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: ولا یکرہ طبخها ولا استعمال ما مسته من عجین او ماء او غیرهما الا اذا توضأت بقصد القربة کما هو المستحب الخ۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۱۴۹ باب الحیض)

[۲] قال الشیخ السید احمد الطحطاوی: قوله ولو ولدته من سرتها: بان کان بها جرح فانشقت وخرج الولد منها (قوله فنفساء) لانه وجد خروج الدم من الرحم عقب الولادة (قوله والا فذات جرح) یعنی لا تعطی حکم النفساء (قوله وان ثبت له احکام الولد) من انقضاء العدة وصیرورة الامة به ام ولد ولو علق الطلاق بولادتها وقع لوجود الشرط۔ (طحطاوی حاشیہ الدر المختار ج۱ ص۱۵۳ باب الحیض)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۷ الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء، الفصل الثانی فی النفاس۔

ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم

سوال:۔ کبھی کبھی کسی عورت کو ولادت سے پہلے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔۔۔ اس خون کا کیا حکم ہے؟ اور اس دوران اس عورت کو نماز وغیرہ احکامات کا بجا لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہو اور حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سبب کے رحم سے آئے۔ صورت مسئولہ میں اس خون پر نہ نفاس کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے کہ بچے کی ولادت سے قبل ہے اور نہ حیض کی۔ اس لیے کہ رحم کا منہ بچے کی وجہ سے بند ہے۔ اس لیے یہ خون استحاضہ کا خون ہے۔ اس دوران ہر قسم کی عبادت جائز ہے۔

قال برهان الدين المرغينانيؒ: والدم الذي تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل الولد استحاضة (الهداية ج۱ ص۶۵ كتاب الحيض) [1]

حائضہ عورت سے استمتاع جائز ہے

سوال:۔ حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنا تو بنص قرآن حرام ہے لیکن کیا اس سے مطلقاً استمتاع جائز ہے یا کچھ گنجائش ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حائضہ سے صرف جماع کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس کے علاوہ دیگر استمتاع میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ آدمی کے لیے حائضہ سے استمتاع ما فوق السرة و ما تحت الركبة بلا حائل جائز ہے اور اس کے علاوہ سے بھی حائل کے جائز ہے۔

لما قال ابن العابدينؒ تحت قوله يعني ما بين سرة وركبة: فيجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطء ولو تلطخ دماً (رد المحتار جلد ۱ ص۲۹۲ باب الحيض) [2]

---

[1] وفي الهندية: وكذا ما تراه الحامل ابتداء او حال ولادتها قبل خروج الولد۔ (الهندية ج۱ ص۳۸ الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء الفصل الثالث في الاستحاضة)۔
ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج۱ ص۴۶۲ البحث الثالث في تعريف النفاس ومدته۔

[2] ومثله في الهندية: وله ان يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنها ما خلا ما بين السرة والركبة عند ابي حنيفة وابي يوسفؒ (الهندية ج۱ ص۳۹ الباب السادس - الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس)

انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال:- آجکل ایسے انجکشن ملتے ہیں جن کے لگانے سے خواتین کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے خصوصاً حج کے ایام میں خواتین وہ انجکشن لگواتی ہیں، اگر ایک عورت کو حیض آنے کی میعاد مقرر ہو کہ ہر ماہ اس کو حیض آتا ہو اور اس انجکشن کے ذریعے کسی ماہ اسے خون نہ آئے تو کیا یہ عورت اپنی میعادِ حیض میں جبکہ انجکشن کی وجہ سے خون بند ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- حیض کا تعلق اس خون کو دیکھنے سے ہے جو بلا کسی سبب کے رحم سے آئے، گویا کہ حیض نام ہے خون آنے کا، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خون بذریعہ انجکشن بند ہے اس لیے صرف ایام کو حیض نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے بلکہ اس قسم کی خاتون کو نماز، روزہ، طواف وغیرہ سب کچھ جائز اور لازمی ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: یجب ان یعلم بان حکم الحیض والنفاس لا یثبت الا بخروج الدم وظهوره وهذا هو ظاهر مذهب اصحابنا وعلیه عامة المشائخ. (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۳۴ کتاب الحیض نوع فی بیان انه متی یثبت حکم الحیض)[1]

پندرہ دن طہر گذرنے سے قبل خون آنے کا حکم

سوال:- اگر کسی عورت کو ایک حیض ختم ہو جانے کے دس بارہ دن بعد دوبارہ خون آئے تو کیا یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اقل مدتِ طہر کتنے دن ہیں؟

الجواب:- فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق اقل مدتِ طہر پندرہ ۱۵ دن ہے، اگر خون پندرہ ۱۵ دن گذرنے سے قبل شروع ہو جائے اور اس عورت کی کوئی عادت مقرر نہیں تو یہ خون جو پندرہ ۱۵ دن سے قبل آیا ہے پندرہ ۱۵ دن تک استحاضہ شمار ہوگا اور باقی حیض شمار ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: واقل الطهر بین الحیضتین والنفاس والحیض خمسة عشر یوما ولیالیها اجماعاً. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۸۵ باب الحیض)[2]

---

[1] وفی الهندیة: اذا رأت المرأة الدم تترک الصلوة من اول ما رأت قول الفقیه وبه نأخذ. (الهندیة ج۱ ص۳۸ الباب السادس، الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ومن جملة ذلک ذکر المتخلل فی اقل مدة الطهر ولا یمکن معرفته الا بعد معرفة اقل الطهر واقله خمسة عشر یوما عندنا. (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۳۴ کتاب الحیض)

حالتِ جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم

سوال: جنابت کی حالت میں قرآنی آیات کی کتابت بذریعہ ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کیسی ہے؟

الجواب: شریعت مقدسہ میں قرآن کریم کا احترام اصلاً مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ جنب آدمی کے لیے قراءت قرآن (تلاوت کرنا) درست نہیں، اسی طرح فقہاء کرام نے جنب کے لیے قرآن کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالت جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اس لئے درست نہیں، البتہ بے وضو انسان بھیدو ذریعے کتابت قرآن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔

لما في الهندية: الجنب لا يكتب القرآن وإن كانت الصحيفة على الأرض ولا يضع يده عليها وإن كان ما دون الآية۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۹ الفصل الرابع في أحكام الحيض الخ)[1]

حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم

سوال: حائضہ نفاس والی عورت یا جنب آدمی بیمار ہو جائے تو کیا قرآنی آیات پڑھ کر اس کو دم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دعا اور اوراد کے لیے طہارت شرط نہیں، بغیر طہارت کے بھی دم کیا جا سکتا ہے جب دم کرنے والے کا طاہر ہونا ضروری نہیں تو جس پر دم کیا جا رہا ہو اس کا طاہر ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری نہ ہوگا لہٰذا حیض و نفاس والی عورت اگرچہ خود پاک نہیں مگر اس پر دم کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي: ولا بأس لحائض وجنب بقراءة أدعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى وتسبيح وزيارة قبور ودخول مصلى عيد۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار جلد ۱ ص ۲۹۳ باب الحيض)[2]

---

[1] قال السيد أحمد الطحطاوي: وأما كتابة القرآن فلا بأس بها إذا كانت الصحيفة على الأرض عند أبي يوسف لأنه ليس بحامل للصحيفة وكره ذلك محمد وبه أخذ مشائخ بخارى۔
(الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۱۱۵ باب الحيض)

[2] قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قوله ويحرم قراءة آية من القرآن لا بقصد الذكر أي أو الثناء أو الدعاء إن اشتملت عليه فلا بأس به في أصح الروايات قال في العيون ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء أو شيئا من الآيات التي فيها معنى الدعاء ولم يرد به القرآن فلا بأس به۔ (الطحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ۱۴۲ باب الحيض)
ومثله في البحر الرائق ج ۱ ص ۱۹۹ باب الحيض۔

مستحاضہ کا حکم

سوال:۔ بسا اوقات ایک عورت کو مدتِ حیض ونفاس سے زیادہ یا کم خون آتا ہے، اس دوران اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ حیض ونفاس کی مدتِ شرعی سے زیادہ یا کم خون آنے کو استحاضہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی عورت پر یہ لازمی ہے کہ مدتِ حیض ونفاس کو پورا کرنے کے بعد غسل کرے اور پھر ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرکے نماز پڑھے، بلکہ اس قسم کی عورت کو ہر وہ کام (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) جو حالتِ حیض میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو چکے تھے کرنے کی اجازت ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: ودم الاستحاضة حکمه کرعاف دائم وقتاً کاملاً لا یمنع صوماً وصلوٰة ولو نفلاً وجماعاً لحدیث توضئی وصلی وان قطر الدم علی الحصیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۸ باب الحیض)

وفیه: حکمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لکل فرض للام للوقت... ثم یصلی به فرضاً ونفلاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۰۵ باب الحیض)[1]

معذور کی شرعی تعریف

سوال:۔ شریعت میں معذور کی تعریف کیا ہے؟

الجواب:۔ جب کسی مریض کو تمام وقتِ نماز میں کوئی ایسا وقت نہ ملے جس میں وہ مرض لاحق نہ ہو، ایسا شخص معذور کہلائے گا۔

قال الحصکفیؒ: بان لا یجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ ویصلی فیه خالیاً عن الحدث۔ الخ وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت

---

[1] قال المرغینانیؒ: والمستحاضة ومن به سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا یرقأ یتوضؤن لوقت کل صلوٰة فیصلون بذلک الوضوء فی الوقت ما شاؤا من الفرائض والنوافل (الهدایة علی صدر البنایة ج ۱ ص ۶۸۹ باب الحیض)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۳۹ الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع فی احکام الحیض۔

ومثله في الدر المختار على صدر رد المحتار ج ١ ص ٣٠٥ مطلب في أحكام المعذور

ایسے معذور شخص کا حکم جس کا روئی رکھنے سے پیشاب رک جائے

سوال:۔ اگر ضعفِ مثانہ کی وجہ سے انسان کو قطرے آتے ہوں اور اس کی روک تھام کے لیے روئی رکھی جائے تو کیا اس حالت میں بھی وقت گزر جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ وضو ٹوٹنے کا دار ومدار پیشاب کے احلیل تک نکلنے پر ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے پیشاب کے قطرات کو روکا جائے تو جب تک قطرات احلیل تک نہ پہنچیں تو وضو برقرار رہے گا البتہ جب روئی نکالی جائے اور وہ تر ہو تو اسی وقت وضو ٹوٹ جائے گا۔

لما قال الشيخ السيد احمد الطحطاويؒ: وفي المضمرات عن النصاب به سلس بول فجعل القطنة في ذكره ومنعه من الخروج وهو يعلم انه لو لم يحش خرج البول فخرج القطنة وعليها بلة فهو محدث ساعة اخراج القطنة فقط وعليه الفتوى۔ (طحطاوي حاشية مراقي الفلاح ص ١١٩ باب الحيض)[٢]

---

[١] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: ولا يصير من ابتلي بناقض معذوراً حتى يستوعبه العذر وقتاً كاملاً ليس فيه انقطاع لعذره بقدر الوضوء والصلاة اذ لو وجد لا يكون معذوراً۔ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ١١٩ باب الحيض)

ومثله في الهندية ج ١ ص ٤١ الباب السادس الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس

[٢] قال الشيخ عبد الحي اللكنويؒ: اذا خاف الرجل خروج البول فحشى احليله بقطنة ولولا ذلك يخرج البول فلا بأس به ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة وان ابتل الطرف الداخل لكن لا ينقض ما لم يبتل الظاهر منه۔ (مجموعة الفتاوى ج ١ ص ٢٠ باب الحيض)

باب الانجاس

(پلیدیوں اور ناپاکیوں کے بیان میں)

نیند کی حالت میں منہ سے نکلنے والے پانی کا حکم

سوال: میرے منہ سے حالت نیند میں بہت پانی نکلتا ہے۔ ورلبا اوقات وہ پانی میرے کپڑوں پر بھی لگ جاتا ہے کیا اس سے کپڑے پلید (ناپاک) ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب: زندہ آدمی کے منہ سے نکلنے والا پانی پاک ہے اگرچہ حالت نیند میں پیٹ سے کیوں نہ نکلے البتہ مردہ شخص کے منہ کا پانی نجس ہے۔ اس لئے خواب میں یا بیداری میں اگر لعاب دہن یا منہ سے نکلنے والا پانی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے۔

لما في الهندية: وما يسيل من فم النائم طاهر سواء كان من الفم او منبعثا من الجوف عند ابي حنيفة ومحمد وعليه الفتوى واما لعاب الميت فقد قيل انه نجس.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۶ باب الانجاس) ـ له

غسل کرتے وقت پانی کے برتن میں چھینٹے پڑنے سے پانی کا حکم

سوال: غسل کرتے وقت اگر بے احتیاطی سے یا احتیاط کے باوجود ماء مستعمل کے کچھ قطرے پانی کے برتن میں پڑ جائیں تو اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر پانی کے ان قطرات میں ظاہری نجاست نہ ہو یعنی اس سے نجاست ظاہری کا ازالہ نہ ہوا ہو تو تھوڑے قطرے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا انسان کے بس میں نہیں تاہم ممکن حد تک احتیاط برتنا چاہیئے۔

قال الحصكفي: وانتضاح غسالة لا تظهر مواقع قطرها في الاناء عفو.

وقال ابن عابدين: وفي الفتح وما ترشش على الغاسل من غسالة الميت.

له قال الشيخ ... : عرفت في انواع الطهارات في لعاب الميت قولين ... قول الحنفية انه نجس ... بعض الصحابة ... كما في ...

واما ما يسيل من فم النائم وقت النوم فهو طاهر كما صرح الشافعية والحنابلة.

(المغني لابن قدامة ج۱ ... لعاب الميت وما يسيل من فم النائم)

مما لا یمکنه الامتناع عنه مادام فی علاجه لا ینجسه لعموم البلوی۔

(رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۲۶) [1]

پلاسٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ پلاسٹک کے برتن پر اگر گندگی لگ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع جو برتن جاذب نہ ہو یعنی نجاست جذب نہ کرتا ہو تو اس قسم کے برتن کے ساتھ اگر نجاست لگ جائے تو تین دفعہ پانی ڈال کر دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تثلیث غسل کے لیے برتن کا خشک ہونا ضروری نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ای ما لا یتشرب النجاسة مما لاینعصر یطهر بالغسل ثلاثاً ولو دفعة بلا تجفیف کالخزف والآجر المستعملین کما مر وکالبدن والنواة وعنده ما یتشرب فیه شیٔ قلیل کالبدن والنعل۔

(رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب فی حکم الوشم ج ۱ ص ۳۳۲) [2]

جنب کے پسینے کا حکم

سوال:۔ اگر جنابت کی حالت میں کچھ وقت گذر جائے اور گرمی کی وجہ سے بدن سے پسینہ نکلے تو اس پسینہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پسینہ سے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ انسان کا پسینہ ہر حالت میں پاک ہے خواہ جنب ہو یا پاک اور اس کی تفصیل و سلام کے ساتھ ہے فقہائے کرام نے جھوٹے (سؤر) اور پسینے کا حکم ایک قرار دیا ہے۔

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ما ترشش علی الغاسل من غسالة المیت مما لایمکنه الامتناع عنه ما دام فی علاجه لا ینجسه لعموم البلوی۔ (البحر الرائق۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۲۳۶) ومثله فی مراقی الفلاح۔ باب الانجاس ص ۸۵۔

[2] قال فی الهندیة: وما لاینعصر یطهر بالغسل ثلاث مرات والتجفیف فی کل مرة لان للتجفیف اثراً فی استخراج النجاسة وحد التجفیف ان یخلیه حتی ینقطع التقاطر ولا یشترط فیه الیبس هذا اذا تشربت النجاسة کثیراً وان لم تتشرب فیه او تشربت قلیلاً یطهر بالغسل ثلاثاً هکذا فی المحیط۔ (الهندیة۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۴۲)

البتہ اگر کسی عضو پر ظاہری نجاست ہو اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑے پر لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: فسؤر آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأة وما اکل لحمه طاهر طهور بلا کراهة ... وحکم عرق کسؤر.
(الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب فی السؤر ج۱ ص۲۲۲ ، ۲۲۹) لـه

کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ

سوال:- اگر منی کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کیا صرف رگڑنے سے پاک ہوگا یا دھونا بھی ضروری ہے؟ نیز رقیق اور سخت قسم کی منی کے حکم میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

الجواب: منی سے طہارت کے دو طریقے ہیں، اگر تر ہو تو دھونے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں، البتہ اگر سخت اور خشک ہو تو پھر سوکھ جانے کے بعد رگڑ کر اثرات زائل ہونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق کے مطابق یہ حکم غلیظ منی سے خاص ہے اور اگر منی کسی بیماری کی وجہ سے رقیق اور پتلی ہو گئی ہو تو دھونا ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویطهر منی ای محله یابس بفرك ولا یضر بقاء اثره ان طهر رأس حشفة کأن کان مستنجیاً بماء، وفی المجتبی اولج فنزع فأنزل لم یطهر الا بغسله لتلوثه بالنجس انتهی ای برطوبة الفرج فیکون مفرعاً علی قولهما بنجاستها اما عنده فهی طاهرة کسائر رطوبات البدن. جوهرة. والا یکن یابساً او لا رأسه طاهر فیغسل کسائر النجاسات ولو دماً عبیطاً علی المشهور بلا فرق بین منیه ولو رقیقاً لمرض به ومنیها. قال ابن عابدینؒ (قوله ومنیها) ای منی المرأة کما صححه فی الخانیة وهو ظاهر الروایة عنده کما فی مختارات النوازل وجزم فی السراج وغیره بخلافه ورجحه فی الحلیة بما حاصله ان کلامهم متفرع علی ان الاکتفاء بالفرك فی المنی مستحسن بالاثر علی خلاف القیاس فلا یلحق به الا ما

لـه قال العلامة ابن نجیمؒ: وعرق کل شیء معتبر بسؤره طهارة ونجاسة وکراهیة. (البحر الرائق ج۱ ص۱۳۶ باب الانجاس)
ومثله تبیین الحقائق ج۱ ص۷۳ باب الانجاس.

الجواب: سؤر یعنی جھوٹا عموماً گوشت کے تابع رہتا ہے جس حیوان کا گوشت حلال ہو تو اس کے لعاب کا پانی سے ملنے کی صورت میں پانی پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا اگر پالتو مرغی کی چونچ غلاظت سے پاک ہو اور جس برتن میں مرغی منہ ڈال دے یہ پانی پاک ہے البتہ گلی میں پھرنے والی مرغی کا منہ عموماً نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ایسی مرغی کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن نجاست پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

قال حسن بن عمارؒ: وسؤر الدجاجة المخلاة التي تجول في القاذورات ولم يعلم طهارة منقارها من نجاسة فكره سؤرها للشك فإن لم يكن كذلك فلا كراهة فيه. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۲ فصل فی احکام السؤر) [۱]

کتے کی کھال قابلِ دباغت ہے

سوال: کیا کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی عام کتابوں میں چمڑوں کی طہارت کا طریقہ دباغت لکھا ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک کتا نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، البتہ حشرات الارض سانپ، بچھو، خنزیر کا چمڑا قابلِ دباغت نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: وکل إهاب دبغ وهو يحتمل الدباغة طهر فیصلی به ويتوضأ منه وما لا يحتملها فلا (وعليه) فلا يطهر جلد حية وفأرة كما لا يطهر جلد خنزير فلا يطهر وبعد ... ثم أفاد كلامه طهارة جلد كلب وفيل وهو المعتمد.
(الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب في أحكام الدباغة ج۱ ص۲۰۴) [۲]

---

۱ قال ابن عابدینؒ: وأما المخلاة فلنقابها ما هو فيسؤرها كما ذكرت، فلو كانت تأكل العذرة كره سؤرها ولم يحكم بنجاسته للشك حتى لو علمت النجاسة في فمها تنجس ولو علمت الطهارة انتفت الكراهة.
(رد المحتار علی الدر المختار باب المياه ج۱ ص۱۴۲) ومثله في البحر الرائق مسئلة السؤر ج۱

۲ قال حسن بن عمارؒ: ويطهر جلد الكلب لأنه ليس نجس العين في الصحيح بالدباغة.
(مراقی الفلاح فصل يطهر جلد الميتة ص۳۰) ومثله في الكبيري فصل في النجاسة الحقيقية ص۱۴۴

کتے کے جھوٹے (سئور) برتن میں کھانے اور اسکے پاک کرنے کا طریقہ

سوال: بعض لوگ گھروں میں عموماً کتے پالتے ہیں، کبھی کبھی کتے اچانک کھانے پینے کے کسی برتن میں منہ ڈال دیتے ہیں، ایسے برتن میں کھانے پینے کا کیا حکم ہے اور اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: کتے کا جھوٹا نجاست غلیظہ کے حکم میں ہے لہٰذا جس برتن میں کتا منہ ڈالے تو یہ برتن اگر جاذب نہ ہو تو تین دفعہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر جاذب ہو تو تین دفعہ ہر دفعہ کے لیے خشک کرنا یعنی اتنا انتظار کرنا کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے، ضروری ہے۔

قال حسن بن عمارؒ: والقسم الثانی سئور نجس نجاسة غليظةً وقيل خفيفة لا يجوز استعماله اي لا يصح التطهير به بحال ولا يشربه الا مضطر كالميتة وهو اي السئور النجس ما شرب منه الكلب سواء فيه كلب صيد او ماشية وغيرهما لما روى الدارقطني عن ابي هريرةؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم في الكلب يلغ في الاناء انه يغسل ثلاثا او خمسا او سبعا۔

قال الشيخ احمدؒ: انه يغسل ثلاثا... الخ وما ذاك الا لتعلقه ويستحب عندنا التسبيع وكون احدهن بالتراب۔ (مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۲۳ فصل فی بیان احکام السئور)[1]

نجس کپڑا دھونے کے بعد نچوڑنے کا حکم

سوال: نجس کپڑا دھونے کے بعد کتنی بار نچوڑنا ضروری ہے؟ کیا طہارت کا دارومدار نچوڑنے پر ہے؟

الجواب: کپڑے کے ساتھ اگر نجاست مرئیہ لگ جائے تو عین نجاست زائل ہونے سے کپڑا پاک ہوگا اسے نچوڑنا ضروری نہیں، البتہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو تو طہارت کا دارومدار غلبۂ ظن پر ہے، تین بار نچوڑنے سے عموماً طہارت کا یقین ہو جاتا ہے اس لیے تین دفعہ نچوڑنے کے بعد کپڑا پاک تصور ہوگا، تاہم واضح ہو کر آخری بار نچوڑنا مضبوط طریقہ سے ہو

---

[1] قال محمد عبد الحیؒ: وقول خاص ذهب اليه اصحابنا الحنفية من عدم وجوب التسبيع والتتريب مع نجاسة السئور وكفاية الثلاث كسائر النجاسات۔ (السعاية ـ سئور الكلب ج۱ ص۴۲۹)

وبمثله في الهندية الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ ج۱ ص۲۴۔

قال ابراهيم الحلبي: اما اذا اصابت الثوب نجاسة هذا شروع في كيفية تطهير النجاسة بالغسل فان النجاسة اما ان تكون مرئية او غير مرئية فان كانت مرئية فطهارته بزوال عينها الا ما يشق زواله بعد السعي وان لم تكن النجاسة مرئية يغسلها حتى يغلب على ظنه انه قد طهر وهذا اذا لم يكن عصرها فان كان يجب الغسل الى ان لا يبقى الا ما يشق وقيل اذا غسل الثوب من غير مرة وعصر بالمبالغة يطهر وقيل انه لا يطهر ما لم يغسل ثلاث مرات يعصر في كل مرة والفتوى على الاول (كبيري، فصل في الآسار ص ۲۱۲، ۲۱۳) ــ اھ[1]

غیر ملکی کپڑوں سے بغیر دھوئے نماز پڑھنا

سوال: آجکل بازاروں میں غیر ملکی مستعمل کپڑے مثلاً سویٹر، کوٹ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں بظاہر ان پر کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ پاک ہو گئے یا نہیں؟ کیا ایسے کپڑوں کا بغیر دھوئے نماز کے لیے استعمال جائز ہے؟

الجواب: اگر بظاہر نجاست نہ ہو اور غالب ظن یہ ہو کہ اس میں نجاست نہیں تو یہ کپڑے پاک ہیں اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے البتہ دھونا بہتر ہے۔

قال ابن عابدین: ومن هنا قالوا لا بأس بلبس ثیاب اهل الذمة والصلوة فیها الا الازار والسراویل فانه تکره الصلوة فیها لقربها من موضع الحدث وتجوز لان الاصل الطهارة وللتوارث بین المسلمین فی الصلوة بثیاب الغنائم قبل الغسل وتمامه فی الحلیة. (رد المحتار علی الدر المختار، احکام الدباغة ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵) ــ اھ[2]

لہ قال الحصکفی: ویطهر محل نجاسة مرئیة بقلعها ای بزوال عینها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلاث فی الاصح ولا یضر بقاء اثر ویطهر محل غیرها ای غیر المرئیة بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلا عدد به یفتی وقدر ذلک لموسوس بغسل وعصر ثلاثا. (الدر المختار علی صدر رد المحتار، مطلب فی حکم الوشم ج ۱ ص ۳۳۱، ۳۳۲) ومثله فی خلاصة الفتاوی، الفصل السادس فی غسل الثوب والارض ج ۱ ص ۴۲۔

لہ قال الحصکفی: ثیاب الفسقة واهل الذمة طاهرة. (الدر المختار علی صدر رد المحتار، فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۵۰)

تو طاہر ہو جائے گا اور اگر کپڑا ناپاک ہو تو پھر اگر اس پر اتنا پٹرول ڈالا جائے کہ اس سے کپڑے کو نچوڑا جاسکے تو ایسی صورت میں بھی کپڑا پاک ہوگا کیونکہ کپڑے کی نجاست ہر مائع مزیل سے پاک ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر سیل گیس حرارت کے ذریعہ سوکھ جاتا ہو اور کپڑا ناپاک ہو تو پھر سیل کے چلے جانے کے بعد بھی کپڑا ناپاک ہی رہے گا، دوبارہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: یجوز رفع نجاسة حقیقیة عن محلها ولو اناءً او ماکولاً علم محلها او لا بماء ولو مستعملاً به یفتی وبکل مائع طاهر قالع للنجاسة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار: باب الانجاس ج ۱ ص ۳۰۹) ۱

دودھ میں مینگنی یا گوبر گر جانے پر دودھ کا حکم

سوال:- بکری یا گائے یا بھینس سے دودھ دوہتے وقت دودھ میں مینگنی یا گوبر گر جائے تو اس سے دودھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- اگر یہ نجاست دودھ میں حل نہیں ہوئی بلکہ گرنے کے ساتھ ہی نکال لی جائے تو اس سے دودھ کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ حل ہونے کی صورت میں دودھ ناپاک ہو کر قابل استفادہ نہیں، تاہم واضح ہو کہ یہ حکم دودھ نکالنے کے وقت سے خاص ہے اگر ایسے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں گوبر یا مینگنی دودھ میں گر جائے تو دودھ علی الفور ناپاک ہو جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: وبعر ابل وغنم کما یعفی عن بعرتها فی محلب وقت الحلب فیرمیها فوراً قبل تفتت وتلون۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الفیض: ولا ینجس الا اذا کان کثیراً سواء کان رطباً او یابساً صحیحاً او منکسراً ولا فرق بین ان یکون لنحو جائز ولا هو الصحیح وفی التاتارخانیة ولم یذکر محمد فی الاصل روث الحمار والخثی واختلفوا فیه قیل ینجس ولو قلیلاً رطباً او یابساً وقیل لو یابساً فلا واکثرهم علی انه لو فیه ضرورة وبلوی لا ینجس والا ینجس، قوله وقت الحلب فلو وقعت فی غیر حالة الحلب فهو

---

۱ قال العلامة ابو البرکات النسفی: یطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزیل کالخل وماء الورد۔ (کنز الدقائق، باب الانجاس ص ۱۷) ومثله فی الاختیار ج ۱ ص ۳۱ باب الانجاس

كوقوعها في ماءٍ نزلا دانی فتنجس في الاصح قوله والتعبير بالبعرتين اي في مسئلتي البئر والمحلب. (رد المحتار على الدر المختار - فصل في البئر ج ۱ ص ۲۲۱) ـــ ۱

ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال :- اگر کسی برتن میں گنے کا رس پڑا ہو، کتے نے اس برتن میں منہ ڈال کر اس سے کچھ چاٹ لیا تو کیا باقی ماندہ شربت کو بہا دیا جائے یا گڑ بنانے میں استعمال کیا جائے؟ از روئے شرع اس کی طہارت کا کوئی امکان ہے یا نہیں؟

الجواب :- ایسی مائع چیز کتے کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں اس سے گڑ بنانا یا پینا ناجائز ہے، البتہ فقہاء کے کلام سے اس کی طہارت کا ایک طریقہ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ شربت کی مقدار سے تین گنا پانی اس میں ڈالا جائے اور پھر آگ سے اس کو اتنا جوش دیا جائے یعنی پکایا جائے کہ یہ زائد مقدار پانی آگ کے ذریعے ختم ہو جائے تو باقی ماندہ حصہ پاک ہوتا ہے۔

قال ابن عابدينؒ: قوله (ويطهر دهن وعسل) قال في الدرر: ولو تنجس العسل فتطهيره ان يصب فيه ماء بقدره فيغلى حتى يعود الى مكانه والدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلو الدهن الماء فيرفع بشيء هكذا ثلاث مرات. اهـ (رد المحتار على الدر المختار - مطلب في تطهير الدهن والعسل ج ۱ ص ۳۳۴) ـــ ۲

۱ـه قال ابراهيم الحلبيؒ: فان وقعت اي البعرة والبعرتان في اللبن وقت الحلب فاخرجت حين وقعت ولم يبق لها لون لم يتنجس اللبن (وجد اسطر) وفي الكافي قال لا فرق بين الرطب واليابس والصحيح والمنكسر والروث والخثي والبعرة لان الضرورة تشمل الكل والروث اذا كان صلبا فهو بمنزلة البعرة في الحكم. (كبيري فصل في البئر ص ۱۴۲، ۱۴۳)
ومثله في الهندية. الباب الثالث في المياه ج ۱ ص ۱۹

۲ـه قال ابراهيم الحلبيؒ: الا يرى ما روي عن ابي يوسفؒ في تطهير الدهن النجس انه اذا جعل الدهن في اناء فصب عليه الماء فيعلو الدهن على وجه الماء فيرفع بشيء ويراق الماء ثم يفعل هكذا حتى اذا فعل كذلك ثلاث مرات يحكم بطهارة الدهن. (كبيري. فصل في الآسار ص ۱۶۳)
ومثله في الهندية. الباب السابع في النجس مسئلة ج ۱ ص ۴۲

حلال جانور کے پیشاب اور بول و براز کا حکم

سوال: حلال جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب اور بول و براز نجاست خفیفہ ہے یا نجاست غلیظہ اور اگر یہ نجاست کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن جانوروں کا گوشت حلال ہے تو ان کا پیشاب نجاست خفیفہ کے حکم میں ہے البتہ گوبر نجاست غلیظہ ہے۔ نجاست خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے پر مثلاً جتنی ایک ربع کے مقدار سے کم میں لگا ہو تو یہ مانع صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ مانع صلوٰۃ ہے جبکہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے زائد مانع صلوٰۃ ہے۔

قال الحصکفیؒ: وعفا الشارع عن قدر درهم وهو مثقال في نجس كثيف له جرم وعرض مقعر الكف في رقيق من مغلظة كعذرة ودم وخمر وخرء كل طير لا يذرق في الهواء كبط أهلي ودجاج وبول وروث وخثي أفاد بهما نجاسة خرء كل حيوان غير الطيور وعفي دون ربع جميع بدن وثوب ولو كبيرا من مخففة كبول مأكول

قال ابن عابدينؒ: قوله ولو كبيرا الخ اعلم انهم اختلفوا في كيفية اعتبار الربع على ثلاثة اقوال فقيل ربع طرف اصابته النجاسة كالذيل والكم والدخريص ان كان المصاب ثوبا وربع العضو المصاب كاليد والرجل ان كان بدنا وصححه في التحفة والمحيط والمجتبى والسراج وفي الحقائق وعليه الفتوى.[1] (رد المحتار على الدر المختار باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۱-۳۱۲)

کتے کے پیشاب کا حکم

سوال: اگر کتا کسی برتن یا کنویں میں پیشاب کرے تو اس برتن اور کنویں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتے کا پیشاب چونکہ نجاست غلیظہ ہے لہٰذا اگر پیشاب کا ایک قطرہ

---

[1] وفي الهندية: وكذلك الخمر والدم المسفوح ولحم الميتة وبول ما لا يؤكل والروث وخثاء البقر والعذرة ونجو الكلب وخرء الدجاج والبط والاوز نجس نجاسة غليظة هكذا في فتاوى قاضيخان۔ (الهندية، الفصل الثاني في الاعيان النجسة ج ۱ ص ۴۶) ومثله في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية فصل في النجاسة التي تصيب الثوب ج ۱ ص ۱۰ ۔۔

بھی کنویں یا برتن میں گر جائے تو شرعاً کنویں اور برتن دونوں کا پاک کرنا ضروری ہے۔

قال ابن نجیمؒ وانما ینجس ماء البئر بقلیل النجاسة لان البئر عندنا بمنزلة الحوض الصغیر الا ان یکون عشراً فی عشر لکن فی فتاوی قاضیخان۔ (البحر الرائق، کتاب الطهارة ج۱ ص۱۱۰) ؎۱

پاک اور ناپاک کے اختلاط کا حکم

سوال: ناپاک پانی پاک مٹی میں ڈالنے سے جو گارا بنتا ہے تو اس گارے کا کیا حکم ہے؟ کیا پانی کی ناپاکی کی وجہ سے یہ گارا ناپاک متصور ہوگا یا پاک مٹی کی وجہ سے پاک مانا جائے گا؟

الجواب: جب پانی اور مٹی دونوں ملائے جائیں خواہ پانی پاک ہو اور مٹی ناپاک یا اس کا عکس ہو تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعض نے طہارت اور بعض نے نجاست کو ترجیح دی ہے، قاضی خانؒ اور ابراہیم حلبیؒ نے نجاست کا قول مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، لہٰذا ایسا گارا ناپاک متصور ہوگا۔

قال طاهر بن عبد الرشیدؒ الماء الطاهر اذا اختلط به التراب النجس وصار طیناً او کان الماء نجساً والتراب طاهر فالعبرة للنجس ایهما کان نجساً فالطین نجس وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وهکذا روی عن ابی یوسفؒ۔ (خلاصة الفتاوی، الفصل الثامن فی النجاسة ج۱ ص۴۶) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ اذا وقعت نجاسة لیست بحیوان ولو مخففة او قطرة بول او دم او ذنب فارة (وبعد اسطر) ینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار، فصل فی البئر ج۱ ص۲۱۱، ۲۱۲) ومثله فی خلاصة الفتاوی، مسائل البئر ج۱ ص۱۰۔

؎۲ قال ابراهیم الحلبیؒ الماء والتراب اذا اختلطا وکان احدهما نجساً فالطین نجس ایهما کان النجس لان اختلاط النجس بالطاهر ینجسه هذا هو الصحیح کذا ذکره قاضیخان وهو اختیار الفقیه ابی اللیث (وبعد اسطر) قلت وهو قول الفقیه ابی اللیث وبه جزم قاضیخان حیث جعل قوله هو الصحیح مشیراً الی ان سائر الاقوال لا صحة لها بل هی فاسدة لان النتیجة تابعة لاخس المقدمتین دائماً۔ (کبیری، فصل فی الآسار ص۱۸۱) ومثله فی الهندیة الفصل الثانی فی الاعیان النجسة ج۱ ص۴۷۔

واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال:۔ واشنگ مشین میں کپڑے کچھ اس انداز سے دھوئے جاتے ہیں کہ ایک ہی بار صابن یا سرف ڈال کر اس میں نجس اور پاک کپڑے ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دھوئے جاتے ہیں، ان کپڑوں کی پاکیزگی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ پہلے نجس پانی سے تمام کپڑے نجس ہو جاتے ہیں مگر مشین میں دھلائی کے بعد اس نجس صابن کو نکالنے کے لیے مشین میں ہی بار بار پانی میں کئی بار دھو کر اس سے نجس صابن نکال دیا جاتا ہے جس کے بعد کپڑوں میں نجس پانی باقی نہیں رہتا اس لیے اثر نجس کے بعد کپڑے پاک ہو جاتے ہیں، لہٰذا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔

قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: والنجس المرئي يطهر بزوال عينه لان تنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو بمرة ... وغيره بالغسل ثلاثا والعصر كل مرة اي غير المرئي من النجاسة يطهر بثلاث غسلات وبالعصر في كل مرة والمعتبر فيه غلبة الظن۔ (تبيين الحقائق ج۱ ص۷۵ فصل في الانجاس)[۱]

شراب کی خالی بوتل کا استعمال

سوال:۔ شراب کی خالی بوتل کا تیل وغیرہ کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ شراب بذاتِ خود نجس ہے، جس برتن میں شراب موجود ہو اس کا استعمال بھی جائز نہیں مگر خوب صاف کرنے کے بعد جب یقین ہو جائے کہ شراب کے آثار

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاري: ويجب ان يعلم ان ازالة النجاسة واجبة وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئا يزول اثره ولا يعتبر فيه العدد وان كان شيئا لا يزول اثرها فازالتها بازالة عينها ويكون ما بقي من الاثر عفوا وان كان كثيرا..... هذا اذا كانت النجاسة مرئية وان كانت غير مرئية كالبول والخمر ذكر في الاصل قال يغسلها ثلاث مرات ويعصر في كل مرة فقد شرط الغسل ثلاث مرات وشرط العصر في كل مرة۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص[illegible] كتاب الطهارة: الفصل الثامن في تطهير النجاسات)

ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج۱ ص۱۷۲ التقسيم الثالث تقسيم النجاسة الى مرئية او

باقی نہیں رہے تو اس بوتل یا برتن وغیرہ کو استعمال کرنا جائز ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلہا ولا تشربوا مسکرا۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۱۴۶ کتاب الایمان الفصل الاول)[1]

شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر شیر خوار بچہ کپڑوں پر پیشاب کر دے تو کپڑوں کا دھونا ضروری ہے یا کہ شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے؟

الجواب:۔ شیر خوار بچے کا پیشاب بھی بڑوں کی طرح نجس ہے اس کی وجہ سے کپڑوں کو دھونا چاہیئے، البتہ فرق اتنا ہے کہ شیر خوار بچے کے پیشاب سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسلئے اس صورت میں پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں صرف پیشاب کی جگہ پر اتنا پانی بہا دے کہ اس پانی سے یہ کپڑا تین مرتبہ پاک ہو سکے تو کافی ہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وبول ما لا یؤکل لحمہ کالآدمی ولو رضیعا۔

قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ ولو رضیعا) لم یطعم سواء کان ذکرا او انثی۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۸۴ باب الانجاس)[2]

چمگادڑ کے پیشاب کا حکم

سوال:۔ یہاں ہمارے علاقہ میں چمگادڑ بہت ہیں کبھی کبھی وہ پیشاب ہمارے کپڑوں پر کر جاتے ہیں لیکن ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ قاعدہ کی رو سے غیر ماکول اللحم کا پیشاب وغیرہ نجاست غلیظہ ہے مگر چمگادڑ بوجہ مجبوری کے اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ ان سے احتراز و بچنا ممکن نہیں لہٰذا چمگادڑ کا پیشاب بدیہی پاک ہے اور آپ کپڑوں کے ساتھ (جن پر چمگادڑ کا پیشاب وغیرہ لگا ہو)

---

[1] قال العلامۃ ملا علی قاریؒ: والمعنی ... مدۃ اباح النبی صلی اللہ علیہ وسلم استعمال هذه الظروف فان ... الخمر زال عنها۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۹۹ کتاب الایمان الفصل الاول)
ومثلہ فی حاشیۃ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳ کتاب الایمان الفصل الاول

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وبول غیرہ ... ولو من صغیر لم یطعم۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ لم یطعم ای لم یاکل فلابد من غسلہ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس مطلب فی طہارۃ بولہ)

ازالہ ہو چکا ہے اور برتن پاک ہو چکا ہے اس لیے ایسے برتن کا استعمال جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وفی الفتاوی اذا احترقت الارض بالنار فتیمم بذلک التراب قیل یجوز التیمم وقیل لا یجوز والاصح الجواز۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۳۹ باب الانجاس)[۱]

مردار جانور کی کھال کا حکم

سوال: اگر کسی کا جانور مردار ہو جائے تو اس کی کھال اتارنے کے بعد اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حدیث شریف کی رو سے مطلقاً کسی بھی جانور کی کھال اتار کر کھائی جائے یا کسی اور ذریعے سے اس کو رنگا جائے یا دباغت دی جائے تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے، اس لیے مردار جانور کی کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عیسی الترمذیؒ: عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اہاب دبغ فقد طہر۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۳۰۳ باب ما جاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت)[۲]

خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے برش کے استعمال کا حکم

سوال: آجکل دانتوں کی صفائی کے لیے جو برش استعمال کیا جاتا ہے بعض میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہیں، کیا ایسے برش سے دانتوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

الجواب: دانتوں کی صفائی کے لیے جو برش استعمال کیا جاتا ہے اگر اس میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: وشعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذہب۔ قال ابن عابدینؒ تحت (قولہ علی المذہب) ای علی قول ابی یوسفؒ الذی صححہ فی البدایۃ أن شعرہ نجس، وصححہ

---

۱ وفی الہندیۃ: ومنہا الاحراق... الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر فطبخ یکون طاہراً کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۴۴ الباب السابع فی الانجاس، الفصل الاول فی تطہیر الانجاس)

۲ عن ابن عباسؓ قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃ بشاۃ فماتت فمر بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ہلا اخذتم اہابہا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انہا میتۃ قال انما حرم اکلہا۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۸۳۰ باب جلود المیتۃ)

ومثلہ فی کبیری ص۱۵۳ فصل فی الانجاس)

في بدائع ورجحه في الاختيار ..... وعن محمد طاهر لضرورة استعماله اي الخرز به
قال العلامة المقدسي: وفي زماننا استغنوا عنه اي فلا يجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة
للحكم بالطهارة (رد المحتار ج۱ ص [illegible] باب الانجاس) لے

لعاب دہن سے قرآن مجید کی ورق گردانی کرنا

سوال: قرآن کریم کی ورق گردانی کے وقت انگلیوں پر منہ کا لعاب لگا کر ورق الٹا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی ورق گردانی کے لیے لعاب دہن لگانے کی صورت مسئلہ طہارۃ سؤر و عدم طہارۃ پر مبنی ہے، چونکہ انسان کا سؤر (جھوٹا) پاک ہے، اس لیے ورق گردانی کیلئے انگلیوں کے ساتھ لعاب دہن لگانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: فسؤر آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأۃ ..... طاهر طهور بلا کراهة۔ قال ابن عابدینؒ (قوله طاهر) ای فی ذاته طهور ای مطهر لغيره من الاحداث والاخباث۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص ۲۲۲ مطلب فی السؤر) ٹے

جانور کو ناپاک چیز کھلانے کا حکم

سوال: عموماً لوگ ناپاک چیز جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، کیا ناپاک چیز جانوروں کو کھلانا یا پلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر ناپاک چیز کا وصف نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو تو اس کا انتفاع ہر حال میں ناجائز ہے، اور اگر صفت تبدیل نہ ہوئی ہو تو جانوروں وغیرہ کو کھلانا یا پلانا جائز ہے، البتہ متغیر الوصف ناپاک چیز کو جانور خود کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

لے قال ابو بکر الکاسانیؒ: فاما الخنزیر فقد روی عن ابی حنیفۃؒ انه نجس العین لان الله تعالی وصفه بكونه رجسًا فیحرم استعمال شعره وسائر اجزائه الا انه رخص فی شعره للخرازین للضرورة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص [illegible] فصل فی الطهارة الحقيقية)
ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص [illegible] باب الانجاس۔

ٹے قال مولانا اشرف علی تھانویؒ: مسئلہ فقہیہ: سؤر آدمی طاہر ہے، لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور تقبیل حجر اسود کی مسنونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے، جو کہ تقبیل میں محقق ہے، اسی طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ (امداد الفتاوی ج۱ ص ۳۹ فصل فی الآسار)

قال ابن عابدینؒ: اما اذا وقعت فیه ثم ماتت فان تغیر وصفه فرعین لا انتفاع به بحال والا جاز کبل الطین وسقی الدواب۔ (ردّ المحتار ج۵ ص۱۲۸)

کتے کا منہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو......؟

سوال:۔ بعض لوگ کتوں کو شوقیہ طور پر پالتے ہیں اور ان سے کھیلتے ہیں اسی دوران کتا قمیض، شلوار یا چادر کو منہ سے پکڑ لیتا ہے تو اب اس قمیض، شلوار اور چادر وغیرہ کی طہارت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کتے کا لعاب ناپاک ہے اگر قمیض وغیرہ پر لعاب کی تری ظاہراً محسوس ہوتی ہو تو کپڑا ناپاک ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الھندیة: الکلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبه لا یتنجس ما لم یظهر فیه اثر البلل راضیا کان او غضبان۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۴۸ الباب السابع فی النجاسة الفصل الثانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا حکم

سوال:۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء کرام کی تحقیقات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات طیب ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شاربین پر نکیر نہیں فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا حدیث تقریری ہے جو بالاجماع حجت شرعیہ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: صحح بعض ائمة الشافعیة طهارة بوله صلی اللہ علیه وسلم وسائر فضلاته وبه قال ابو حنیفةؒ کما نقله فی المواهب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی وصرح به البیری فی شرح الاشباه وقال الحافظ ابن حجر: تظافرت الادلة علی ذلک وعد الائمة ذلک من خصائصه صلی اللہ علیه وسلم ونقل بعضهم عن شرح المشکوٰة لملا علی القاری انه قال اختاره کثیرون من اصحابنا۔ (ردّ المحتار ج۱ ص۳۱ باب الانجاس مطلب فی طهارة بوله صلی اللہ علیه وسلم)[1]

---

[1] قال الملا علی القاری فی جمع الوسائل: قال ابن حجر: وبهذا استدل جمع من ائمتنا المتقدمین وغیرهم علی طهارة فضلاته صلی اللہ علیه وسلم وهو المختار ووافق الجمع من المتأخرین فقد تکاثرت الادلة علیه وعدّه الائمة من خصائصه۔ (جمع الوسائل شرح الشمائل ج۲ ص۳ باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم)

گوبر کے اُپلے استعمال کرنے اور بیچنے کا حکم

سوال:۔ اکثر دیہاتوں میں گوبر کے اُپلے جلا کر کھانا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے اور بعض لوگ ان کو فروخت بھی کرتے ہیں تو کیا گوبر کے اُپلوں کو جلانا اور فروخت کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی وضاحت اور صریح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر کے اُپلوں کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے جلانے اور فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله كسرقين) وبعر، والحاصل انه يجوز بيعهما ولو خالصين. وفي البحر عن السراج ويجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به والوقود به۔ (رد المحتار ج۵ ص۵۸ باب البيع الفاسد، قبل مطلب: الآدمي مكرم) [1]

زندہ سانپ کے جامے کا حکم

سوال:۔ بعض حکیم لوگ زخمی شخص کو سانپ کا جامہ (وہ چھلکا جو سانپ چھوڑ جاتا ہے) بطور علاج استعمال کراتے ہیں، شرعاً اس کا استعمال کیسا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟

الجواب:۔ مسلمان طبیب حاذق مریض کے لیے جو بھی دوا تجویز کرے اس کا استعمال جائز ہے، جہاں تک صورت مسئولہ میں سانپ کے جامے کے استعمال کا مسئلہ تو فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق سانپ جب اپنا جامہ حالتِ حیات میں چھوڑتا ہے، پاک ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما في الهندية: قميص الحية الصحيح انه طاهر كذا في الخلاصة۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۶ باب الانجاس) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجيمؒ: يجوز بيع السرقين والبعر والانتفاع به والوقود كذا في السراج الوهاج۔ (البحر الرائق ج۶ ص۸۱ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: وفي نسخة القاضي الامام قميص الحية الصحيح انه طاهر (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۴۴ الفصل السابع فيما يكون نجسا الخ)

باب الاستنجاء

(استنجاء کے احکام ومسائل)

کشفِ عورت کی صورت میں استنجاء کا حکم

سوال:۔ جب استنجاء کے لیے باپردہ جگہ نہ ہو تو کیا ایسی جگہ پر بیٹھ کر استنجاء کرنا جائز ہے جہاں کشفِ عورت کا امکان ہو؟

الجواب:۔ استنجاء کرنے میں جب کشفِ عورت کا خطرہ ہو تو استنجاء چھوڑ کر وضو کرنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: بلا کشفِ عورۃ عند احد اما معہ فیترکہ کما مر فلو کشف لہ صار فاسقاً قال ابن عابدینؒ تحت قولہ فلو کشف لہ صار فاسقاً ای للاستنجاء بالماء قال نوح آفندی لان کشف العورۃ حرام ومرتکب الحرام فاسق سواء تجاوز النجس المخرج اولا وسواء کان ما جاوز اکثر من الدرھم او اقل۔

(رد المحتار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۲۳۸) لہ

قدرِ درہم سے زیادہ نجاست معاف نہیں

سوال:۔ پیشاب کرنے کے بعد جب ڈھیلے استعمال کیے جائیں تو کیا پھر پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی جگہ پانی سے استنجاء کرنے کی فرصت نہ ہو تو کیا صرف ڈھیلوں سے استنجاء پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر نجاست درہم کے اندازہ سے تجاوز کر گئی ہو تو دوبارہ پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے البتہ اگر درہم کے اندازہ سے نجاست کم ہو یا بالکل نہ ہو تو پھر ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفاء جائز ہے تاہم ایسی صورت میں بھی پانی سے استنجاء کرنا بہتر اور افضل ہے۔

لہ وفی الھندیۃ: والاستنجاء بالماء افضل ان امکنہ ذلک من غیر کشف العورۃ وان احتاج الی کشف العورۃ یستنجی بالحجر ولا یستنجی بالماء۔

(الھندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۴۸) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی الاستنجاء ج۱ ص۳۵

قال ابراهيم الحلبيؒ اما ان زادت النجاسة المجاوزة عن المخرج على قدر الدرهم فغسلها اي المتجاوز او المخرج فرض بالماء (كبيري۔ آداب الوضوء ص۲۹)

وقال ابن عابدينؒ ثم اعلم ان الجمع بين الماء والحجر افضل ويليه في الفضل الاقتصار على الماء ويليه الاقتصار على الحجر وتحصل السنة بالكل وان تفاوت الفضل كما افاده في الامداد۔ (رد المحتار على الدر المختار۔ فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۸) ۱؎

ٹائلٹ پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل خاص قسم کا کاغذ ملتا ہے جو لکھنے کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا، صرف استنجاء کیلئے بنایا گیا ہے کیا اس پر کاغذ کے نام کی وجہ سے استنجاء جائز ہے؟

الجواب:۔ کاغذ سے استنجاء کے عدم جواز کی علت عظمت اور تقدس ہے کیونکہ کاغذ عموماً لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ٹائلٹ پیپر چونکہ خصوصی طور پر استنجاء کیلئے تیار کیا گیا ہے اس لیے مروجہ ٹائلٹ پیپر میں کاغذ کی خصوصیات نہ ہونے کی وجہ سے اس سے استنجاء جائز اور مشروع ہے۔

قال ابن عابدينؒ واذا كانت العلة في الابيض كونه آلة للكتابة كما ذكرناه يؤخذ منها عدم الكراهة فيما لا يصلح لها اذا كان قالعا للنجاسة غير متقوم كما قدمناه من جوازه بالخرق البوالي وهل اذا كان متقوما ثم قطع منه قطعة لا قيمة لها بعد القطع يكره الاستنجاء بها ام لا الظاهر الثاني۔
(رد المحتار على الدر المختار فصل الاستنجاء ج ۱ ص ۳۴۰) ۲؎

استنجاء کے وقت سلام کا حکم

سوال:۔ استنجاء کرتے وقت سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

۱؎ وفي الهندية والثاني اذا تجاوزت مخرجها يجب عند محمد رحمه الله قدر الدرهم وهو الاحوط۔ (الهندية الفصل الثالث في الاستنجاء ج ۱ ص ۴۸) ومثله في الهداية فصل في الاستنجاء ج ۱ ص ۷۶

۲؎ قال العلامة محمد يوسف البنوريؒ لعله المراد من الحجر في الحديث كل شئ طاهر غير محترم قالع للنجاسة سواء كان حجرا او مدرا او غيرهما۔
(معارف السنن ج ۱ ص ۱۱۰ باب الاستنجاء بالحجارة)

الجواب: فقہاء نے پیشاب کرتے وقت سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے، استنجا کرتے وقت اگر تقاطرِ بول یعنی پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو اس حکم کی رو سے اس وقت بھی سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر تقاطرِ بول نہ ہو تو پھر بھی بے ادبی سے خالی نہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی شخص سلام کرے تو استنجا کے بعد جواب دے دے کیونکہ سلام کے جواب میں تاخیر جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: عبارة الغزنویة فلا یتکلم فیه: ای فی الخلاء وفی الضیاء عن بستان ابی اللیث یکرہ الکلام فی الخلاء وظاهرہ انه لا یختص بحال قضاء الحاجة۔
(رد المحتار علی الدر المختار: فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۳۴۴) ؎۱

پانی سے استنجاء کا حکم

سوال: اگر پیشاب کرنے کے بعد ایک شخص صرف پانی کے استعمال پر اکتفاء کرے یعنی ڈھیلا استعمال نہ کرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجاء کرنا مستحب ہے اور صفائی نہ ہونے کی صورت میں جب نجاست قدرِ درہم سے زیادہ ہو تو پانی سے استنجا واجب ہے البتہ صرف پانی سے اکتفاء بھی جائز ہے لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ پانی کے استعمال سے قبل تقاطرِ بول بند ہو ورنہ اس کے بغیر کپڑوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویعتبر القدر المانع لصلوٰة فیما وراء موضع الاستنجاء لان ما علی المخرج ساقط شرعاً۔ قال ابن عابدینؒ (قوله ویعتبر...الخ) ای خلافاً لمحمد والحاصل ان ما جاوز المخرج ان زاد علی الدرهم فی نفسه یفترض غسله اتفاقاً وان نقص لکن بضم ما علی المخرج الیه لا یفترض عندهما وعند محمدؒ یفترض غسله بناء علی ان ما علی المخرج فی حکم الظاهر عنده فلا یسقط اعتباره وبضم ... وقیل منا عن ... انه الاحوط۔ (رد المحتار علی الدر المختار: فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۳۴۴) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: ولا یتکلم ولا یذکر الله تعالیٰ ولا یشمت عاطساً ولا یرد السلام ولا یجیب المؤذن۔
(الهندیة: الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۵۰) ومثله فی البحر الرائق باب الانجاس ج۱ ص۲۴۳۔

؎۲ قال ابن نجیم الحنفیؒ: وهو للادب ای یغسل مخرج النجاسة بعد الاحجار اذا لم تتجاوز النجاسة مخرجها اما اذا جاوزت مخرجها فالحال انها لم تکن قدر الدرهم فغسله سنة وان کان قدر الدرهم فغسله واجب۔ (البحر الرائق: آداب الوضوء ج۱ ص۲۴۳) ومثله فی الهندیة الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۴۸۔

دائیں ہاتھ سے استنجاء کا حکم

سوال:۔ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ دائیں ہاتھ کی شرافت کی وجہ سے استنجاء جیسے امور میں اس کا استعمال مکروہ ہے، البتہ بوجہ عذر مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة شرنبلالی: یکرہ الاستنجاء بالید الیمنی الا من عذر۔ قال احمد الطحطاوی تحتہ: فانہ یفید عدم الکراھۃ بالیمنی حال العذر وھو کذلک۔
(الطحطاوی علی حاشیۃ مراقی الفلاح ص ۲۹ فصل فیما یجوز بہ الاستنجاء وما یکرہ)[1]

استنجاء کے لیے پانی کی مقدار

سوال:۔ استنجاء کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص زیادہ پانی استعمال کرے تو اسراف کے حکم میں داخل ہو کر وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے استعمال میں اعتدال اور میانہ روی کی ترغیب دی ہے، لیکن استنجاء کی حالت میں خاص مقدار کی تعیین نہیں، یہ نجاست کی کمی اور زیادتی یا اشخاص کے اعتبار سے متفاوت ہے، بہرحال ازالۂ نجاست کے بارے میں غالب ظن نہ ہو تو پانی کا استعمال جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: والغسل بالماء الی ان یقع فی قلبہ انہ طہر ما لم یکن موسوساً فیقدر بثلاث۔

قال ابن عابدینؒ (قولہ فیقدر بثلاث) وقیل بسبع للحدیث الوارد فی ولوغ الکلب معراج عن المبسوط۔

(رد المحتار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۳۴۸،۳۳۴)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ویکرہ الاستنجاء بالعظم والروث والرجیع والطعام واللحم والزجاج ... وکذا بالیمین ھکذا فی التبیین — واذا کان بالیسری عذر یمنع الاستنجاء بھا جاز ان یستنجی بیمینہ من غیر کراھۃ۔ (الھندیۃ: الفصل الثالث فی الاستنجاء ج ۱ ص ۵۰)

[2] قال برھان الدینؒ: ویستعمل الماء الی ان یقع فی غالب ظنہ انہ قد طھر ولا یقدر بالثلاث الا اذا کان موسوساً فیقدر بالثلاث فی حقہ وقیل السبع۔
(الھدایۃ: فصل فی الاستنجاء ج ۱ ص ۶۲) ومثلہ فی مراقی الفلاح فصل فی الاستنجاء ص ۲۹۔

مغربی طرز کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا

سوال :۔ آجکل بعض مقامات پر مغربی طرز کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں جن میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا پڑتا ہے۔ کیا اس قسم کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا اگرچہ بوقتِ ضرورت جائز ہے لیکن بلاضرورت کھڑے ہوکر پیشاب کرنا خلافِ سنت ہے۔ البتہ آجکل مغربی تہذیب کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء کے استعمال میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور دوسرے کفار کے ساتھ تشبہ کا لزوم۔ اس لیے مغربی طرز کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء میں اسی تہذیب کے مطابق کھڑے ہوکر پیشاب وغیرہ کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ : وکرہ تحریمًا استقبال قبلة واستدبارها ... وان یبول قائمًا او مضطجعًا او مجردًا من ثوبه بلا عذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۴۴ فصل فی الاستنجاء)[1]

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا حکم

سوال :۔ جہاد افغانستان میں بعض اشخاص کے پاؤں کٹ چکے ہیں اور بعض کو کمر میں شدید درد کی وجہ سے کھڑے ہوکر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اسلام نے نجاست سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں کہ اکثر عذابِ قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہوکر کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمارؒ : وکرہ ان یبول قائمًا لتنجسه غالبًا الا من عذر کوجع بصلبه۔

(مراقی الفلاح علی صدر حاشیة الطحطاوی ص۳۳ فصل فیما یجوز به الاستنجاء وما یکره به الخ)[2]

---

[1] وفی الهندیة : یکره ان یبول قائمًا او مضطجعًا۔ (الهندیة ج ۱ ص۵۰ باب الاستنجاء)

[2] قال السید یوسف البنوریؒ : ان البول قائمًا وان کانت فیه رخصة والمنع للتادیب لا للتحریم کما قاله الترمذی ولکن الیوم الفتوی علی تحریمه لانه حیث اصبح شعارًا لغیر المسلمین من الکفار واهل الادیان الباطلة۔

(معارف السنن ج ۱ ص۱۰۳ باب النهی عن البول قائمًا)

استنجا کرتے وقت شمال کی طرف منہ کرنے کا حکم

سوال:- ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ شمال کی طرف چھوٹا قبلہ ہے اور مغرب کی طرف بڑا قبلہ، تو گویا جس طرح پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا جائز نہیں شمال کی طرف بھی ایسا ہی حکم ہے یا نہیں؟

الجواب:- احادیث مبارکہ میں قبلہ (کعبہ) کی طرف استنجاء کے وقت منہ یا پشت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کے متبادل باقی دونوں طرف منہ یا پشت کرنے کا حکم ہوا ہے، البتہ یہ دونوں اطراف علاقے جغرافیائی نظام کے مطابق ہوں گے۔ یعنی جہاں کعبہ مغرب یا مشرق کے جانب ہو تو اس کے دونوں اطراف شمال و جنوب ہے اور جہاں کعبہ شمال یا جنوب کی طرف ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔

عن ابی ایوب الانصاریؓ: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولکن شرقوا او غربوا۔ (الجامع الترمذی ج۱ باب فی النہی عن استقبال القبلة بغائط او بول)[1]

گھاس وغیرہ سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال:- گھاس اور درخت کے پتوں یا ہڈی سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب:- ہر ذی شرف یا حیوان یا جن یا انسان کے ماکولات سے شریعت مقدسہ نے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ گھاس اور درختوں کے پتے مویشیوں کی خوراک ہے اور ہڈی میں جنات کے لیے خوراک ہے اس لیے ان کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وکرہ تحریماً بعظم وطعام وروث یابس کعذرة یابسة ...... و فحم وعلف حیوان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۳۹ باب الانجاس فصل فی الاستنجاء)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: کما کرہ تحریماً استقبال القبلة واستدبارها لاجل بول او غائط ...... ولو فی بنیان لاطلاق النهی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۴۱ فصل فی الاستنجاء)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۴ فصل فی الاستنجاء۔

[2] وفی الهندیة: ویکره الاستنجاء بالعظم والروث والرجیع والطعام واللحم والزجاج والخزف وورق الشجر والشعر۔ (الهندیة ج۱ ص۵۰ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

ومثله فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۳، ۲۴۴ فصل فی الاستنجاء۔

استنجا کرنے کے بعد ہاتھ دھونے کے باوجود بدبو محسوس ہونے کا حکم

سوال: پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر کبھی کبھی بدبو محسوس ہوتی ہے جبکہ ہاتھوں پر نجاست کا کوئی وجود بھی نہیں ہوتا، کیا اس طرح بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب: پانی سے استنجا کرنے کے بعد ہاتھوں پر بدبو رہ جائے تو بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں جیسا کہ ہندیہ میں ہے: ویطهر الید مع طهارة موضع الاستنجاء۔ (الهندیة ج ۱ ص ۴۹) لیکن بہتر یہ ہے کہ استنجاء کے بعد دوبارہ بھی ہاتھوں کو دھویا جائے تاکہ خوب تنقیہ و نظافت حاصل ہو جائے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے: ویغسل یده ثانیاً بعد الاستنجاء ولا یضره بقاء الرائحة، وقد روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل یده بعد الاستنجاء ودلك یده علی الحائط کذا فی التجنیس۔ (الهندیة ج ۱ ص ۴۹ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے کا استعمال ضروری ہے

سوال: مرد کے لیے تو پیشاب و پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاء ضروری ہے تو کیا عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے؟

الجواب: ڈھیلے کے ساتھ استنجاء کرنا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے، ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے مزید پاکی حاصل کرنا زیادہ اولیٰ ہے البتہ مردوں پر استبراء ضروری ہے عورتوں پر نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قلت بل صرح فی الغزنویة بانها تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانه لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطیفة ثم تمسح قبلها ودبرها بالاحجار ثم تستنجی بالماء۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۴ فصل فی الاستنجاء)[2]

---

[1] قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ: بجواب سوال عین نجاست دور شد طہارت بیقین حاصل شد و اگر نجاست یعنی بوئے او باقی ماند باک نیست چہ ازالہ آں متعذر است در سنن ابی داؤد از میمونہ رضی اللہ عنہا مروی است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک خود را بعد استنجا در خاک مالیدند و شستند بعد ازاں، پس معلوم شد کہ بوئے باقی ماندہ را اعتبار نیست الخ۔ (مجموعة الفتاوی ج ۱ ص ۳۳ فصل فی الاستنجاء)

[2] وفی الهندیة: والمرأة تفعل فی جمیع الاوقات مثل ما یفعل الرجل فی الشتاء۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۹ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

صرف ڈھیلے سے استنجاء پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا بھول جائے اور فوراً وضو کرکے نماز شروع کرے تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں سے استنجاء کیا جائے ورنہ ایک پر اکتفاء بھی جائز ہے، اس لیے اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ڈھیلے سے کیے ہوئے استنجاء پر اکتفاء کرکے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز درست ہے۔

قال العلامة ابن نجیمؒ: اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الخلاصۃ وغیرہا۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۳۳ فصل فی الاستنجاء)[1]

پیشاب کرتے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرنا

سوال:۔ کیا چاند و سورج کی طرف منہ کرکے پیشاب پاخانہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو سورج یا چاند بادلوں میں مستور ہوں تو بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت سورج یا چاند یا تیز ہوا کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر سورج یا چاند بادلوں میں چھپے ہوئے ہوں تو اس صورت میں پیشاب کرتے وقت ان چیزوں کی طرف منہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ویظہر ان المراد استقبال عینہما مطلقاً لا جہتہما ولا ضوءہما ولو کان ساتراً یمنع عن العین ولو سحاباً فلا کراہۃ ومن الکراہۃ اذا لم یکونا فی کبد السماء۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۴۲ باب الانجاس)[2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والافضل فی کل زمان الجمع بین الماء والحجر مرتباً فیمسح الخارج ثم یغسل المخرج ... ویجوز ای یصح ان یقتصر علی الماء فقط وہو یلی الجمع بین الماء والحجر فی الفضل او الحجر وہو دونہما فی الفضل۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۸ فصل فی الاستنجاء)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۴۸ الفصل الثالث فی الاستنجاء۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ استقبال عین الشمس والقمر لانہما آیتان عظیمتان۔ قال السید احمد الطحطاوی تحت قولہ ویکرہ استقبال الخ اطلاق الکراہۃ یقتضی التحریم وتقییدہ بالعین اشارۃ الی انہ لو کان فی مکان مستور ولم تکن عینہما بمرأی منہ لا یکرہ بخلاف القبلۃ الخ (الطحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۲۹ فصل فی الاستنجاء)

استنجاء سے عاجز شخص کیلئے استنجاء کا حکم

سوال: میرے ایک رشتہ دار کے دونوں ہاتھ پورے ساتھ بیماری میں کٹ گئے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ ہے تو کیا اس کو استنجاء کرنا ضروری ہے؟

الجواب: جو شخص بذات خود استنجاء سے عاجز ہو یا جب بیماری کی وجہ سے ہو یا ہاتھ کٹ گئے ہوں اور اس کی بیوی یا باندی بھی نہ ہو اور خود کسی بھی صورت میں استنجاء کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے استنجاء کرنا معاف ہے البتہ اگر صرف ایک ہاتھ سے عاجز ہو تو جہاں تک ہو سکے استنجاء کرے ورنہ بصورت مجبوری معاف ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: الرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا امة وله ابن او اخ وهو لا يقدر على الوضوء قال يوضئه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمس فرجه ويسقط عنه والمرأة المريضة اذا لم يكن لها زوج وهي لا تقدر على الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء اهـ ولا يخفى ان هذا التفصيل يجري فيمن شلت يداه لانه في حكم المريض. (الفتاوى التاتارخانية ج۱ ص۱۰۲ كتاب الطهارة) [۱]

مرد اور عورت کے استنجاء میں فرق

سوال: مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق نہیں یعنی جس طرح پانی اور ڈھیلے دونوں مرد استعمال کر سکتا ہے عورت کیلئے بھی جائز ہے البتہ مرد کیلئے استبراء یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر تک انتظار کرنا کہ پیشاب کے قطرات بند ہو جائیں ضروری ہے عورت پر اس قسم کا استبراء لازم نہیں۔

قال ابن عابدينؒ: قلت بل صرح في الغزنوية بانها تفعل كما يفعل الرجال الا في الاستبراء فانها لا استبراء عليها بل كما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطيفة ثم تمسح قبلها ودبرها بالاحجار ثم تستنجي بالماء. (رد المحتار على الدر المختار ج۱ ص۳۴۴ فصل في الاستنجاء) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت قوله ... وفي التاتارخانية والرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا امة وله ابن او اخ وهو لا يقدر على الوضوء قال يوضئه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمس فرجه ويسقط عنه والمرأة المريضة اذا لم يكن لها زوج وهي لا تقدر على الوضوء ولها بنت او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء ولا يخفى ان هذا التفصيل يجري فيمن شلت يداه لانه في حكم المريض.
(رد المحتار ج۱ ص۳۴۴ فصل في الاستنجاء)
ومثله في الهندية ج۱ ص۵۰ فصل في الاستنجاء۔

[۲] قال حسن بن عمارؒ: يلزم الرجل الاستبراء والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتى يزول اثر البول ... ولا يحتاج المرأة الى ذلك بل تصبر قليلا ثم تستنجي. (مراقي الفلاح ص۲۵ فصل في الاستنجاء)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۵۲ باب الانجاس۔

بوجہ مجبوری دوسرے سے استنجاء کرانا

سوال:- ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ خود استنجاء کرنے سے قاصر ہے کیا وہ کسی اور سے استنجاء کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کوئی شخص بیماری یا بیماری کے بعد کمزوری کی وجہ سے خود استنجاء کرنے پر قادر نہیں تو اس کے لیے کسی دوسرے سے استنجاء کرانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی بیوی یا باندی اُسے استنجاء کرائے۔ ان کے علاوہ کسی اور سے استنجاء کرانا درست نہیں، ایسی صورت میں اُس کے لیے استنجاء معاف ہے۔

لما فی الهندية:- الرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا أمة وله ابن او اخ وهو لا يقدر على الوضوء قال يوضئه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمس فرجه و يسقط عنه الاستنجاء كذا في المحيط. والمرأة المريضة اذا لم يكن لها زوج وعجزت عن الوضوء ولها ابنة او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء۔

(الفتاوى الهندية ج ١ ص٥٠ الفصل الثالث في الاستنجاء) لے

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ

سوال:- پتلون پہننے کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مجبوری عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے ورنہ عمومی حالات میں آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا ہے اس لیے فقہاء کرام نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پتلون پہنے ہوا اور بیٹھ کر پیشاب کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے ورنہ بامر مجبوری کھڑے ہو کر کرنا جائز ہے لیکن پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

لما قال الحصكفي:- وكذا يكره ..... ان يبول قائما او مضطجعا او متجردا من ثوبه

لے قال العلامة فخر الدين قاضي خان: ..... ومنها ان المريض اذا لم يكن له امرأة وعجز عن الوضوء وله ابن او اخ فانه يوضئه، الا انه لا يمس فرجه لانه لا يحل له مسه [illegible] والمرأة المريضة ان لم يكن لها زوج وعجزت عن الوضوء ولها ابنة او اخت توضئها ويسقط عنها الاستنجاء۔ (الفتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ١ فصل في صفة الوضوء)

والے ہوتے ہیں اور دوسرے خسیس اور بے عظمت و حرمت والے اعمال، شریعت مقدسہ میں ہر عظمت والے عمل کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے اور ہر خسیس عمل کو بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے، چونکہ بیت الخلاء خسیس اور غیر ذی شان والے اعمال سے تعلق رکھتا ہے اس لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں سے داخل ہونا چاہیے اور نکلتے وقت دائیں پاؤں کو پہلے نکالنا چاہیے اور یہی آداب بیت الخلاء ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: يدخل الخلاء برجله اليسرى ويخرج برجله اليمنى (عكس ما تقدم في المسجد) لأن ما كان من التكريم يبدأ فيه بالتيمن وخلافه باليسار، لمناسبة اليمين للتكريم واليسار للمستقذرات. (الفقه الاسلامي وادلته ج١ ص٢٧٣ خامساً آداب قضاء الحاجة)

دوران قضاء حاجت اگر چھینک آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: اگر قضاء حاجت کے دوران کسی کو چھینک آجائے تو کیا وہ الحمد للہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنا یا ذکر کرنا وغیرہ مکروہ ہے، چنانچہ اگر کسی کو دوران قضاء حاجت چھینک آجائے تو اس کو دل میں الحمد للہ پڑھ لینا چاہیے، زبان سے اس کا ورد نہ کرے۔

لما في الهندية: فإن عطس حمد الله بقلبه ولا يحرك لسانه. الخ

(الفتاوى الهندية ج١ ص٥٠ فصل في الاستنجاء) ٢

قضاء حاجت کو بیٹھنے کے لیے کس وقت کپڑا اٹھائے؟

سوال: جناب مفتی صاحب! جب کوئی شخص قضاء حاجت کے لیے

---

١ وفي الهندية: ويستحب له عند الدخول في الخلاء أن يقول: اللهم إني أعوذ بك من الخبث والخبائث، ويقدم رجله اليسرى وعند الخروج يقدم اليمنى۔

(الفتاوى الهندية ج١ ص٥٠ فصل في الاستنجاء)

ومثله في معارف السنن ج١ باب ما يقول إذا دخل الخلاء۔

٢ لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: فإن عطس حمد الله بقلبه ويتوقى بعد ذلك ... لما ظهر في ما اتفق (الفقه الاسلامي وادلته ج١ ص٢٧٣ خامساً آداب قضاء الحاجة)

بیت الخلاء جائے تو وہ کس وقت اپنے کپڑے کو اٹھائے؟

الجواب: قضاءِ حاجت کے لیے بیٹھتے وقت اپنے کپڑے کو تب اٹھائے جب کہ زمین کے قریب ہو جائے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویستحب ان لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض لان ذلک استر لہ ولما روی ابوداؤد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اراد الحاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۲۰۳ آداب قضاء الحاجۃ)[1]

بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا احادیث کے اوراق سمیت جانا

سوال: کیا قضاءِ حاجت کے لیے بیت الخلاء میں جاتے وقت جیب میں آیاتِ قرآنی یا احادیث کے اوراق ہوں تو ایسی حالت میں بیت الخلاء میں جانا اور قضاءِ حاجت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامی میں ہر معظم شے کی تعظیم و احترام کا حکم ہے، چونکہ آیاتِ قرآنی اور احادیث وغیرہ کے اوراق انتہائی معظم و مکرم ہیں اور بیت الخلاء میں ساتھ لے جانے سے ان کی تحقیر ہوتی ہے اس لیے قصداً ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بیت الخلاء جاتے وقت اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے جس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ البتہ اگر ایسے کاغذات جیب سے باہر رکھنے پر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر ساتھ لے جانے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: لا یصحب مکتوباً ذکر اسم اللہ علیہ او ذکر اسم معظم کالملائکۃ والعزیز والکریم ومحمد واحمد، لما روی انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ وکان فیہ

---

[1] عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد حاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض ـــ قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ تحت ھذا الحدیث وھذا لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن التعری فی الخلوت ایضاً وقال فاللہ احق ان یستحیی منہ من الناس وھذا یدل علی ان جواز التعری فی الخلوت للضرورۃ فلا ینبغی ان یرفع ثوبہ قبل الضرورۃ۔ (بذل المجھود ج ۱ ص ۔ باب کیف التکشف عند الحاجۃ)

محمد رسول اللہ فان حفظه به واحترز عليه من السقوط فلا بأس۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج اص ۲۰۲ آداب قضاء الحاجة) لہ

قضاء حاجت کے دوران برش یا مسواک کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کہ ایک شخص قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء میں بیٹھا ہو ہے مگر اسی دوران وہ مسواک بھی کر رہا ہے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قضاء حاجت کے مستحبات میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے دوران قضاء حاجت کے علاوہ اور کوئی عمل نہ کرے، نہ آسمان کو دیکھے اور نہ اپنی شرمگاہ پر نظر رکھے اور نہ دائیں بائیں طرف دیکھے، اسی طرح اس دوران مسواک یا برش کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

لما قال الشیخ وهبة الزحیلی :۔ یستحب الا ینظر الی السماء ولا الی فرجه ولا الی ما یخرج منه ولا یعبث بیده ولا یلتفت یمیناً ولا شمالاً ولا یستاک لان ذلك كله لا یلیق به۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج اص ۲۰۲ آداب قضاء الحاجة) ؎ لہ

بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم

سوال:۔ بعض مساجد کے استنجاء خانے مسجد میں ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں جوتوں سمیت جانا صحیح نہیں اس لیے کہ مسجد کے صحن سے گزرنا پڑتا ہے، تو کیا ایسے استنجاء خانوں یا بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو جوتے پہن کر بیت الخلاء وغیرہ میں جانا آداب قضاء حاجت سے ہے اور مستحب ہے، لیکن صورت مسئولہ میں مسجد کی عظمت اور حرمت کے پیش نظر جوتوں کے بغیر

لہ قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ تحت قول النبیؐ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا دخل الخلاء وضع خاتمه: یعنی ینزع خاتمه من الاصبع ثم یضعه خارج الخلاء ولا یدخل الخلاء مع الخاتم وهذا تعظیم اسم اللہ عز وجل ویدخل فیه کلما کان فیه اسم اللہ من القرطاس والدراهم۔ الخ (بذل المجهود ج اص ۱۱ باب الخاتم یکون فیه ذکر اللہ تعالیٰ یدخل به الخلاء)

لہ لما فی الهندیة: ولا ینظر لعورته الا لحاجة ولا ینظر الی ما یخرج منه ولا یبزق ولا یتمخط ولا یتنحنح ولا یکثر الالتفات ولا یعبث ببدنه ولا یرفع بصره الی السماء۔ الخ

(الفتاوی الهندیة ج اص ۵۰ فصل فی الاستنجاء)

جانے میں کوئی قباحت نہیں رہتی مناسب یہ ہے کہ مساجد کے استنجا خانے کسی ایسی جگہ بنائے جائیں جہاں بچوں سمیت جانا ممکن ہو۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: أن يلبس نعليه ويستر رأسه ويأخذ أحجارا للاستنجاء ويتقي ويبعد لئلا يصل النجاسة من ماء ونحوه.

(الفقه الاسلامي وادلته ج۱ ص[illegible] آداب قضاء الحاجة)

استعمال شدہ ڈھیلوں سے دوبارہ استنجاء کا حکم

سوال:- بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلے سے دوبارہ استنجاء کرتے ہیں، زیر استعمال ڈھیلوں کے سوکھ جانے کے بعد ان سے دوبارہ استنجاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- استنجاء بالاحجار کے لیے ضروری ہے کہ ڈھیلے وغیرہ پاک ہوں، اسی بنا پر فقہاء نے مستعمل ڈھیلے سے استنجاء کو ناجائز قرار دیا ہے، تاہم اگر ڈھیلا بڑا ہونے کے ساتھ اس کے کئی کونے بھی ہوں تو متعدد ڈھیلوں کے حکم میں ہے، تو ہر ایک کونے سے مستقل طور پر استنجاء کرنا بلا کراہت درست ہے۔

قال العلامة ابن همام: ولا يجوز له الاستنجاء بحجر استنجى به مرة إلا أن يكون له حرف آخر لم يستنج به. (فتح القدير ج۱ ص[illegible] فصل في الاستنجاء) له

له قال في الهندية: وكذا لا يستنجي بحجر استنجى به مرة هو أو غيره إلا إذا كان حجرا له أحرف له أن يستنجي كل مرة بطرف لم يستنج به فيجوز من غير كراهة كذا في المحيط. (الهندية الفصل الثالث في الاستنجاء ج۱ ص۴۸) ومثله في خلاصة الفتاوى، باب الاستنجاء ج۱ ص۲۷.

مسائل شتّیٰ

(غسل اور وضو کے متفرق مسائل)

غسل اور وضو کے لیے پانی کی مقدار

سوال :۔ وضو یا غسل کے لیے کتنا پانی ہونا چاہیئے شرعاً اس کے لیے پانی کی کوئی مقدار مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ شریعت میں وضو یا غسل کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کہ اس سے کم و بیش پانی کے ساتھ وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہو۔ البتہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور غسل کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ صاع کی مقدار موجودہ حساب سے ۲۷۰ تولہ اور مد ۶۸ تولہ اور چند ماشے بنتا ہے۔

لما قال العلامة السيد احمد الطحطاوي ؒ : واعلم انه تقل غير واحد الاجماع على عدم التقدير في ماء الوضوء والغسل بل هو بقدر الكفاية لاختلاف طباع الناس . وعن عائشة رضي الله عنها جرت السنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الغسل من الجنابة صاع ثمانية ارطال وفي الوضوء رطلان هما مد فالمد ربع صاع . (طحطاوي ص۳۳ كتاب الطهارة فصل في المكروهات)[1]

گنجے سر والے آدمی کے چہرے کی حدود کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! فقہ کی بعض کتابوں میں چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے اور ایک کان سے دوسرے کان تک

---

[1] قال العلامة الكاساني ؒ : مقدار الماء الذي يغتسل به فقد ذكر في ظاهر الرواية وقال ادنى ما يكفي في الغسل من الماء صاع وفي الوضوء مد ..... ثم هذا التقدير الذي ذكره محمد ؒ من الصاع والمد في الغسل والوضوء ليس بتقدير لازم بحيث لا يجوز النقصان عنه او الزيادة عليه بل هو بيان مقدار ادنى الكفاية عادةً حتى من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزأه وان لم يكفه زاد عليه لان طباع الناس واحوالهم تختلف . (بدائع الصنائع ج ۱ ص۳۵ مطلب آداب الوضوء)

مذکور ہے۔ اب اگر کسی شخص کے سر کے نصف سے بال شروع ہوئے ہوں تو اس بارے میں اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی عبارات میں جو یہ مذکور ہے کہ چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر جہاں سے سر کے بال اُگنے شروع ہوتے ہیں یعنی عرف میں بال اُگنے کی جو حد ہو اس کا اعتبار ہے، اس لیے جو آدمی بالکل گنجا ہو یا اس کے بال سر کے نصف سے شروع ہوتے ہوں تو اس کو عرف کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: وحده اي حد الوجه طولاً من مبدأ سطح الجبهة سواء كان به شعر ام لا۔ قال السيد احمد الطحطاويؒ: (قوله سواء كان به شعر ام لا) اشار به الى ان الاغم والاصلع والاقرع والانزع فرض غسل الوجه منهم ما ذكر۔ (طحطاوي و مراقي الفلاح ص۳۹ احكام الوضوء)[1]

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا مسنون ہے یا ہر نیند (چاہے دن کا قیلولہ ہو یا رات کی نیند) سے اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مسنون ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے مطلقاً نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے چاہے رات کی نیند ہو یا دن کا قیلولہ، اس لیے ہر نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنا مستحب ہے۔

قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله: ويستحب لتغير الفم

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: من مبدأ سطح جبهته اي متوسط بقرينة المقام الى اسفل ذقنه اي منبت اسنانه السفلى طولاً كان عليه شعر او لا عدل عن قولهم من قصاص شعره الجاري على الغالب الى المطرد ليعم الاغم والاصلع والانزع۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۹۶ كتاب الطهارة)
ومثله في الهندية ج۱ ص۳ كتاب الطهارة۔

والقیام من النوم۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۶ فصل من آداب الوضوء)

مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میری دادی بیمار اور معذور ہیں، ڈاکٹروں نے ان پر وضو وغیرہ کے لیے پانی استعمال کرنا منع کر دیا ہے، اس وجہ سے میں ان کو تیمم کراتی ہوں، تو کیا تیمم کی نیت کرنا میرے لیے لازم ہے یا میری دادی کے لیے؟

الجواب: تیمم میں نیت کا وجوب ہر اس شخص پر لازم ہے جو پاکی (طہارت) حاصل کرنا چاہتا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں پاکی آپ کی دادی حاصل کرتی ہیں اس لیے تیمم کی نیت کرنا ان کے لیے لازمی ہے، آپ کے لیے نہیں۔[۱]

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله: مريض يممه غيره فالنية على المريض دون الميمم. انتهى. (الاشباه والنظائر ج۱ ص۱۸۰ القاعدة الثانية ۳۳۴)[۲]

غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا

سوال: جنابت کے غسل کے دوران اگر استعمال شدہ پانی کے چھینٹے پانی کے برتن میں گر جائیں تو کیا اس باقی پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر جنبی آدمی کے بدن سے غسل کے دوران گرنے والے پانی کے چھینٹے صاف پانی میں گر جائیں تو اس سے صاف پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس سے غسل کرنا جائز ہے۔

---

[۱] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: ويستحب في خمسة مواضع اصفرار السن وتغير الرائحة والقيام من النوم والقيام الى الصلوٰة وعند الوضوء۔
(رد المحتار ج۱ ص۱۱۵ سنن الوضوء، مطلب في دلالة المفهوم)
ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۲۱ سنن الوضوء۔

[۲] قال الشيخ المفتي عبد الرحيم لاجپوري: مذکورہ لاچاری ومجبوری کی صورتوں میں دوسرا شخص تیمم کرادے تو تیمم ہو جائے گا مگر نیت معذور کو ہی کرنا ہوگی، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔
(فتاویٰ رحیمیہ ج۴ ص۳۶ کتاب الطہارۃ)

لما في الهندية: جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في إنائه لم يفسد عليه الماء۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۳ الفصل الثاني فيما لا يجوز به التوضؤ)[1]

نجس اشیاء کے دھوئیں کا حکم

سوال:۔ بسا اوقات کوڑا کرکٹ کی جگہ دھواں سا اٹھتا ہے اگر وہ انسان کے کپڑوں پر یا اس کے بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں؟

الجواب:۔ نجاست سے اٹھنے والا بھاپ یا دھواں اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے کپڑے اور بدن نجس (ناپاک) نہیں ہوتے، اگرچہ بعض اقوال ناپاک ہونے کے بھی مروی ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوتے۔

لما في الهندية: دخان النجاسة إذا أصاب الثوب أو البدن الصحيح أنه لا ينجسه۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۷ الفصل الثاني في الأعيان النجسة)[2]

شیر خوار بچے کی قے کا حکم

سوال:۔ اگر چھوٹا شیر خوار بچہ کسی پر قے کردے تو کیا اس کی قے پاک ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قے جب منہ بھر کے آئے تو مطلقاً نجس ہے چاہے بڑے آدمی کے معدے سے آئے یا شیر خوار بچے کے معدے سے، تاہم اگر قے منہ بھر کے نہ آئے تو ناپاک نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ينقضه قيء ملأ فاه من مرة أو علق أو طعام أو ماء إذا وصل إلى معدته وإن لم يستقر، وهو نجس مغلظ ولو من صبي ساعة ارتضاعه هو الصحيح لمخالطة النجاسة، ذكره الحلبي۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۷ مطلب نواقض الوضوء)

---

[1] وقال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: جنب اغتسل فانتضح من غسله شيء في إنائه لم يفسد عليه الماء۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۸ كتاب الطهارة الفصل الأول)

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي رحمه الله: وبخار الكنيف والإصطبل والحمام إذا قطر لا يكون نجساً استحساناً۔ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص ۱۴۲ قبيل الفصل يطهر جلد الميتة)

چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا

سوال:۔ اگر کوئی چھوٹا بچہ پانی کے مٹکے میں ہاتھ ڈال دے تو اس پانی کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں پانی کی طہارت اور ناپاکی بچے کے ہاتھوں کی طہارت ورناپاکی پر منحصر ہے، اگر بچے کے ہاتھ یقینی طور پر پاک وصاف ہوں تو بلاشبہ پانی بھی پاک ہے اور اگر بچے کے ہاتھ نجس ہوں تو پانی بھی ناپاک ہے، تاہم اگر شک کی سی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال نہ کیا جائے اور اگر استعمال کر بھی لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة فخرالدین قاضی خانؒ: وکذا الصبی اذا ادخل یدہ فی الاناء الا یتوضأ منہ استحساناً مالم یتوضح وان لم یتوضح وتوضأ جاز۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۵ فصل فی الماء)

وضو کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اسی اذان شروع ہو جائے تو کیا یہ شخص وضو کی دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے، شرعاً کونسا عمل افضل ہے؟

الجواب:۔ وضو کرتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا اور اذان کا جواب دینا دونوں سنت ہیں لہٰذا دونوں میں سے جو بھی چاہے پڑھ سکتا ہے، تاہم اذان کا جواب دینا زیادہ بہتر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان سننے والے کو سلام کا جواب دینا بھی مناسب نہیں، حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی حال الاذان والاقامة ولا یشتغل بقراءة القرآن ولا بشئ من الاعمال سوی الاجابة ولو کان فی القراءة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالسماع والاجابة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۵ فصل ما یجب علی السامعین عند الاذان) .[1]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وینبغی لسامع ان لا یتکلم ولا یشتغل بشئ فی حالة الاذان والاقامة ولا یرد السلام ایضاً لان الکل یخل بالنظم۔

(ردالمحتار ج۱ ص۳۹۹ باب الاذان۔مطلب فی کراھة تکرار الجماعة فی المسجد)

تیمم کے جواز کے لیے مسافت کی تحدید

سوال:۔ پانی کتنی مسافت کی دوری پر ہو تو تیمم کرنا جائز ہوتا ہے؟

الجواب:۔ جب آدمی سے پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تو تیمم جائز ہے اور میل سے مراد چار ہزار گز ہے یعنی جب آدمی سے چاروں طرف ایک ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ومن عجز عن استعمال الماء لبعده ولو مقیماً فی المصر میلاً اربعة آلاف ذراع وھو اربع وعشرون اصبعاً وھی ست شعیرات ظھراً لبطن وست شعرات بغل۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۱ ص۲۳۲ باب التیمم)[1]

کوئلے سے تیمم کرنا

سوال:۔ کوئلہ دو قسم کا ہوتا ہے: (۱) جبلی (پہاڑی) کوئلہ جو کہ کان سے نکالا جاتا ہے، اور (۲) ایک وہ جو لکڑی کو جلا کر اس سے کوئلہ بنایا جاتا ہے۔ کیا جبلی (پہاڑی) کوئلہ اور اس کی بنی ہوئی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جبلی کوئلہ چونکہ پتھر ہے اس لیے یہ جنس الارض سے شمار ہوگا جس پر تیمم صحیح اور درست ہے، اسی طرح اس کی راکھ پر بھی تیمم صحیح ہے۔

قال الحصکفیؒ: ومتعد بالاحتراق الا رماد الحجر فیجوز کحجر مدقوق او مغسول۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۱ ص۲۴۶ باب التیمم)[2]

راکھ پر تیمم کرنے کا حکم

سوال:۔ راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تیمم کے لیے جنس الارض ہونا ضروری ہے۔ فقہاء کرام نے جنس الارض کی پہچان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جنس الارض ہر وہ شے ہے جو جلانے سے

---

[1] وفی الھندیة: ویجوز التیمم لمن کان بعیداً من الماء میلاً وھو المختار فی المقدار سواء کان خارج المصر او فیه وھو الصحیح وسواء کان مسافراً او مقیماً ... ان المیل ھو ثلث الفرسخ اربعة آلاف ذراع طول کل ذراع اربع وعشرون اصبعاً وعرض کل اصبع ست حبات شعیر ملصقة ظھراً لبطن۔ (الھندیة ج۱ ص۲۸ الباب الرابع فی التیمم)

[2] قال الشیخ خلیل احمد: ہمارے نزدیک جبلی کوئلہ اور اس کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا حکم پتھر کا ہوگا۔ (فتاویٰ خلیلیہ جلد ۱ ص۶۴ کتاب الطہارۃ باب التیمم)

نہ رکھ سکے اور نہ پگھل جائے۔ چونکہ راکھ اس شے سے بنتی ہے جو جل کر راکھ بن جاتی ہے جس پر جنس الارض کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لیے طہارت کے باوجود اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: جنس الارض فکل مایحترق بالنار فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوھا، وما ینطبع ویلین کالحدید والصفر والنحاس والزجاج وعین الذھب والفضۃ ونحوھا فلیس من الارض وما کان بخلاف ذلک فھو من جنسھا۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۵۳ فصل فی بیان مایتیمم بہ)[1]

گدا یا تکیہ پر تیمم کا حکم

سوال:۔ ایک شخص صاحبِ فراش ہے اور ڈاکٹروں نے اس کو پانی کے استعمال سے منع کیا ہوا ہے، کیا وہ گدا یا تکیہ پر تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا صاحبِ فراش جس کو ڈاکٹروں نے پانی کے استعمال سے منع کیا ہو اس کیلئے گدا اور تکیہ پر تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس پر غبار موجود ہو کما فی تاتارخانیہ میں ہے:۔

والصحیح قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ: وصورۃ التیمم بالغبار ان یضرب بیدیہ ثوبا او لبدا او وسادۃ او ما اشبھھا من الاعیان الطاھرۃ التی علیھا غبار فاذا وقع الغبار علی یدہ تیمم۔ (تاتارخانیہ ج۱ ص۲۴۳ باب التیمم)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: مایحترق بالنار فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوھما او ما ینطبع ویلین کالحدید والصفر والزجاج وعین الذھب والفضۃ ونحوھا فلیس من جنس الارض وما کان بخلاف ذلک فھو من جنسھا۔

(الھندیۃ ج۱ ص۲۶ الباب الرابع فی التیمم، الفصل الاول)

[2] قال ابراھیم الحلبیؒ: ولا یجوز عندنا بما لیس من جنس الارض وھو مایلین بالنار او یترمد کالذھب والفضۃ والحدید والرصاص والصفر والنحاس ونحوھما مما ینطبع ویلین بالنار وکالحنطۃ وسائر الحبوب والاطعمۃ من الفواکہ وغیرھا وانواع النباتات مما یترمد بالنار اذا لم یکن علیھا غبار وان کان علی ھذہ الاشیاء المذکورۃ غبار یجوز التیمم بغبارھا عند ابی حنیفۃ۔ (الکبیری ص۷۶ باب التیمم)

ومثلہ فی مجموعۃ الفتاوی ج۱ ص۸۶ کتاب الطھارۃ۔

ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمم کرنا :

سوال :- ایک ہی جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمم کرنا فقہاء کرام کی تصریحات سے جواز معلوم ہوتا ہے اس لیے ایک جگہ پر بار بار تیمم کرنا جائز ہے ۔

لما قال العالم بن العلاء الاندریتی ؒ : واذا تیمم مرارا من موضع واحد جاز ۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۲۴۲ فی نوع من یجوز التیمم ولا یجوز) [۱]

تلاوتِ قرآن کیلئے کئے گئے تیمم سے نماز پڑھنے کا حکم :

سوال :- جو تیمم تلاوت یا دیگر اذکار کیلئے کیا ہو اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جس کیلئے طہارت شرط ہے مثلاً نماز ، سجدۂ تلاوت وغیرہ ۔ (۲) وہ جس کے لیے طہارت شرط نہیں ، مثلاً تلاوتِ قرآن ، دخولِ مسجد ، تعلیم دین وغیرہ ۔

اب اگر تیمم ان عبادات کے لیے کیا جائے جن کے لیے طہارت شرط ہے تو اس تیمم سے جملہ عبادات ادا کرنا جائز ہے اور اگر تیمم کسی عبادت کے لیے کیا گیا ہو جن کے لیے طہارت شرط نہیں تو اس سے وہ عبادات جن کے لیے طہارت شرط ہے ادا کرنا صحیح نہیں ۔ لہٰذا تلاوتِ قرآن یا دیگر اذکار کے لیے چونکہ طہارت شرط نہیں اس لیے اس تیمم سے نماز پڑھنا بھی درست نہیں ۔

لما قال الحصکفی ؒ : لو تیمم لدخول مسجد او لقراءۃ ولو من مصحف ... لم یجز الصلوٰۃ بہ عند العامۃ ۔ قال ابن عابدین ؒ : (قولہ لم یجز الصلوٰۃ بہ) ای بکل نفل الذی وھو المراد ان لم یکن عبادۃ مقصودۃ او کونھا لا تحل الا بالطہارۃ

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۴۵ باب التیمم) [۲]

---

[۱] وفی الہندیۃ : واذا تیمم مرارا من موضع واحد جاز کذا فی التاتارخانیۃ ۔

(الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶ الباب الرابع فی التیمم ، الفصل الثالث فی المتفرقات)

[۲] قال ابن نجیم ؒ : وصحح بانہ لو تیمم لدخول المسجد ولقراءۃ ولو من المصحف او مسہ او زیارۃ القبور ... لا تجوز الصلوٰۃ بذلک التیمم عند عامۃ المشائخ لان بعضھا لیست بعبادۃ مقصودۃ وان کان عبادۃ مقصودۃ تصح بدون الطہارۃ ۔ (البحرالرائق ج ۱ ص ۱۵۱ باب التیمم)

ومثلہ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶ الباب الرابع فی التیمم ، الفصل الاول ۔

تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمم کرنا درست نہیں

سوال: اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ غسل کی بھی ضرورت ہے اور نماز کا وقت بھی کم ہے، کیا تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: وقت کی تنگی کوئی ایسا عذر شرعی نہیں کہ جس کی وجہ سے غسل کو چھوڑ کر تیمم پر اکتفا کیا جائے بلکہ ہر حال میں غسل کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: لا يتيمم لفوت جمعة ووقت ولو وترا لفواتها إلى بدل.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص[illegible] باب التيمم) [1]

جیل خانہ میں پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم

سوال: افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں جو لوگ کفار کی جیلوں میں محبوس ہیں اگر دشمن باوجود پانی کی موجودگی کے ان کو وضو یا غسل کے لیے نہ چھوڑیں تو کیا یہ لوگ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: تیمم کے جواز کے لیے پانی پر عدم قدرت ضروری ہے اور یہ عدم قدرت چاہے مسافت کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا دشمن کی وجہ سے ہو تو ان تمام صورتوں میں تیمم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، لہٰذا اگر قیدی تیمم کر کے نماز ادا کریں تو جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: من عجز عن استعمال الماء ..... لبعده ولو مقيما في المصر ميلا ..... أو لمرض يشتد أو يمتد بغلبة ظن أو قول حاذق مسلم ..... أو برد يهلك الجنب أو يمرضه ..... أو خوف عدو كحية أو نار على نفسه ولو من فاسق أو حبس غريم أو ماله ..... أو عطش ولو لكلبه أو رفيق القافلة حالا أو مآلا.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۲۳۲ تا ۲۳۴ باب التيمم) [2]

---

[1] قال العلامة إبراهيم الحلبيؒ: ولو خاف خروج الوقت لو اشتغل بالوضوء فات الصلوٰة ماعدا صلوٰة الجنازة والعيد لا يتيمم عندنا. (كبيري ص۶۳ فصل في التيمم)

[2] قال الشيخ السيد أحمد الطحطاويؒ: (ومنه خوف عدو) آدمي أو غيره سواء خافه على نفسه أو ماله أو أمانته أو خافت فاسقا عند الماء أو خاف المديون المفلس الحبس ولا إعادة عليهم إلا من حبس في السفر لأن المكره على ترك الوضوء فتيمم فإنه يعيد الصلوٰة.

(مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۶۶ باب التيمم)

زخمی تیمم کرسکتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص اتنا زخمی ہو کہ اس کے لیے غسل کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی شخص کے نصف بدن یا اس سے زیادہ پر زخم ہوں تو وہ شخص تیمم کرسکتا ہے البتہ اگر بدن کے زخم کم ہوں اور غسل کرنا ممکن ہو تو وہ شخص غسل کرے گا اور زخم کی جگہوں پر مسح کرے گا، اور اگر زخم کم ہوں لیکن پانی کے اثر سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو پھر بھی تیمم جائز ہے۔

ويجوز التيمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان يقتله البرد او يمرضه :۔ ومن كان ببعض اعضائه جراحة يعتبر الاكثر محدثا كان او جنبا ففي الجنابة يعتبر اكثر البدن وفي الحدث يعتبر اكثر اعضاء الوضوء فان كان الاكثر صحيحا والاقل جريحا يغسل الصحيح ويمسح على الجريح ان امكنه وان لم يمكنه مسح على الجبائر او الخرقة ولا يجمع بين الغسل والتيمم۔ (الهندية ج ۱ ص ۲۸) ؎

سرد علاقوں میں تیمم کا حکم

سوال: کیا جنب آدمی سخت سرد علاقوں مثلاً سوات، سیاچین وغیرہ میں سردی کی وجہ سے نماز اور دوسری عبادات کے لیے تیمم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے یا عذر شرعی تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، سخت سردی بھی تیمم کے لیے عذر شرعی ہے لیکن تب جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں بیمار پڑنے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، البتہ صرف وضو ٹھنڈے پانی سے کیا جائے گا اس لیے کہ وضو میں نقصان کا خوف زیادہ نہیں ہوتا۔

لما قال الحصكفيؒ: او برد يهلك الجنب او يمرضه ولو في المصر اذا لم تكن له اجرة حمام ولا ما يدفئه۔ قال العلامة ابن عابدينؒ: قيد بالجنب لان المحدث لا يجوز له التيمم للبرد في الصحيح۔
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۳۴ باب التيمم)

؎ لما قال العلامة الحصكفيؒ: والمرض يشتد او يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك۔
(رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۲۳۳ باب التيمم)
ومثله في الفقه الاسلامي وادلته ج ۱ ص ۴۱۳ باب التيمم، المرض او بطء البرء۔

نمک پر تیمم کرنے کا حکم

سوال: جناب محترم مفتی صاحب! ایک آدمی نمک کی کان میں کام کرتا ہے، اگر وہاں اس کو تیمم کی ضرورت پڑ جائے اور گرد و نواح میں مٹی بھی موجود نہ ہو تو کیا یہ شخص نمک پر تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: پہاڑی نمک چونکہ زمین کے اجزاء میں سے ہے اس لیے اس پر تیمم کرنا شرعاً جائز ہے، تاہم جو نمک سمندر کے پانی سے بنا ہوا ہو اس پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمه الله: والتيمم بالملح فيه روايتان ... وإن كان مائيا وجمد فلا يجوز لأنه ليس من أجزاء الأرض وإن كان جبليا ... وهو استعمال ... من أجزاء الأرض يجوز به التيمم لأنه من جنس الأرض.

(البحر الرائق ج۱ ص۱۴۶ باب التیمم)

ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمم کرنے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ وضو یا غسل سے نہیں کر سکتا، اس لیے تیمم کرنے کے لیے اپنے پاس مٹی کا ایک ڈھیلا رکھا ہوا ہے اور وہ اسی پر بار بار تیمم کرتا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا یہ کہ ہر تیمم کے لیے مٹی کا نیا ڈھیلا لینا پڑے گا؟

الجواب: جو شخص بیمار ہو اور طبیب نے روکا ہو، پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو تو شرعاً اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ پھر چاہے تو یہ مٹی کے ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمم کرے یا ہر بار تیمم کے لیے نئی جگہ یا ڈھیلا استعمال کر سکتا ہے، شرعاً اس بارے میں گنجائش ہے۔

لما في الهندية: ولو تيمم مرارا من موضع واحد جاز كذا في التاتارخانية.

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷ باب التیمم)

وقال العلامة قاضي خان رحمه الله: [illegible] الجبلي والملح [illegible] جاز.

(فتاوى قاضي خان ج۱ ص۵۲ فصل فيما يجوز به التيمم)

ومثله في البحر الرائق ج۱ ص۱۴۶ باب التيمم۔

نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

نائلون کی مروجہ جرابوں پر مسح کے بارہ میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مفتی اعظم
اور مولانا محمد یوسف صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ کا یہ متفقہ فتویٰ جو کہ پہلی بار الحق میں
ترجمان ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا۔ فتویٰ کی اہمیت کے پیش نظر اب
اسے فتاویٰ حقانیہ میں بھی شائع کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

فی الدر المختار او جوربیہ ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخ
ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا یشف۔ حلبی کبیری ص ۱۲۱
وحد الجوربین الثخینین ان یستمسک ای یثبت علی الساق من غیر
ان یشد بشیء ھکذا فسروہ کلھم وینبغی ان یقید بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاھد
ما یکون فیہ ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکرباس۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کرنا مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ۔ اول یہ کہ
گاڑھی اور اتنی موٹی ہوں کہ اگر بغیر جوتے کے جرابیں پہن کر تین میل ان میں چلا جائے تو پھٹ
بھی نہ جاوے اور وہ پنڈلی پر بغیر باندھے ٹھہری رہیں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے فوری طور پر پانی نہ چھنے۔
کما صرح بہ فی التعلیق علی شرح کبیری ص ۱۲۱۔ تیسرے یہ کہ ان کے نیچے سے کوئی چیز نظر
نہ آئے یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھیں تو کچھ دکھائی نہ دے۔ چوتھے یہ کہ پنڈلی
سے نہ گرنا تنگی کی وجہ سے نہ ہو۔

پس نائلون کی جرابیں جتنی کہ ہمارے مشاہدہ میں آئی ہیں ان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں،
کیونکہ نائلون میں ربڑ کی طرح کھنچنے اور سکڑنے کی خاصیت موجود ہے تو کھنچنے کے بعد ان کا
نہ گرنا انقباض اور تنگی کی وجہ سے ہے پھر بسا اوقات تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد وہ
پنڈلی سے گر جاتی ہیں کما لا یخفی علی من جرب۔ اور جب ان جرابوں میں سے اتنا کھینچ کر

دیکھا جائے جتنا ان کے پہننے کے وقت کھینچا جاتا ہے تو ان سے ہر چیز دکھائی دیتی ہے ، پھر
تھوڑی دور چلنا ان میں سے پانی بھی چھنتا ہے بخلاف ثخانت کی جرابوں کے ۔ تو اس بنا پر ان پر مسح کرنا
جائز نہیں ہے ۔ اور اگر نائلون کی ایسی جرابیں موجود ہوں جن میں یہ تمام شرائط موجود ہوں تو پھر
مفتی بہ قول کے مطابق ان پر مسح کرنا جائز ہوگا ۔ هذا ما عندي والعلم عند الله خیر و احسن

عفی عنہ (مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ)

اس مسئلہ کے متعلق مزید وضاحت کیلئے حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ
سے بھی استفسار کیا گیا تھا ۔ حضرت افغانیؒ کی تحقیق حسب ذیل ہے :-
تخفین کے بارہ میں کتب فقہ میں سے رد المحتار جلد اول صفحہ ۹۸ کی عبارت ذیل تخفین
کے تحت منقول ہو :-

وعن شرطه بمکن المشي فرسخا او ثبوته علی الساق بنفسه ولا یری ما تحته ولا یشف زاد (الدرر)
في الدرر وفي بعض الکتب یشف ویفرق ابن نشفه : الاول بان لا یشف الجورب الماء
الی نفسه کالادیم والصرم و فسر الثاني بان لا یجاوز الماء الی القدم وقال تحت بنفسه
ای من غیر شد اهـ .

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جواز مسح علی الجوربین کے لیے ثخانت کا وجود ضروری ہے جو کہ
امور ثلاثہ سے متحقق ہوتا ہے ۔ (۱) فرسخ تین میل یا اس سے زیادہ بغیر جوتے کے آدمی اس میں
چل سکے (۲) باندھنے کے بغیر پنڈلی سے پیوست رہے (۳) پانی گرا کر اس پر ڈالا جائے تو اندر
نہ جاسکے ۔ ان تین امور کا مجموعہ بالخصوص امر سوم نائلون کی جراب میں متحقق نہیں لہٰذا مسح درست
نہیں ۔ اس میں احتیاط اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآن پاک میں غسل رجلین مذکور ہے جو قطعی
ہے اور احادیث مسح علی الخفین متواتر یا مشہور ہیں ۔ اس لیے تخصیص کے لیے کافی ہیں ۔ مسح
علی الجوربین فقط میرے نزدیک ایسی صحیح السند صریح الدلالۃ احادیث شہرت کے درجہ
میں موجود نہیں اور قیاس علی الخفین کے لیے ان سے تناظر اور مشابہت تامہ کی ضرورت
ہے ۔ واللہ اعلم ۔

(احقر شمس الحق افغانی بہاولپور)

مجلدین و منعلین جرابوں کا کیا حکم ہے

سوال:- فقہی ذخائر میں پڑھا ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں مگر مجلدین یا منعلین جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے تو مجلدین و منعلین کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:- مجلد یا منعل جراب کا مطلب یہ ہے کہ منعل اس جراب کو کہا جاتا ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو اور مجلد وہ ہے کہ تمام جراب پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

قال الحصکفیؒ: بسکون النون ما جعل علیٰ اسفلہ جلدۃ. وقال ابن عابدینؒ: (قولہ ما جعل علیٰ اسفلہ جلدۃ) ای کالنعل للقدم، وھذا ظاھر الروایۃ وفی روایۃ الحسن ما یکون الی الکعب ابن کمال (قولہ والمجلدین ما جعل الجلد علیٰ اعلاہ واسفلہ) اھ

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۹ باب المسح علی الخفین) لہ

موٹی جراب پر پہنے ہوئے بوٹ پر مسح کا حکم

سوال:- سوتی جراب پر تو مسح جائز نہیں البتہ اگر سردی کی وجہ سے اس جراب کے اوپر ایسے بوٹ پہن لیے جائیں جو ٹخنوں کو ڈھانپ کر رکھے کیا ایسے بوٹوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- سوتی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں اس لیے کہ ان پر موزے کی تعریف صادق نہیں آتی چونکہ یہاں صورت مسئولہ میں بڑے بوٹ موزے کے حکم میں ہیں اس لیے ایسی صورت میں بوٹوں پر مسح کرنا درست ہے بشرطیکہ بوٹ کے نیچے کا حصہ پاک ہو۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والخف الساتر للکعبین مأخوذ من الخف لان الحکم خف بہ من الغسل الی المسح ..... صح ای جاز المسح علی الخفین فی الطھارۃ من الحدث الاصغر لا ... (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۱۲۸ باب المسح علی الخفین) ۲ھ

لہ قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والجورب المنعل بوضع الجلد اسفلہ کالنعل للقدم والمجلد ان یجعل الجلد علیٰ اعلاہ واسفلہ یقال لہ مجلد (مراقی الفلاح علیٰ ھامش الطحطاوی ص ۱۲۸ باب المسح علی الخفین)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۳۳۴ ... المسح علی الجوارب

۲ھ قال الحصکفیؒ: والخف شرعاً الساتر للکعبین فاکثر من جلد ونحوہ وشروط مسحہ ثلاثۃ امور: الاول لبسہ علیٰ طھر ... الثانی سترہ لمحل فرض الغسل القدم مع الکعب. والثالث کونہ مشغولاً بالرجل یمنع سرایۃ الحدث ... والثالث کونہ مما یمکن متابعۃ المشی ... وھو جائز. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۱ باب المسح علی الخفین)

ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۳۳۲ شروط ... الشروط فی المذھب.

عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال: کیا متوضی عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسح کا ثبوت خلاف القیاس ثابت ہے اس لیے صرف موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کے علاوہ عمامہ ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں۔

لما قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: قال الحنفیة لا یصح المسح علی عمامة وقلنسوة و برقع وقفازین لأن المسح ثبت بخلاف القیاس فلا یلحق به غیره.

(الفقه الإسلامي وأدلته ج ا ص [illegible] باب المسح علی العمامة)

پٹی پر مسح کرنے کا مسئلہ

سوال: پٹی پر مسح کب تک باقی رہتا ہے اور کن کن حالات میں مسح ختم ہو جاتا ہے؟

الجواب: پٹی پر مسح دو حالتوں میں ٹوٹ جاتا ہے (۱) زخم ٹھیک ہونے یا گر جانے کی حالت میں جب زخم ٹھیک ہو جائے اس لیے کہ جس علت کی وجہ سے مسح شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گئی۔ (۲) حدث کی وجہ سے یعنی وضو ٹوٹنے کی حالت میں جبیرہ کا مسح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشیخ وهبة الزحیلی: یبطل المسح علی الجبیرة في حالتین: (۱) نزعها وسقوطها قال الحنفیة یبطل المسح علی الجبیرة إن سقطت عن برء وزوال العذر.... (۲) الحدث: یبطل المسح علی الجبیرة بالاتفاق بالحدث.

(الفقه الإسلامي وأدلته ج ا ص ۳۵۵ نواقض المسح علی الجبیرة)

زخم پر مسح کرنے کا مسئلہ

سوال: اگر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: اگر ظاہر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہو تو پٹی وغیرہ کے اوپر مسح کرے اور اگر اس سے بھی شدید تکلیف کا احساس ہو تو پھر بوجہ مجبوری مسح کا ترک کرنا

لہ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالي: ولا یجوز أي لا یصح المسح علی عمامة وقلنسوة و برقع وقفازین لأن المسح ثبت بخلاف القیاس فلا یلحق به غیره.

(مراقي الفلاح علی هامش الطحطاوي ص [illegible] فصل المسح علی الخفین)

ومثله في البحر الرائق ج ا ص [illegible] باب المسح علی الخفین.

لہ قال العلامة أبو بکر الکاساني: فسقوطها لا عن برء لا ینقض المسح.

(بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع ج ا ص [illegible] مطلب نواقض المسح علی الجبیرة)

جائز ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: وإذا رمد وأمره طبيب مسلم حاذق ألا يغسل عينيه أو كسر ظفره وحصل به داء وجعل عليه دواء جاز له المسح للضرورة وإن ضره المسح تركه لتحقق الضرورة بتقديرها. (الفقه الإسلامي وأدلته ج۱ ص۳۵۵ نواقض المسح على الجبيرة) ۱؎

پلستر پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ڈاکٹر حضرات اس عضو کو جوڑنے کے لیے پلستر لگاتے ہیں، کیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پلستر کا استعمال ٹوٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنے کے لیے ہوتا ہے اور ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اس کا کھولنا عموماً مضر ثابت ہوتا ہے اور اگر مضر نہ بھی ہو لیکن بار بار اس کو کھول کر باندھنا مالی اعتبار سے بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے جبیرہ کی طرح پلستر کے اندر ملفوف اعضاء کا دھونا ضروری نہیں بلکہ مسح کافی ہے۔

لما قال الحصكفي: ويمسح نحو مفتصد وجريح على كل عصابة مع فرجتها في الأصح.

قال ابن عابدين: (قوله على كل عصابة) أي على كل فرد من أفرادها سواء كانت عصابة تحتها جراحة وهي بقدرها أو زائدة عليها كعصابة المفتصد أو لم يكن تحتها جراحة أصلاً بل لكسر أو كي، وهذا معنى قوله لم يكن تحتها جراحة أولا، لكن إذا كانت زائدة على قدر الجراحة فإن ضره الحل والمسح مسح على الكل تبعاً وإلا فلا. (رد المحتار ج۱ ص۲۸۰ باب التيمم مطلب في لفظ كل إذا دخلت على منكر أو معرف) ۲؎

۱؎ قال الحصكفي: إن كسر ظفره فجعل عليه دواء أو وضعه على شقوق رجله أجرى الماء عليه إن قدر وإلا مسحه وإلا تركه. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۲۸۱ باب المسح على الخفين)

ومثله في مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۱۰۶ فصل في مسح الجبيرة۔

۲؎ قال إبراهيم الحلبي: الجبيرة ما تحته جراحة وما ليس تحته شيء ونحوه مع الجراحة لأن الجبيرة والعصابة لا توضع على وجه تقع على موضع الجراحة فحسب بل تكون على حوالي الجراحة أيضاً فتحققت الضرورة إلى جواز المسح على الزائد على الجراحة الخ. (كبيري ص۱۱۱ باب مسح على الخفين)

ومثله في مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۱۰۷ فصل في الجبيرة ونحوها۔

سانپ کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم

سوال:۔ سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائے تو اس کنوئیں یا حوض کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سانپ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ سانپ جو صحرا میں ہوتے ہیں اگر ان میں خون شامل ہو اور ایسے سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائیں تو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں خون نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری قسم کے سانپ وہ ہیں جو پانی میں ہی رہتے ہیں اگر وہ پانی میں مر جائیں تو پانی مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا۔

لما قال الحصکفیؒ: ومائی مولد ولو کلب الماء وخنزیره کسمک وسرطان وضفدع الا بریا له دم سائل فیفسد فی الاصح کحیة بریة ان لها دم والا لا۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله کحیة بریة) اما المائیة فلا تفسد مطلقاً کما علم مما مر وکالحیة الوزغة لو کبیرة لها دم سائل منیة (قوله والا لا) ای ان لم یکن للضفدع البریة والحیة البریة دم سائل فلا یفسد اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۹۵ باب المیاه مطلب فی مسائل الوضوء من غساق)[له]

کسی حیوان کا اندام یا کوئی عضو اگر کنوئیں میں گر جائے تو کیا حکم ہے

سوال:۔ ہمارے گھر کے کنوئیں سے چڑیا کا پر نکل آیا ہے، اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس میں ۲۰ سے ۳۰ ڈول پانی نکالنا کافی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ چڑیا کے مقدار جانور کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ ۲۰ سے ۳۰ ڈول تک پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے مگر حیوان کے اندام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس میں چھوٹے اور بڑے جانور سب برابر ہیں، اور ہر عضو ایک بڑے حیوان کے مساوی ہے لہٰذا اس صورت میں کنوئیں یا حوض کا پورا پانی نکالا جائے گا یا ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله حیوان دموی وانتفخ) او تمعط او تفسخ فانه ینزح کله

له قال الفقیه اشرف علی تھانویؒ: اگر خشکی کا سانپ ہو، اندازہ کرکے دیکھا جاوے کہ اس میں کتنے سو ڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جاوے اگرچہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا، البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا...... اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ (امداد الفتاوی جلد ۱ ص ۳۲ فصل فی البئر)

لکنه یجوزبه طهارته لوجرح الحیوان بلا تفسخ ونحوه یمزج الجمیع کما فی المنح وان قطعت منه لتفسخه ولهذا قال فی غایة البیان قطعة من لحم المیتة تفسده۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۲۱۳ فصل فی البئر) [1]

چھپکلی گرنے سے پانی کا حکم

سوال :۔ ہمارے گھر میں چھپکلیاں بہت ہیں اور کبھی کبھی وہ پانی میں گر کر مرجاتی ہیں، کیا اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب :۔ عام چھپکلیوں میں بہنے والا خون نہیں ہوتا اس لیے اگر چھپکلی پانی میں گر کر مرجائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضو وغسل وغیرہ جائز ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اما الذی لیس له دم سائل کالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها وانه لیس بنجس عندنا۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۲ فصل اما الطهارة الحقیقیة) [2]

پرندوں کی بیٹ گرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا

سوال :۔ ہمارے گھر کے کنوئیں کے پاس ایک درخت ہے جس پر کافی تعداد میں پرندے ہوتے ہیں، کبھی کبھی ان پرندوں کی بیٹ اس کنوئیں میں گرجاتی ہے، شریعت مطہرہ میں اس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں پرندوں کی بیٹ سے بچنا انتہائی مشکل اور متعذر ہے اس لیے شریعت مقدسہ میں اس کے گرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ پانی کا استعمال ممنوع ہے بلکہ یہ پانی پاک اور قابل استعمال ہے۔

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمن الدیوبندیؒ: در صورت مسئولہ کشیدن مقدار بیست ڈول یا ہمہ لازم است و بعد تفتیت مقدار مذکورہ کشیدہ شود و نوشیدن از آں آب و طعام با آں پختہ خوردن ناجائز و حرام است۔ قال مولانا السید یوسف و فی حاشیة المسکین معزیا الی الحموی وقطعة الحیوان فی حکم الحیوان المتفسخ۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۱۹۳ فصل فی البئر مرتبہ مولانا ظفیر الدینؒ)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۲۰ الباب الثالث فی المیاه۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا ینجس الماء بموت ما لا دم له سائل ... حیوان ... والبحری فیه ای الماء ... (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۱۳ فصل فی البئر)

قال العلامة الحصكفيؒ: فلا نزح في بول فأرة في الاصح ولا بخرء حمام و عصفور وكذا سباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه.

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۲ فصل في البئر) ؎۱

چشمہ دار کنوئیں کی پاکیزگی میں امام محمدؒ کا قول مفتی بہ ہے

سوال: چشمہ دار کنوئیں کی تطہیر میں علماء احناف کے مختلف اقوال ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے ہاں دو ماہر اور عادل آدمیوں کی رائے کا اعتبار ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کنوئیں میں جس قدر پانی ہے اتنی ہی مقدار میں نکالنا چاہیئے جبکہ امام محمدؒ سے ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک کا قول منقول ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال میں کون سا قول مفتی بہ ہے۔

الجواب: ہمارے احناف کے ہاں اگرچہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں مگر متاخرین فقہاء کرام نے آسانی کے لیے امام محمدؒ کے قول (۲۰۰ سے ۳۰۰ تک ڈول پانی نکالنے) کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ بعض نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وقيل يفتى بمائتين الى ثلثمائة وهذا ايسر وقال في البحر وجزم به في الكنز والملتقى وهو مروي عن محمدؒ وعليه الفتوى خلاصة وتاتارخانية عن النصاب وهو المختار معراج عن عتابية وجعله في العناية رواية عن الامام وهو المختار والايسر في الاختيار. (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۲ فصل في البئر) ؎۲

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: ولا يفسد اي لا ينجس الماء بخرء حمام ... ولا ينجس بخرء عصفور ونحوهما مما يؤكل من الطيور غير الدجاج والاوز والبط الحكم بطهارته استحسان الخ (مراقي الفلاح على صدر الطحطاوي ص۲۲ فصل في مسائل الآبار)

؎۲ قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: ان الفتوى على انه ينزح ثلثمائة ولان في معراج الدراية معزيا الى فتاوى العتابي ان المختار ما عن محمد ... والآثار عن محمد اسهل على الناس (البحر الرائق ج۱ ص۱۲۳ كتاب الطهارة)

فرج سے نکلی ہوئی ہوا ناقض الوضو نہیں

سوال: نماز کے دوران اگر کسی عورت کی اگلی شرمگاہ سے ہوا خارج ہوجائے تو کیا وہ عورت نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے گی یا وہی وضو کافی ہوگا؟

الجواب: جو ہوا دبر سے نکلے وہ ناقض الوضو ہوتی ہے اور جو ہوا عورت کی فرج یا مرد کے ذکر سے خارج ہو وہ ناقض الوضو نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مذکورہ عورت کا وضو نہیں ٹوٹا اور وہ اسی وضو سے ہی نماز کو پورا کرے گی۔

لما قال العلامة ابوبكر بن علي الحدادؒ: والريح الخارجة من الذكر وفرج المرأة لا تنقض الوضوء على الصحيح الا ان تكون المرأة مفضاة فانه يستحب لها الوضوء۔ (الجوهرة النيرة ج۱ ص۸ كتاب الطهارة نواقض الوضوء)[۱]

عادت سے پہلے دمِ نفاس بند ہوجانے کی صورت میں جماع کا حکم

سوال: اگر کسی عورت کا دمِ نفاس عادت سے پانچ چھ دن قبل بند ہوجائے تو کیا اس کا شوہر اس سے قربان (ہمبستری) کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جس عورت کا خونِ نفاس عادت سے قبل بند ہوجائے تو جب تک اس کی عادت پوری نہ ہوجائے اس وقت تک شوہر کے لیے بیوی سے قربان (ہمبستری) ممنوع ہے البتہ اگر خون بند ہونے کے بعد ایک نماز کا وقت گزر جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کرسکتی ہے۔

لما قال العلامة الزيلعيؒ: ولو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها حتى يمضي عادتها وعليها ان تصلي وتصوم۔ (تبيين الحقائق ج۱ ص۶۹ كتاب الحيض)[۲]

۱؎ لما قال العلامة الحصكفيؒ: ولا خروج ريح من قُبُل غير مفضاة اما هي فيندب لها الوضوء وقيل يجب وقيل لو منتنة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۱ ص۱۳۵ باب نواقض الوضوء)

ومثله في الفتاوى الهندية ج۱ ص۹ باب نواقض الوضوء۔

۲؎ لما قال العلامة ابن نجيم المصريؒ: اذا انقطع لما دون العشرة دون عادتها لا يقربها وان اغتسلت ما لم تمض عادتها۔

(البحر الرائق ج۱ ص۲۱۲ كتاب الحيض)

پکی اینٹ پر تیمم کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کہ بیمار ہے اور پانی سے وضو کرنے پر قادر نہیں، اس لیے وہ پکی اینٹ پر تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس شخص کے تیمم اور اس سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو چیز زمین کے اجزاء سے ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، پکی اینٹ کا تعلق بھی چونکہ جنس الارض ہی سے ہے اس لیے پکی اینٹ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے سالم ہو یا مدقوق۔

لما قال العلامة ابراهيم الحلبيؒ: واما التيمم بالآجر فعند ابي حنيفةؒ يجوز مطلقاً دق اولا لانه من اجزاء الارض وان شوي وتصلب بمنزلة النورة۔
(كبيري ص۶۹ باب التيمم) [1]

استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جانے پر استنجاء کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص سے استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جائے تو کیا طہارت کے لیے اسے دوبارہ استنجاء کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی مقعد ابھی تک گیلی ہے؟

الجواب:۔ ہوا خارج ہونے سے اگرچہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ کرنا پڑتا ہے لیکن استنجاء کرنا لازمی نہیں ہوتا چاہے مقعد گیلی ہو یا خشک۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بھی ایسے شخص پر دوبارہ استنجاء کرنا لازمی نہیں، صرف وضو کرنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: وفلا يسن من ريح لان عينها طاهرة وانما نقضت لانبعاثها من مواضع النجاسة اهـ لان بخروج الريح لا يكون على السبيل شيء فلا يسن منه بل هو بدعة۔ (ردالمحتار ج۱ ص۳۳۶ فصل في الاستنجاء) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجيمؒ: ويجوز بالآجر وهو الصحيح لانه طين مستحجر (البحرالرائق ج۱ ص۱۴۴ باب التيمم) ومثله في الهندية ج۱ ص۲۶ باب التيمم، الفصل الاول۔

[2] لما قال العلامة ابن نجيمؒ: وقد علم من تعريفه ان الاستنجاء لا يسن الا من حدث خارج من احد السبيلين غير الريح لان بخروج الريح لا يكون على السبيل شيء فلا يسن منه بل هو بدعة۔ (البحرالرائق ج۱ ص۲۳۴ باب الانجاس)

ہوا خارج ہونے کا شک ہونے پر وضو کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کو وضو کرنے کے بعد اس بات کا وہم ہو جائے کہ اس کی ہوا خارج ہو گئی ہے مگر حقیقت میں اس سے کوئی ہوا وغیرہ خارج نہیں ہوئی ہوتی، تو کیا صرف شک کی بناء پر وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک ہوا خارج ہونے کا کامل یقین نہ ہو تو صرف شک کی بناء پر وضو نہیں ٹوٹتا۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: الیقین لا یزول بالشک۔

(الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۸۳) لہ

جگالی کے دوران جانور کے منہ سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے

سوال:۔ جانور جب جگالی کرتے وقت اگر کوئی چیز جانور کے منہ سے نکل کر پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ مواد معدہ سے واپس منہ میں آتا ہے اور جانور اس پر جگالی کرتے ہیں؟

الجواب:۔ جگالی کے دوران جو چیز جانور کے منہ سے نکل کر منہ میں واپس آتی ہے وہ حکماً پاخانہ کی طرح ہوتی ہے اس لیے اگر وہ کسی کپڑے یا پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لہ قال مولانا محمد رشیدؒ: مسئلہ: ہر جانور کا پتہ اس کے پیشاب کے برابر ناپاک ہے اور جگالی میں جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے پاخانہ کے برابر ناپاک ہے۔ (بہشتی زیور ص ۶۲۳)

پنجسورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلاء جانا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی جیب میں پنجسورہ یا سورۃ یٰسین وغیرہ ہو اور اسے بیت الخلاء جانے کی حاجت ہو اور یہ چیزیں وہاں رکھنے کی جگہ بھی نہ ہو تو کیا شرعاً وہ ان کے ساتھ بیت الخلاء جا سکتا ہے یا نہیں؟

لہ لما قال العلامۃ المفتی عبدالرحیم لاجپوری: جب ہوا نکلنے کا یقین نہیں ہے تو صرف وہم ہوتے رہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۲۱۱ کتاب الطہارۃ)

الجواب: متبرک اشیاء اور قرآنی آیات کا بیت الخلاء یا کسی ایسی جگہ جہاں گندگی پڑی ہو، لے جانا صحیح نہیں البتہ اگر جیب میں رکھی جائیں تو جائز ہے مگر یہ بھی خلاف اولیٰ ہے کوشش کرے کہ ایسی چیزیں بیت الخلاء سے باہر کسی محفوظ اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دی جائیں ورنہ بصورت مجبوری بلاکراہت مرخص ہے۔

لما قال العلامة کاشغری: ویکرہ دخول المخرج لمن فی اصبعہ خاتم فیہ شیء من القرآن او من اسماء اللہ تعالیٰ لما فیہ من ترک التعظیم۔

وقال العلامة ابراہیم الحلبیؒ فی شرح المنیة: وقیل لا یکرہ ان جعل فصہ الی باطن کفہ ولو یحان ما فیہ شیء من القرآن او من اسماء اللہ تعالیٰ فی جیبہ لا بأس بہ وکذا ولو کان ملفوفاً فی شیء والتحرز اولیٰ۔ (کبیری ص۶۰)[1]

نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد عورت جب تک ناپاکی کی حالت میں ہو تو اتنے دنوں (چالیس دن) تک اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا جائز نہیں، اس کا شرعی حل مطلوب ہے؟

الجواب: اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں افراط و تفریط اور یہود و ہنود کے معروف نظریات و خیالات کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں تک مذکورہ بالا سوال کا تعلق ہے تو یہ یہودیوں کا عمل و نظریہ ہے، یہ لوگ ان مخصوص ایام میں عورتوں کو بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں، نہ تو ان کے ہاتھوں کا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ دیگر سماجی و معاشرتی تعلقات رکھتے ہیں، اسلام نے حیض و نفاس کی حالت میں صرف جماع کرنے سے منع فرمایا ہے اور باقی سب امور کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانا پینا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولا یکرہ طبخھا ولا استعمال ما مسّتہ من عجین او ماء او نحوھا۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۹۲ باب الحیض)

---

[1] لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: ایسی چیز جس پر قرآن یا کسی نبی یا کسی فرشتے یا کسی معظم کا نام یا کوئی آیت یا حدیث یا دعا لکھی ہوئی ہو اپنے ساتھ رکھنا ... البتہ اگر ایسی چیز جیب میں ہو یا تعویذ کپڑے وغیرہ میں لپٹا ہوا ہو تو کراہت نہیں۔ (بہشتی زیور ص۴۲۹ کتاب الطہارۃ)

پیشاب اور پاخانہ کے وقت کن امور سے بچنا چاہیے؟

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کے حل کی تکلیف دینے پر معذرت خواہ ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ قضائے حاجت (پیشاب اور پاخانہ) کے وقت کن امور سے بچنا ضروری ہے؟

الجواب:- اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اس لئے ہر عمل کے لئے کچھ آداب اور کچھ امور سے بچنے کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے کے وقت بعض امور سے بچنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً بلا ضرورت باتیں کرنا، کھانستا، قرآن کریم کی کوئی آیت، حدیث یا کوئی دوسرے متبرک کلمات پڑھنا، کوئی ایسی چیز جس پر خدا، رسول یا فرشتے کا نام ہو، کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوئی ہو یا کوئی دعا تحریر ہو ساتھ لے جانا، بلا عذر شرعی کھڑے ہوکر یا لیٹ کر پیشاب اور پاخانہ کرنا، تمام کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہوکر قضاء حاجت کرنا، قبلہ رخ بیٹھنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، کھانے پینے کی اشیاء سے استنجاء کرنا، جانوروں کے چارے سے استنجاء کرنا وغیرہ، ان امور سے دوران قضاء حاجت بچنا چاہیے۔

لما في الهندية ج۱ ص۳۹ و بهشتي زيور حصہ ۱۱ ص۱۱۔

بواسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم

سوال:- ایک شخص بواسیر کا مریض ہے، اٹھتے بیٹھتے بواسیر کی رطوبت اس کے کپڑوں پر لگ جاتی ہے، تو کیا اس رطوبت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ رطوبت عام پانی کی طرح بہنے والی نہیں، نیز یہ بھی بتائیں کہ اس رطوبت سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ وضو اس نجس چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے جو انسان کے بدن سے نکل کر پانی کی طرح بہہ جائے، اگر بہے نہیں تو پھر وہ چیز ناقض وضو نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر رطوبت بواسیر کے زخم سے نکل کر بہتی نہ ہو تو اس سے وضو ختم نہیں ہوتا اور نہ کپڑے ناپاک ہوں گے، کیونکہ فقہائے کرام کا قاعدہ کلیہ ہے: ما ليس بحدث ليس بنجس، کہ جو چیز حدث نہ ہو وہ نجس نہیں۔

لما قال العلامة المفتي عزيز الرحمن: الجواب: جو رطوبت زخم سے باہر بہے اور سائل نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، كذا في كتب الفقه، اور کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء قاعدہ کلیہ لکھتے ہیں: ما ليس بحدث ليس بنجس۔ لیکن جو صورت آپ نے تحریر

فرمایا ہے: اس میں نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا صفحہ ۱۲۶ ترتیب مفتی ظفیرالدین صاحب کتاب الطہارۃ)

معذور کا قبل از وقت وضو کر کے اس سے نماز پڑھنا

سوال: ایک شخص معذور ہے یعنی اس کو سلسل البول کی بیماری ہے، وہ ہر نماز کے لیے الگ وضو کرتا ہے، اگر کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے قبل اس نے وضو کیا ہو تو کیا وہ اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: معذور شخص کے لیے ضروری ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے، اگر اس نے وقت داخل ہونے سے قبل وضو کر لیا تو وہ وضو درست نہیں اور وہ اس قبل از وقت کیے گئے وضو سے کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

لما قال العلامة الحصكفي: وحكمه الوضوء لكل فرض اللام للوقت ثم يصلي به فيه فرضا ونفلا فاذا خرج الوقت بطل (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۱ ص۲۸۰ مطلب احكام المعذور)

عورت کے رحم سے نکلنے والی سفید رطوبت سے وضو کا حکم

سوال: ایک عورت کے رحم سے ہر وقت سفید رطوبت نکلتی رہتی ہے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کیا یہ عورت معذور سمجھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر کسی عورت کے رحم سے سفید رطوبت ہر وقت بہتی رہتی ہو تو وہ ناقض وضو ہے یعنی وضو ختم ہو جاتا ہے، البتہ جو رطوبت فرج خارج سے آتی ہو تو وہ طیب ہے اس سے وضو ختم نہیں ہوتا، صورت مذکورہ میں چونکہ ہر وقت اس عورت کے رحم سے رطوبت نکلتی ہے اس لیے وہ معذور سمجھی جائے گی۔ کذا فی امداد الفتاویٰ ج۱ ص۹۹

؎ قال العلامة المفتی عزیز الرحمن: (الجواب) جبکہ وہ شخص معذور ہے تو اس کو قبل از وقت وضو کرنا درست نہیں ہے، اس وقت کے بعد ہی وضو کرے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا صفحہ ۳۷۴ ترتیب مفتی ظفیرالدین صاحب
کتاب الطہارۃ، فصل رابع، معذور سے متعلق احکام]